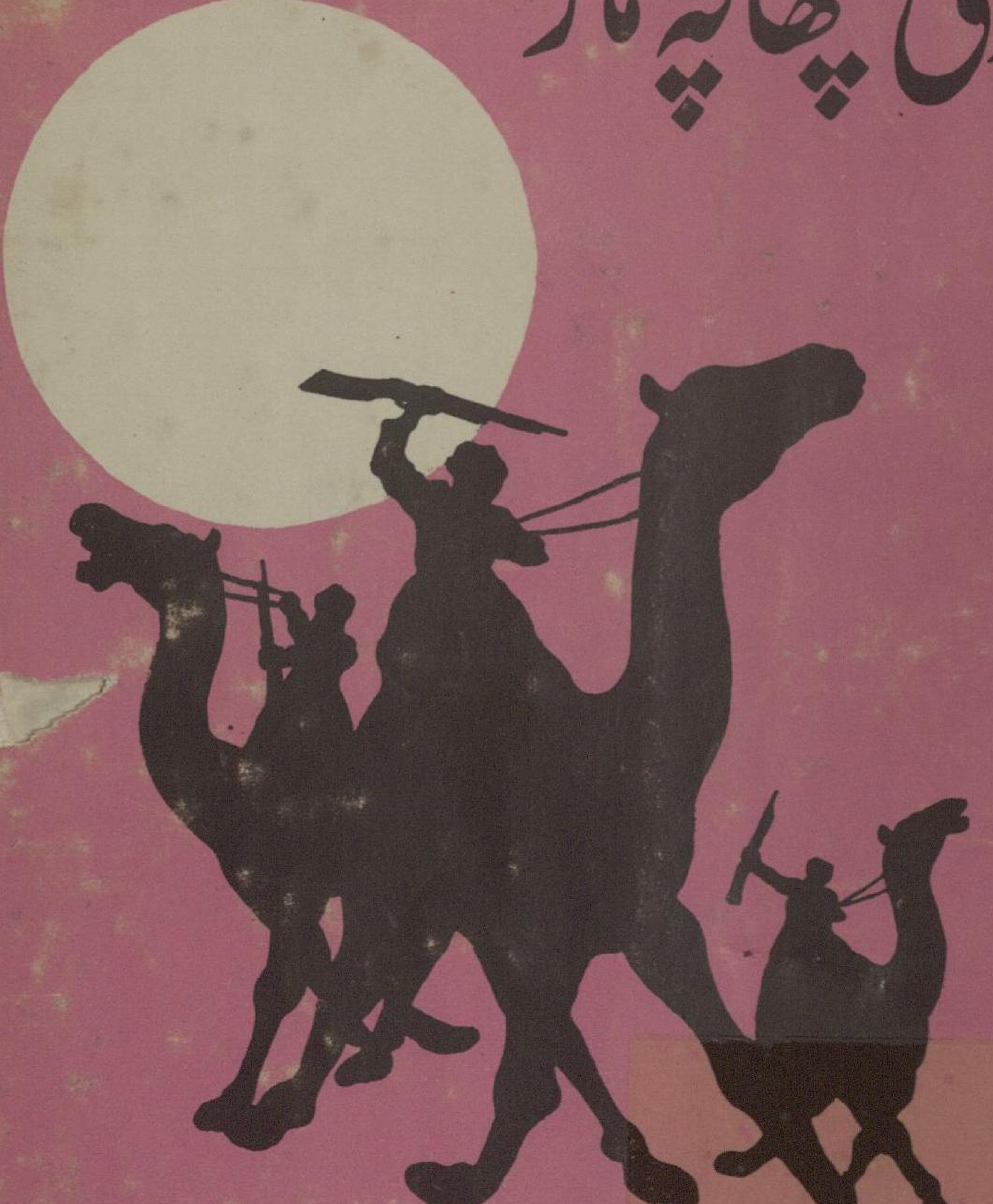
بلوچستان

کے

سرحدی چھاپہ مار



مصنفہ : جنرل ڈائر

ترجمہ : ہبر گل خان نصیر

بلوچستان کے

سرحدی چھاپہ مار

: از :

بریگیڈیئر جنرل آر، ای ایچ ڈائر، سی، بی

: اردو ترجمہ :

میر گل خان نصیر

نسا ٹریڈرز ۷۔ جناح کلاتھ مارکیٹ
کوئٹہ

طابع ______ عابد بخاری

مطبع ______ ریٹینا آرٹ پریس لاہور

طبع اوّل ______ 1979ء

تعداد ______ اعلیٰ ایڈیشن : 150

سستا ایڈیشن : 350

قیمت ______ اعلیٰ ایڈیشن : 115 روپے

سستا ایڈیشن : 50 روپے

اصل کتاب بریگیڈیئر جنرل آر، ای، ایچ ڈائر سی، بی نے موجودہ صدی کے اوائل میں "Raiders of the Sarhad" کے نام سے تحریر کی جس کا اُردو ترجمہ "بلوچستان کے سرحدی چھاپہ مار" کے نام سے میر گل خان نصیر نے کیا۔

اشاعتی اِدارہ

نساء ٹریڈرز، جناح کلاتھ مارکیٹ۔ کوئٹہ (پاکستان)

فون : 74681

تقسیم کار

میسرز گوشۂ ادب سرکلر روڈ، کوئٹہ (پاکستان)

فون : 75002

عرضِ ناشر

"ریڈرز آف دی سرحد" جس کا اُردو ترجمہ ہم "سرحدی چھاپہ مار" کے نام سے پیش کر رہے ہیں، بریگیڈیئر جنرل ڈائر کی تصنیف ہے جو ۱۹۲۱ء میں لندن میں چھپ کر شائع ہوئی ہے۔

بریگیڈیئر جنرل ڈائر پاک و ہند کی تاریخ کی وہ خون آشام شخصیت ہے جس کے نام سے برِصغیر کا کونسا ذی علم و شعور شخص واقف نہیں ہوگا۔ اُس نے امرتسر کے جلیانوالہ باغ میں خون کی جو ہولی کھیلی وہ رہتی دنیا تک یاد رہے گی۔

جنگِ عظیم اوّل (۱۹۱۴ء) کے دوران، حکومتِ ہند کی طرف سے ۱۹۱۶ء میں جنرل ڈائر کو بلوچستان کی شمال مغربی سرحد پر وہاں کے بلوچ قبائل کے خلاف ایک مُہم سر کرنے کو بھیجا گیا۔ "سرحدی چھاپہ مار" اُس مہم کی ایک ایسی روئداد ہے جو نہ صرف ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے بلکہ بعض ایسے سیاسی و جغرافیائی عوامل کی بھی مظہر ہے جن پر اب تک تاریخ کی روشنی نہیں پڑی ہے۔ یہ ایک ایسا روزنامچہ ہے جو حقیقت کے علاوہ افسانے سے زیادہ دلچسپ اور تاریخ سے زیادہ حیرت انگیز ہے۔ یہ اُس دَور کا ایک ایسا بیان ہے جبکہ بقولِ جنرل ڈائر، جرمن ایجنٹ فارس (ایران) سے ہو کر بلوچستان کے اِس شمال مغربی گوشے سے جو سرحد کے نام سے مشہور ہے اور آجکل مملکتِ ایران میں شامل ہے،

افغانستان اور پھر وہاں سے ہندوستان میں داخل ہُوا کرتے تھے۔

"سرحدی چھاپہ مار" گو کہ ۱۹۱۶ء میں اس علاقے میں پیش آمدہ حالات و واقعات پر روشنی ڈالتی ہے لیکن آج کی بین الاقوامی سیاست کی روشنی میں بھی اگر غور کیا جائے تو اِس کی افادیت اور قدر و منزلت میں اضافہ ہوتا ہے۔

یہ کتاب نہ صرف ایک مُہم کی رودَاد ہے بلکہ ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت سے سیاسی حکمتِ عملی، سپاہیانہ جُرأت و اِستقلال اور حاکمانہ تدبّر کی مُنہ بولتی تصویر بھی ہے۔

عابد بُخاری

فہرست مضامین

انگریزی متن کے پبلشر کا نوٹ:

"سرحدی چھاپہ مار" بریگیڈیر جنرل آر، ای، ایچ ڈائر، سی، بی کی لکھی ہوئی ایک ایسی مہم کی رُوداد ہے جو جنگِ عظیم (اوّل) کے دوران فارس اور بلوچستان کے سرحدی رہزنوں کے خلاف مسلّح طاقت کے استعمال کے ساتھ ساتھ دھونس اور دھمکیوں سے رُو بہ عمل آئی۔"

لندن۔ ۱۹۲۱ء

آیچ، ایف، اور جی، وِتھرلی

۳۲۶، ہائی ہالبورن، ڈبلیو، سی۔

تمہید

بالآخر ایک بہت بڑی جھجک کے بعد مَیں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اپنی اُس مُہم کی کہانی لکھوں جو ۱۹۱۶ء میں سرحد کے چھاپہ ماروں کے خلاف رُو بہ عمل آئی۔

اِس مُہم کی کوئی اہمیت نہیں رہتی اگر اِس کا مقابلہ ان بڑے بڑے کارناموں سے کیا جائے جو بعض افراد نے جنگ (عظیم) کے دوسرے میدانوں میں سرانجام دیئے ہیں لیکن اُن سے متعلق کچھ نہیں کہا ہے۔ بہر حال یہ مہم غیر اہم ہی سہی، لیکن جنگِ عظیم کے مُرقّع کا ایک حصّہ تو ہے اور اِس لئے عمومی دلچسپی کا باعث بن سکتی ہے۔

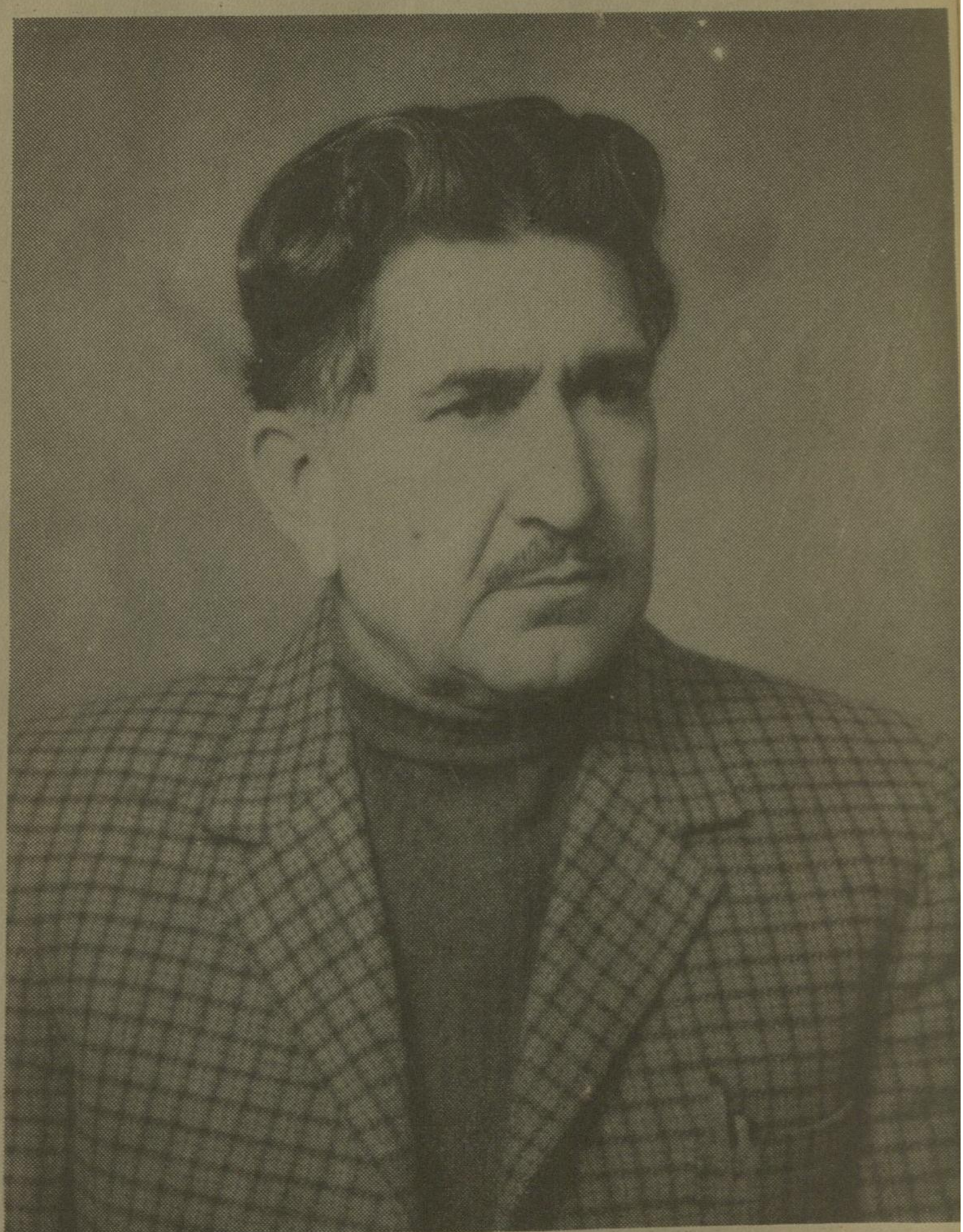
اِس موقع سے فائدہ اُٹھا کر مَیں اُن تمام افسروں کو ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں جنہوں نے اِس مختصر مُہم میں حِصّہ لیا اور اپنے فرائض سرانجام دینے کے لئے انتھک کوششیں کیں اور آزمائش کی اُن سخت گھڑیوں میں قربانیاں دے کر اِس مُہم کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔

مَیں خصوصیت کے ساتھ ۳۵ ویں سندھ ہارس کے میجر لینڈون — (Landon) کا ذکر کرنا چاہتا ہُوں جو وہاں کے باشندوں اور اُن کی سرزمین سے متعلق وسیع اور گراں قدر معلومات رکھتا تھا۔ ۳۶ ویں سکھ رجمنٹ کے میجر سینڈرز (Sanders)، ۲۸ ویں لائٹ کیولری کے

کرنل کلیرج (Claridge) اور کپتان براؤنلو (Brownlow) اور کپتان ہرسٹ (Hirst) جو دونوں ۲۸ ویں لائٹ کیولری سے متعلق تھے اور ہزارہ پانیئر کے میجر لینگ (Lang)، کپتان مُورلین (Moore Lane)، لفٹیننٹ بریم (Bream) اور کپتان انگلش، آر، اے (English, R.A.) قابل تعریف ہیں۔

مزید برآں میں اِس امر کا ذکر بھی کرنا چاہتا ہُوں کہ نہ صرف میں بلکہ یہ وطن کہنہ بھی خان بہادر سرحددار اور چاغی لیویز کے نان کمیشنڈ آفیسر عیدو کا کس قدر زیادہ ممنون ہے۔

آر، ای، ایچ ڈائر



ایک جائزہ

جیساکہ کہا گیا ہے بسا اوقات حقیقت افسانے سے بھی زیادہ دلچسپ اور حیرت انگیز ہوتی ہے، بلوچستانی سرحد کے چھاپہ مار بلوچوں کی یہ رُوئداد اسی قسم کی ایک حقیقت ہے جسے ہندوستان کے جلیانوالہ باغ امرتسر کے مشہورِ عالم واقعہ کے بدنام زمانہ قاتل بریگیڈیئر جنرل آر، ای، ایچ، ڈائر، سی، بی نے اپنی سرگذشت کے ایک حصّے کے طور پر لکھا ہے۔ یہ کتاب "ریڈرز آف دی سرحد" کے نام سے ۱۹۲۱ء میں لندن میں چھپی ہے جس کے متعلق ناشر ایک نوٹ میں لکھتا ہے کہ "یہ ایک ایسی مُہم کی روئداد ہے جو جنگِ عظیم اوّل (۱۹۱۴ء) کے دوران فارس اور بلوچستان کے سرحدی رہزنوں کے خلاف مسلّح طاقت کے استعمال کے ساتھ ساتھ دھونس اور دھمکیوں سے رُوبہ عمل آئی۔"

اِس سے قبل کہ جنرل ڈائر اور اُس کے مقامی ایجنٹوں کی بابت کچھ کہا جائے، یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُس علاقے کی نشان دہی کی جائے جو سرحد کے نام سے مشہور ہے اور جہاں پر جنرل ڈائر نے بقول اُس کے اپنے مشن کو کامیابی سے ہمکنار کیا ہے۔

بلوچستان، جیساکہ ظاہر ہے اِس وقت پاکستان، ایران اور افغانستان کی مملکتوں میں بٹا ہُوا ہے لیکن جن دنوں حکومتِ ہند کے احکام کی تعمیل میں

جنرل ڈائر نے اپنی یہ مہم شروع کی، اُن دنوں سرحدات کا باضابطہ تعین نہیں ہُوا تھا۔ ایران اور افغانستان کی جنوب مشرقی اور جنوب مغربی سرحدات پر کلیتاً بلوچ قبائل اپنے اپنے سرداروں کے زیرِ اقتدار اور اپنے قبائلی رسم و رواج کے مطابق تقریباً ایک آزاد زندگی بسر کرتے تھے اور یہ علاقے بلوچستان میں شامل تھے۔

ایران کے جنوب مشرق میں، سیستان کے ایرانی علاقے سے مُتّصل اور افغانستان کے جنوب مغرب میں گرم سیل اور کوہِ مَلک سیاہ تک اور اُس وقت کے ہندوستانی بلوچستان کی شمال مغربی سمت میں پھیلا ہُوا، بلوچ قبائل کا جو علاقہ پڑتا تھا اُسے عُرفِ عام میں سرحد کہا جاتا تھا۔ اِس علاقے میں اگرچہ ریکی، یار محمد زئی، اِسماعیل زئی اور گمشاد زئی وغیرہ کئی دوسرے چھوٹے بڑے ناروئی بلوچ قبائل آباد ہیں لیکن مجموعی طور پر یہ تمام قبائل دامُنی کہلاتے ہیں۔ یہ قبائل آزاد مَنِش، جنگجو اور اپنے قرب و جوار کی ایرانی اور افغانی آبادیوں میں اکثر مار دھاڑ کیا کرتے تھے لیکن جو چیز اُن سے متعلق، بالخصوص جنگِ عظیم اوّل کے دوران حکومتِ ہند کو پریشان اور مخوّف کئے ہُوئے تھی وہ جرمن ایجنٹوں کے ساتھ ان کے رابطے کا قیام تھا۔ اگرچہ جنرل ڈائر یا اُس کے بعد کسی اور انگریز افسر یا اِدارے نے اِس الزام سے متعلق کوئی ٹھوس ثبوت پیش نہیں کیا سوائے اُن خطوط کے جو شاہسوار سے منسوب کئے گئے ہیں اور جو بقول جنرل ڈائر اُس نے جرمن ایجنٹوں کو لکھے تھے اور جو جنرل ڈائر کے ایجنٹوں کے ہاتھ لگے لیکن اُن خطوط کے بارے میں بھی یہ نہیں بتلایا گیا کہ وہ جرمن

ایجنٹ کون تھے اور کہاں تھے جن کو یہ خطوط لکھے گئے۔ بہر حال سرحد کے علاقے کو تاخت و تاراج کرنے کی برطانوی حکومتِ ہند کے پاس وجہ جواز یہی تھی۔

جنرل ڈائر نے سرحد کے اِن بلوچ قبائل کے خلاف فروری ۱۹۱۶ء میں اپنی یہ مُہم شروع کی جسے وہ ہتھیاروں کی نمائش اور دھونس و دھمکیوں کی مُہم کہتا ہے اور پُورے آٹھ مہینے تک اِسے جاری رکھا۔ اِس میں وہ کہاں تک کامیاب ہُوا، کتاب کے مُطالعہ سے قارئین اِس کا بخوبی اندازہ لگا سکیں گے۔ نہ تو وہ جیئند کو دوبارہ گرفتار کر سکا اور نہ ہی گمشادزئی اور یار محمد زئی قبائل کو اپنی اطاعت پر آمادہ کر سکا۔ البتہ گمشادزئی قبیلہ کے بہادر اور نوجوان سردار خلیل خان کو ایک جھڑپ میں جامِ شہادت پلانے میں اُسے کامیابی ضرور ہُوئی لیکن خلیل خان کی شہادت میں جنرل ڈائر کے تدبّر سے زیادہ خلیل خان کی اپنی بے خوفی، کوتاہ اندیشی اور بلوچ ہَٹ مُمّد ہوئی۔

جنرل ڈائر لکھتا ہے کہ "گمشادزئیوں کے ساتھ اِس آخری معرکے کے بعد تمام سرحد میں انگریزوں کا وقار مکمل طور پر بحال ہو گیا۔" مگر اُس کے سرحد سے رختِ سفر باندھنے کے بعد جو واقعات سرحد میں وقوع پذیر ہُوئے اُن کے بیان کرنے کا اگرچہ یہ مقام نہیں، لیکن اُن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جنرل ڈائر جس وقار کی مکمل بحالی کا دعوےٰ کر کے گیا تھا، درحقیقت ایسا نہیں تھا۔ سرحد کے اِن قبائل میں اگرچہ اب جیئند، خلیل خان اور شاہسوار جیسے سردار اور رہنما باقی نہیں رہے لیکن اُن کا جذبۂ آزادی بدستور باقی ہے۔

انگریزوں نے دو سو سال تک ہندوستان پر اور تقریباً اسّی (۸۰) سال تک بلوچستان پر حکومت کی۔ کروڑوں انسانوں کو انہوں نے اپنی حکومت کے پھندے میں جس طرح جکڑے رکھا، اُن کی دلیری، تدبّر، دُور اندیشی، قبائل کی رمز شناسی اور نظامِ حکومت کی پختہ کاری کی داد دینی پڑے گی۔ ہر انگریز جو کسی فرض کی بجا آوری پر مامور ہو کر آیا اُس نے نہایت خلوص، دیانت، دلیری اور تن من دھن سے اُسے سرانجام دیا، جس کی ایک روشن مثال جنرل ڈائر کے کردار میں ملتی ہے۔

اُس زمانے میں جب کہ جنگِ عظیم (اوّل) کے شعلے بھڑک رہے تھے اور دُنیا کی کوئی مملکت اُس کے اثرات سے محفوظ نہ تھی، بلوچستان میں نہ تو انگریزوں کی اب تک کوئی منظّم حکومت قائم ہو سکی تھی اور نہ ہی اِس طُول و طویل اور بے برگ و بار سرزمین میں رسل و رسائل اور نقل و حرکت کے ذرائع قائم اور محفوظ تھے، ایک انگریز افسر (جنرل ڈائر) صرف اپنے ایک انگریز ڈرائیور کے ساتھ راولپنڈی سے روانہ ہو کر کوئٹہ سے ہوتا ہوا خواش پہنچتا ہے جو بلوچستان کی آخری حد پر اور کوئٹہ سے تقریباً سات سو میل کے فاصلے پر مغرب میں واقع ہے اور محض اپنی ہمّت، حوصلہ اور سپاہیانہ تدبّر سے ایسے کارہائے نمایاں کر گزرتا ہے کہ آج کے اِس نسبتاً ترقی یافتہ اور روشن دَور میں بھی جبکہ ہر طرف سڑکوں کا جال بچھا ہُوا ہے، ٹرین اور مسافر بردار بسیں دوڑتی پھرتی ہیں، زاہدان تک ٹرین کے ذریعے آمد و رفت کا سلسلہ قائم ہے، اِس کے باوجود اِس علاقے میں سفر کرتے وقت دِلوں میں ایک

ہَول سا اُٹھتا محسوس ہوتا ہے۔ جنرل ڈائر اِن تمام صعوبتوں کو صرف اپنے ایک انگریز ڈرائیور کے ساتھ مردانہ وار برداشت کرتا ہُوا اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے اور پھر اُن قبائل سے جن کی نہ تو وہ زبان جانتا ہے، نہ اُن کے رسم و رواج سے واقفیت رکھتا ہے اور نہ ہی اُن کی سرزمین کے نشیب و فراز اور آب و ہَوا سے شناسا ہے، رابطہ قائم کرتا ہے، لڑتا ہے، دربار منعقد کرتا ہے، عہد و پیمان اور قول و قرار کے طُومار باندھتا ہے اور بالآخر جس مِشن پر اُسے بھیجا گیا تھا اُسے اپنے طور پر اور اپنے اندازے کے مطابق پُورا کر کے واپس لَوٹتا ہے۔

ہم انگریزوں کی ڈپلومیسی اور سیاسی چالبازیوں سے متعلق جو بھی رائے رکھتے ہوں لیکن اُن کی جُرأت، استقلال اور حاکمانہ صلاحیتوں کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

جنرل ڈائر کی اِس مُہم میں دُوسرا بڑا بلکہ اہم ترین کردار عیدو خان ریگی زئی کا رہا ہے جس کے متعلق خود جنرل ڈائر اعتراف کرتا ہے کہ "عیدو کے متعلق پچھلی رات کو مَیں نے جو اچھی رائے قائم کی تھی دوسرے دِن صبح کو جب مَیں نے اُس سے طویل گفتگو کی تو میری رائے میں مزید اضافہ ہُوا۔ دن کی روشنی میں وہ مجھے ایک بہت ہی ہوشیار، متناسب جسم کا مالک، پانچ فٹ آٹھ اِنچ قد کا، ایک لمبی کالی ڈاڑھی والا شخص نظر آیا۔" اِسی سلسلے میں آگے چل کر لکھتا ہے۔" جیسا کہ بعد کے واقعات سے ثابت ہُوا کہ وہ (عیدو) ایک بالکل بے بہا شخص تھا اور یہ حقیقت ہے کہ مَیں اکثر اُسے

بُلاتا اور اُس سے کہتا۔ "عیدو : مَیں تم کو اپنا سَر (دماغ) سمجھتا ہُوں"۔ نہ صرف یہ کہ عیدو علاقے کی گز گز زمین کو جانتا تھا بلکہ وہ اِن قبائلی چھاپہ ماروں میں سے ہر ایک کا نام بھی جانتا تھا اور اُن میں سے ہر ایک کو پہچانتا تھا، اُن کی خصوصیات، اُن کی کمزوریوں اور اُن کی قبائلی طاقت سے بھی واقف تھا۔ عیدو، لاکھوں میں ایک تھا۔"

عیدو کے کردار سے اِس حقیقت کو مزید تقویت ملتی ہے کہ کسی مُلک یا علاقے کا ایک چالاک مقامی غدّار، جیسا کہ عیدو تھا، اپنے ہموطنوں کو کیسی کیسی مُصیبتوں میں مُبتلا کر سکتا ہے۔ ان کی خودداری، شجاعت، ایثار و قربانی اور سرفروشی کے جذبات کو کِس طرح اپنی چالبازیوں اور مکّاریوں سے خوف، بُزدلی، تذلیل اور ندامت میں بدل دیتا ہے اور اُن کی آزادی کا گلا گھونٹ کر غلامی کا طوق اُن کے گلوں میں ڈالنے کا باعث بنتا ہے۔

جنرل ڈائر، عیدو کی کارستانیوں کا ذکر بار بار قابلِ ستائش انداز میں کرتا ہے اور اِس میں کوئی شک نہیں کہ اگر عیدو جیسا ایک وطن فروش غدّار جنرل ڈائر کو نہ ملتا تو اُسے سرحدی بلوچ قبائل کو بہلا پھُسلا کر اپنی طرف راغب کرنے اور دھونس و دھمکیوں سے مرعُوب کرنے میں اِتنی کامیابی ہرگز حاصل نہ ہوتی جس کا وہ دعویٰ کرتا ہے۔

یہ عیدو کے ہی اختراعی دماغ کی کلدستانی تھی کہ اِن سادہ لوح بلوچوں نے، جنہوں نے زندگی میں پہلی بار موٹر کار دیکھی تھی، اِسے ایک عجوبہ، ایک شیطانی آلہ اور ایک تباہ کُن جنگی ہتھیار قرار دیا اور اِس سے اِس قدر

سراسیمہ اور خوف زدہ ہوئے کہ اپنی کر کری بھول گئے اور عیدو کو یہ موقع دیا کہ جنرل ڈائر کو ایک برائے نام سی فوج کے ساتھ اُن پر غلبہ دلادے۔

مثل مشہور ہے کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے، عیدو گھر کا یہی بھیدی تھا جس نے سرحد کے آزاد منش، بلوچ قبائل کے تلوں کو، اُن کی جہالت اور ناتجربہ کاری سے فائدہ اُٹھا کر جنرل ڈائر کے قدموں پر ڈھیر کر دیا اور اُن کی شجاعت، عزائم اور حوصلوں کو اِس حد تک پست کر دیا کہ جنرل ڈائر کی فوج سے دہ چند زیادہ تعداد میں ہونے کے باوجود ابتدائی دَور میں اُس سے ٹکّر لینے سے کتراتے اور جان بچاتے پھرتے رہے۔ عیدو کی اِن کارستانیوں کو، جن کے بیان سے زیرِ نظر کتاب بھری پڑی ہے، دیکھتے ہوئے جنرل ڈائر کے ان الفاظ کی صداقت میں کہ بحیثیت ایک غدّار کے "عیدو لاکھوں میں ایک تھا" کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

بلوچستان میں انگریزوں کی آمد کے ابتدائی ادوار سے جبکہ بلوچوں کے ساتھ ان کو واسطہ پڑا اور اُس وقت تک جبکہ انہوں نے بلوچستان کے اِس حصّے پر جسے ریاستی اور برطانوی بلوچستان کا نام دے کر اپنا تسلّط قائم کیا، کسی انگریز سوانح نگار یا روزنامچہ نویس نے جن میں پوٹنجر، میسن، نیپیئر، جان جیکب اور رابرٹ سنڈیمن خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں، بلوچوں کو بدقول، مکّار اور عہدشکن جیسے مذموم خطابات سے یاد نہیں کیا بلکہ اِس کے برعکس اِن سب انگریزوں نے جن میں بعض بڑے بڑے عہدوں پر فائز اور آمرانہ اختیارات رکھتے تھے، بلوچوں کو قول و قرار کا پابند، راست باز اور

بہادر دشمن کی صفات سے متصف قرار دیا ہے۔ جنرل ڈائر، جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے وہ واحد انگریز افسر ہے جس نے بلوچوں کو عہد شکن اور بدقول کہہ کر اپنی مکّاریوں اور چالبازیوں کی پردہ پوشی کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر یکم مئی ۱۹۱۶ء کو گچاڈ کے مقام پر بلوچ قبائلی سرداروں کے ساتھ اُس نے عہد و پیمان کیا اور انہیں اپنے علاقوں میں واپس جانے کی اجازت دے دی لیکن بعد ازاں محض عیدو کی جھوٹی اطلاعات پر اعتبار کر کے اُس نے خواش کے قلعے پر قبضہ کرنے کے لئے ہلّہ بول دیا جو شاہسوار اور اُس کے یار محمد زئیوں کی ملکیت تھی مگر چونکہ جنرل ڈائر سرحد پر اپنے قبضے کو مستحکم کرنے کے لئے اُسے ایک اہم مرکزی مقام سمجھتا تھا، اس لئے سردار جئیند اور دوسرے بلوچ سرداروں کے ساتھ اپنے کئے ہوئے عہد و پیمان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اُس نے خواش پر اچانک چڑھائی کر دی جو گچاڈ کے مقام پر کئے ہوئے عہد و پیمان کی صریح خلاف ورزی تھی۔

اسی طرح ازاں بعد خواش کے دربار میں جئیند خان، شاہسوار اور ان کے یار محمد زئی معتبرین کے ساتھ جو صلح نامہ تحریر ہوا، اس کی سیاہی اب تک خشک نہ ہونے پائی تھی کہ جنرل ڈائر نے شاہسوار پر جرمنوں کا ایجنٹ ہونے کا الزام لگا کر اُسے خواش کے قلعے میں طلب کیا۔ شاہسوار کی نیک نیتی، سچائی اور دلیری ملاحظہ ہو کہ وہ بلا جھجک خود چل کر جنرل ڈائر کے پاس آیا جبکہ اُسے معلوم تھا کہ اُس پر کیسا سنگین الزام لگایا جا چکا ہے۔ مگر وہ آیا اور محض اس لئے

آیا کہ اُس نے جنرل ڈائر کے ساتھ چند یوم پیشتر ایک صلح نامے پر دستخط کیے تھے اور جرمنوں کے ساتھ رابطہ رکھنے کا یہ واقعہ اگر صحیح بھی تھا تب بھی وہ اس صلح نامے سے قبل کا واقعہ تھا اور جسے جنرل ڈائر خود بھی تسلیم کرتا ہے لیکن اس کے باوجود اُس نے شاہسوار کو اپنے ایک ڈمّی کورٹ مارشل کے سامنے پیش کر کے موت کی سزا سُنادی اور پھر اُسے اُس کی بیوی گُل بی بی کی ذمہ داری پر معاف کر دیا۔ یہ سب کچھ محض اِس لیے کیا جا رہا تا کہ قبائل میں ہراس پھیلے اور گل بی بی پر جو ایک بااثر خاتون تھی اُس کی دھاک بیٹھے اور وہ شاہسوار کو انگریزوں کی مخالفت سے باز رکھے۔

قارئین کو مطالعہ کے دوران ہر ہر واقعہ کے بیان میں، جنرل ڈائر کی طرف سے ٹیکنیکی اِصطلاحات کے اِستعمال اور شاطرانہ خیال آرائیوں کے ذریعے پردہ پوشی کی کوششوں کے باوجود یہ حقیقت صاف نظر آئے گی کہ جنرل ڈائر کو ایک مشّاق اور تجربہ کار سپہ سالار کی طرح صرف اپنی جنگی چالوں کا خیال رہتا تھا۔ وہ اِس پر کبھی نہیں سوچتا تھا اور نہ سوچنے کی ضرورت محسوس کرتا تھا کہ اس نے اِن سادہ لوح بلوچ قبائلی سرداروں کے ساتھ کل کیا عہد و پیمان اور قول و قرار کیے ہیں۔ وہ انگریزی کے اِس مقولے پر عمل پیرا تھا کہ "محبت اور لڑائی میں سب کچھ جائز ہے۔" لیکن بلوچ سردار اِس کے برعکس اپنے عہد و پیمان پر قائم رہنے کو دھوکا اور فریب پر ترجیح دیتے تھے۔ بہرحال ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے، بالآخر بلوچوں کو یہ احساس ہو ہی گیا کہ ان کے علاقے پر قبضہ کرنے کے لئے جنرل ڈائر اُن سے دھوکے اور فریب کا کھیل، کھیل رہا ہے۔

تب وہ لڑے اور اِس طرح لڑے کہ جنرل ڈائر کو اُن کی جُرأت، قوّت برداشت اور جنگجوئی کا اعتراف کرنا پڑا۔ جنرل ڈائر آٹھ مہینوں تک اپنا خونی کھیل کھیل کر بے نیل و مرام واپس ہُوا لیکن سرحد کے بہادر بلوچ قبائل کو اپنا مطیع نہیں کر سکا۔ بہادر بلوچوں کا یہ علاقہ جو سرحد کہلاتا ہے گو کہ اب پاکستانی بلوچستان میں شامل نہیں ہے بلکہ مملکتِ ایران کا ایک حصّہ سمجھا جاتا ہے لیکن سردار جیند، شاہسوار اور خلیل خان کی جنگِ آزادی کے چرچے یہاں کے عوام اور خواص اب تک فراموش نہیں کر سکے۔

جن دنوں مَیں اپنی تالیف "تاریخِ بلوچستان" کے لئے مواد جمع کر رہا تھا اتفاقاً شمال مغربی سرحدی صوبہ کے شہر پاراچنار کی فوجی لائبریری میں جنرل ڈائر کی یہ کتاب "ریڈرز آف دی سرحد" میری نظر سے گذری۔ تاریخِ بلوچستان کے لئے اُس سے مَیں نے حسبِ ضرورت اِستفادہ کیا۔ لیکن اُس وقت میرے دل میں یہ خیال سمایا کہ یہ پُوری کتاب اِس قابل ہے کہ کسی وقت، جب فرصت کے لمحات میسر ہوں اِس کا اردو ترجمہ کر کے شائع کرا دوں۔ اِس بات کو کئی سال گُذرے لیکن چونکہ کتاب کا حصول میری دسترس میں نہیں تھا اِس لئے میری یہ خواہش پوری نہیں ہو سکی۔

پچھلے دنوں گوشۂ ادب اور نسا ٹریڈرز کے مالک جناب عابد بخاری صاحب سے اِس ضمن میں میری گفتگو ہُوئی اور اُن سے مَیں نے اپنی اِس خواہش کا اظہار کیا۔ مجھے خوشی ہُوئی کہ جناب عابد بخاری صاحب نے نہ صرف مجھ سے جنرل ڈائر کی یہ کتاب "ریڈرز آف دی سرحد" بہم پہنچانے کا وعدہ کیا بلکہ اِس

کے اُردو ترجمے کو چھاپنے اور شائع کرنے کا یقین بھی دلا دیا۔ اور پھر کمالِ جستجو سے اِسے پشاور کے اپنے کسی ذریعے سے صرف دو مہینوں کے لئے حاصل کر کے میرے سپرد کر دیا۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ دو سو انیس (۲۱۹) صفحات کی اِس کتاب کے ترجمے میں اور وہ بھی دو مہینوں کے اندر مجھے کافی محنت کرنا پڑی۔ الحمدللہ کہ مَیں اِس میں کامیاب ہُوا اور آج جنرل ڈائر کی یہ کتاب "سرحدی چھاپہ مار" کے نام سے آپ کے سامنے ہے۔

مَیں انگریزی دانی کا دعویٰ نہیں کرتا اور نہ ہی اپنی اردو دانی پر اعتماد کرتا ہوں۔ دونوں زبانوں میں محض شُد بُد رکھتا ہُوں لیکن تاریخ سے شغف ضرور رکھتا ہُوں۔ اور یہ کتاب چونکہ ایک تاریخی اہمیت رکھتی ہے اِس لئے مَیں نے اِس مشکل کام میں ہاتھ ڈالنے کی جسارت کی۔ اِس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہُوا ہُوں، مَیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ قارئین مجھ سے بہتر اِس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

جہاں تک ترجمے کا تعلق ہے جن اہلِ قلم حضرات کو اِس کا تجربہ ہُوا ہے وہ یقیناً جانتے ہونگے کہ یہ ایک مشکل کام ہے۔ اگر ترجمہ لفظ بہ لفظ کیا جائے تو ایک ایسا گورکھ دھندا سا بن جاتا ہے جس سے قارئین کو کتاب کے مطالعے سے حظ اٹھانے کی بجائے گھِن آنے لگتی ہے اور اگر روزمرّہ کے مطابق اور بامحاورہ ترجمہ کرنے کی کوشش کی جائے تو مصنّف کے پیکرِ خیال کے مدّھم پڑ جانے یا بگڑ جانے کا خطرہ رہتا ہے جو کسی صورت بھی قابلِ پذیرائی نہیں ہوتا لہٰذا مترجم کو اِن دونوں صورتوں سے بچ بچ کر

اپنا راستہ تلاش کرنا پڑتا ہے تاکہ ترجمے کی عبارت میں سقم بھی نہ آئے اور نفسِ مضمون بھی بے کم و کاست ادا ہو سکے۔

"ریڈرز آف دی سرحد" انگریزی کے کسی ادیب یا مصنّف کی تحریر نہیں بلکہ ایک فوجی جرنیل کی تصنیف ہے جو فوجی زبان بولتے اور لکھتے ہیں اور جو ٹیکنیکل اِصطلاحیں استعمال کرتے ہیں اُردو میں اُن کے مترادفات آسانی سے دستیاب نہیں ہو سکتے، البتہ انگریزوں کے دو صد سالہ دورِ حکومت میں چونکہ وہ انگریزی اِصطلاحیں اِس کثرت سے اردو میں اِستعمال ہو چکی ہیں کہ اب آسانی سے ایک قاری کی سمجھ میں آسکتی ہیں اِس لئے مترادفات کے چکّر میں پڑنے کی بجائے مَیں نے اُن کو ویسے ہی اِستعمال کیا ہے۔ البتّہ جرنیل صاحب کے طویل فقروں کو جو بسا اوقات ایک پُورے پیراگراف کو سمیٹے ہُوئے ہوتے ہیں، حتی الوسع اپنی دانست کے مطابق مختصر مگر بامعنی فقروں میں جوڑ دینے کی کوشش کی ہے۔ اِس کے علاوہ ترجمے میں کوئی خاص اِختراع یا اختلال نہیں کیا گیا ہے۔

بہرحال مَیں نے اپنی بساط بھر کوشش کی ہے کہ ترجمے کی زبان سلیس اور عام فہم ہو۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ بعض ایسے مقام بھی آئے ہونگے جہاں مَیں نے ٹھوکر کھائی ہے اور نفسِ مضمون کی کماحقہٗ ترجمانی کرنے سے قاصر رہا ہُوں۔ اِس کے لئے مَیں قارئین سے بالعموم اور اُردو داں حضرات سے بالخصوص معذرت کا خواہاں ہُوں۔ فقط

گُل خان نصیر

پہلا باب

فروری ۱۹۱۶ء کے آخری دنوں میں جنرل کرک پیٹرک (Kirk Patric) چیف آف سٹاف نے جو دہلی میں مقیم تھے، مجھے طلب کیا اور حکم دیا کہ جنوب مشرقی فارس (ایران) کے فوجی آپریشن کا چارج سنبھال لوں۔

اگرچہ فارس بحیثیت ایک مُلک کے جنگ کے دوران غیر جانبدار تھا لیکن اُس کے جنوب مشرق کا ایک علاقہ افغانستان اور بلوچستان کی سرحدات کے متصل واقع تھا اور سرحد کہلاتا تھا، جس میں کئی خانہ بدوش قبائل آباد تھے جو اپنی مکمل آزادی کے دعویدار تھے۔ یہی قبائل ان دنوں حکومتِ ہند کے لیے خاصی پریشانی اور مشکلات پیدا کر رہے تھے۔

جرمن اور اُن کے ایجنٹ جو پروپیگنڈے کے فن کے مانے ہُوئے اُستاد تھے اُن میں بدستور اُسی طرح کام کر رہے تھے جس طرح کہ جنگ کی ابتدائے بھی سال ہا سال قبل ہندوستان کے ایک حِصّے کے غیر مطمئن باشندوں کو کُھلے عام بغاوت پر اُکسانے کی اُمیدیں کر چکے تھے۔ اگرچہ ہندوستان نہایت شاندار طریقے سے اپنے مالی و جانی ذرائع بطورِ امداد برطانوی راج کو پیش کر چکا تھا لیکن اِس کے باوجود جرمن یہ یقین رکھتے تھے کہ ان کو ہمارے خلاف

بغاوت پر اُکسانا ممکن ہے اور اِس طرح وہ یہ اُمید بھی رکھتے تھے کہ یہاں پر لوگوں کو ہمارے خلاف بغاوت پر اُکساکر وہ اِس عظیم جد وجہد میں مغرب میں ہمارے لئے رکاوٹیں پیدا کرنے میں کامیاب ہونگے۔

جرمن اپنے ایجنٹوں کو اپنے جھوٹے پروپیگنڈوں سے لیس کر کے فارس اور افغانستان کے راستے بکثرت ہندوستان بھیج رہے تھے۔ افغانستان بھی فارس کی طرح برائے نام غیر جانبدار تھا لیکن اکثر برملا جارحانہ کارروائیوں سے اپنی غیر جانبداری کی خلاف ورزی کر رہا تھا اور جرمن ایجنٹوں کو اپنی حدودِ مملکت سے گذرتے وقت ہر وہ سہولت جو اُس کے بس میں تھی، دے رہا تھا۔ جرمن ایجنٹ افغانستان سے پنجاب میں داخل ہو جاتے تھے۔

افغانستان میں پہنچنے کے لئے جرمن ایجنٹوں کو بہر صورت فارس کے کچھ حصّوں میں سے گذرنا پڑتا تھا۔ فارس کی حکومت نے انگریزوں اور جرمنوں کی نقل وحرکت پر کوئی پابندی نہیں لگا رکھی تھی۔ جرمن اِس موقع سے پورا پورا فائدہ اُٹھا رہے تھے۔

نقشے پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ بظاہر فارس میں سے اُن کے لئے آسان راستہ شمال سے، رُوس کے زیرِ اثر علاقے میں سے تھا اِس طرح وہ خوراسان سے افغانستان میں داخل ہو جاتے تھے اور اگر اِس میں کامیاب نہ ہوتے تب جنوبی سمت کا راستہ اِختیار کرتے جو بہت دُور پڑتا تھا۔ اِس راستے سے وہ صحرائے لُوط میں سے ہو کر بیرجند کی طرف نکل جاتے تھے۔ جرمنوں نے اِس میں کوئی شک نہیں کہ اِن دونوں راستوں کو

آزمایا تھا لیکن اُنہیں زیادہ کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ اِس کی وجہ علاقے کے دشوار گذار ہونے کے علاوہ وہاں کے لوگوں کی بے مروّتی تھی جن میں سے ان کو گذرنا پڑتا تھا اور وہ مخالفت تھی جس کا اُنہیں ہرات کے گرد و نواح کے ہزارہ قبائل سے سامنا کرنا پڑتا تھا جو مسلمانوں کے شیعہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے اور افغانوں کے جو سُنّی فرقے سے ہیں، سخت خلاف تھے۔

جرمنوں کو اِس لئے ایک اور متبادل راستہ تلاش کرنا پڑا جس میں دُور جنوب کی طرف سے وہ کامیاب ہوئے۔ یہ طویل راستہ اختیار کر کے وہ کرمان اور نرماشیر کے علاقے میں سے ہو کر جنوب اور جنوب مشرقی فارس سے افغانستان میں آسانی سے داخل ہو سکتے تھے۔

اپنے اِس ذریعۂ نقل و حرکت کو کامیاب اور محفوظ بنانے کی خاطر جرمنوں کے لئے یہ ضروری ہُوا کہ سرحد کے خانہ بدوش اور جنگجو بلوچ قبائل کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کریں۔ یہ قبائل اگرچہ قبل ازیں انگریزوں کے ساتھ دوستانہ تعلق رکھتے تھے لیکن جرمنوں نے اُن کو بڑی بڑی رشوتیں دیں اور اُنہیں یہ یقین بھی دلایا کہ جرمن مسلمان ہو گئے ہیں اور قیصر ولیم اُن کا مذہب قبول کر چکا ہے۔ سرحد کے اِن قبائل نے جو ہمیشہ اپنے لئے اچھی چیزوں کے طلبگار رہتے ہیں جرمنوں کے اِس جھوٹ کو کہ جرمن مسلمان ہو چکے ہیں سچ مان لیا اور ان پر اعتبار کر لیا اور اِس طرح جرمنوں کی اِمداد پر آمادہ ہونے کا دھوکا کھا گئے۔ انہوں نے نہ صرف جرمنوں کو اپنے علاقے سے گذرنے کی اجازت دے دی بلکہ انگریزوں کی مختصر سرحدی چوکیوں کے درمیان رسل و رسائل کے ذرائع کو جو پہلے ہی ناکافی تھے

درہم برہم کرتے رہے۔

جرمنوں کے مسلمان ہونے کی کہانی گو کہ ایک مذاق تھی لیکن اِس کے باوجود ہندوستان میں ہمارے لیۓ ایک سنگین خطرہ بن سکتی تھی۔ یہ بھی یاد رہے کہ جرمنی کا اِتحادی ترکی مسلمان تھا اور یہ کہ ہندوستان کے مسلمانوں سے اب بھی یہ کہا جاتا تھا کہ جرمنوں کے خلاف انگریزوں کی مدد کر کے وہ اپنے ہم مذہبوں کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ علاوہ ازیں ہندوستانیوں کو یہ بھی یقین دلایا جا رہا تھا کہ جرمنی طاقتور ہے اور جنگ جیت رہا ہے۔ جنگ کے ہر میدان میں اُن کے ایجنٹ علی الاعلان یہ دعوے کرتے پھرتے تھے لہٰذا یہ ناگزیر تھا کہ اِس پروپیگنڈے سے وقت آنے پر ہم سے ہندوستانی کی وفاداری کو نقصان پہنچے۔

پس ہمارے لئے یہ ضروری ہُوا کہ اِس جھُوٹے اور پُرفریب پروپیگنڈے کا تدارک کیا جائے اور پہلے قدم کے طور پر جرمن ایجنٹوں کو ہندوستان میں داخل ہونے سے روک دیا جائے۔ اِس پر عملدرآمد کرنے کے لیۓ یہ ضروری ہُوا کہ سرحد کے خانہ بدوش بلوچ قبائل کو انگریزوں کے ساتھ دوستی کی پرانی روش پر پھر استوار کیا جائے۔ اِسی غرض کے لیۓ جنرل کرک پیٹرک (Kirk Patric) کی طرف سے مجھے یہ حکم ملا اور مجھے ہدایت کی گئی کہ ایک لمحہ کی غیر ضروری تاخیر کے بغیر مَیں کوئٹہ روانہ ہو جاؤں، وہاں مجھے زیادہ تفصیلی ہدایات ملیں گی۔

جنرل کرک پیٹرک سے رُخصت ہو کر مَیں اپنی موٹر اور مقامی ڈرائیور کے ساتھ

بہت جلد ریلوے سٹیشن پہنچا اور ریل کے ایک ڈبے کا مطالبہ کیا تاکہ اُس میں اپنی موٹر کار کو چڑھا کر نوشکی روانہ کر دوں۔ سٹیشن ماسٹر نے مجھے قطعی جواب دیا کہ مَیں ایک ناممکن مطالبہ کر رہا ہُوں۔ ایک بہت بڑے مہاراجہ نے جو اسی ٹرین میں سفر کرنے والا تھا ایسے تمام ڈبے جو دستیاب ہو سکتے تھے اپنے خدم و حشم، سامان اور موٹر کاروں کے لئے پہلے حاصل کر لئے ہیں۔ مَیں نے اُس سے کہا کہ حکومت کا کام جس پر مجھے اِس وقت بھجوایا جا رہا ہے، بہت ہی اہم ہے۔ بہرحال تھوڑی سی ترغیب و تاکید کے بعد مَیں پنڈی کی طرف اور میری موٹر کار نوشکی کی طرف روانہ ہُوئی۔

پنڈی پہنچ کر مَیں نے دیکھا کہ کوئٹہ کے لئے ٹرین پکڑنے کو میرے پاس صرف ایک گھنٹہ باقی ہے۔ سامان باندھنے اور یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ کیا سامان ساتھ لیا جائے اور کیا نہیں، میرے پاس کوئی وقت نہیں۔ گو کہ مَیں ایک ایسی مُہم پر جا رہا ہُوں جس میں چند ہفتے یا شاید کئی مہینے لگ جائیں جو شاید غیر متوقع طور پر جلد کوئی سیاسی صورت بھی اختیار کر جائے لیکن اپنے سامان کی چھانٹی کے لئے میرے پاس وقت نہیں تھا اِس لئے مَیں نے اپنے نوکر اللہ داد کو ہدایت کر دی کہ سب کچھ ساتھ لے، جب موقع ملے گا تو ان سے چھانٹ لیا جائے گا۔ مَیں خود جھپٹ کر جنرل سر گیرالڈ کٹ سَن (Sir Gerald Kitson) کے پاس چلا گیا تاکہ اپنی روانگی سے قبل اُس کے ساتھ معاملہ طے کر لوں۔

مَیں نے یہ خیال کیا کہ آئندہ پیش آنیوالی اِس مُہم میں موٹر کار ایک اہم

کردار ادا کرے گی لیکن ایک ایسے علاقے میں جہاں ریلوے اور باقاعدہ سڑکیں نہ ہوں اور طویل سفر کرنا پڑے اور جہاں بہترین راستہ غالباً ایک ایسی ریتلی پگڈنڈی ہو جس پر اونٹوں کے کاروان سفر کرتے ہوں، ایک نا اہل ڈرائیور کے ساتھ جانا مناسب نہیں ہوگا کیونکہ مجھے اس سے قبل ایک نا اہل ڈرائیور کے ساتھ دشوار گذار راستوں پر موٹر کار سے سفر کرنے کا کچھ تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لئے قدرتی طور پر میں چاہتا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے ایک بہترین ڈرائیور حاصل کروں۔

یہاں پر میں یہ بھی وضاحت کرتا چلوں کہ ایلن (Allan) نامی میرا اپنا ایک انگریز ڈرائیور تھا۔ اُس کے بھائی کو جنرل کِٹسن (Kitson) نے اپنا ڈرائیور رکھ لیا تھا۔ اس سے میری مُراد ایلن کی تحقیر نہیں لیکن مجھے معلوم تھا کہ اُس کا بھائی زیادہ تجربہ کار ہے اور اس سفر میں وہ میرے لئے نسبتاً ایک کارآمد اور اہل ڈرائیور ثابت ہوگا۔ جب میں نے جنرل کِٹسن سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے نہایت فیاضی سے ڈرائیوروں کی تبدیلی منظور کر لی۔

مجھے یہ بھی کہنا چاہیئے کہ میرے لئے وہ بڑی خوش قسمتی کا دن تھا جب نویں مڈل اُیسکس رجمنٹ کا ایلن بحیثیت ڈرائیور میری ملازمت میں آیا۔ وہ ایک خوش باش شخص تھا، آئندہ آنیوالے مہینوں کے دوران وہ ہر حال میں خوش، کارآمد اور غیر متوقع طور پر پیش آنیوالی ہر حالت کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہتا تھا، البتہ اُس کی اشتہا ایک ایسی چیز تھی جو ہمیشہ مجھے بے چین

کیا کرتی تھی۔ مجھے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اِس سے قبل مَیں ایلن جیسے ایک پُرخور شخص سے کبھی نہیں مِلا تھا۔ مثال کے طور پر ایک دفعہ جب ہم نے نوشکی اور رباط کے درمیان صحرا میں کیمپ کیا تھا اور ہمارے پاس خوراک کا ذخیرہ بھی زیادہ نہیں تھا ہم نے ناشتہ کے لئے صرف بارہ ساسیج[۱] پکائے۔ مَیں نے ان میں سے صرف ایک کھایا۔ پھر ایلن نے مجھے ترغیب دی کہ مَیں ایک اور بھی کھاؤں لیکن مَیں صرف اُس کا آدھا حصّہ کھا سکا۔ پھر مَیں اُٹھا اور ایلن کو اکیلا چھوڑ دیا کہ وہ اپنا ناشتہ کھالے۔ میرا نوکر اللہ داد مسلمان تھا، اُس نے ساسیج کو ہاتھ نہیں لگایا۔ بعدازاں دوپہر کے کھانے کے وقت اللہ داد نے مجُھ سے پوچھا کہ مَیں کیا کھانا چاہتا ہُوں۔ مَیں نے جواب دیا کہ ناشتے سے بچے ہُوئے ٹھنڈے ساسیج کافی ہونگے۔ اللہ داد نے جواب دیا کہ صاحب! ساسیج میں سے کچھ نہیں بچا ہے، ایلن نے سب چٹ کر لئے ہیں۔ مَیں نے ناراض ہو کر کہا کہ یہ ناممکن ہے، کوئی ایک شخص ساڑھے دس بڑے بڑے ساسیج نہیں کھا سکتا۔ مگر اللہ داد اپنی بات پر بضد رہا کیونکہ وہ سچ کہہ رہا تھا۔ اِس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آئندہ آنے والے مہینوں میں اپنے ڈرائیور کو کھلانا میرے لئے کتنی پریشانی کا باعث بنا ہوگا۔

پنڈی سے مَیں ٹرین کے ذریعے کوئٹہ گیا۔ میری موٹر کار دیسی ڈرائیور

---

[۱] ساسیج۔ سُور کی گوشت بھری آنت قیمہ اور بعض مسالے ملا کر انتڑیوں میں بھرتے ہیں اور اُن کے ٹکڑے کر لیتے ہیں۔

کے ساتھ ٹرین میں، ریلوے کی آخری حد تک نوشکی گئی تھی۔ نوشکی ہندوستانی بلوچستان کے شمال (مغرب) میں واقع ہے۔

کوئٹہ میں مَیں نے پٹرول کی ایک بڑی مقدار ایک سٹور میں جمع کرادی۔ اس کے علاوہ فالتو (spare) ٹائر اور اپنی ضرورت کی کئی دوسری چیزیں بھی وہاں سے حاصل کر لیں۔ ازاں بعد جنرل گرووز (Groves) کو مزید احکام کے لئے اطلاعی رپورٹ کردی۔ مزید ہدایات حاصل کرنے کے بعد میں نوشکی روانہ ہُوا اور جہاں تک مجھے صحیح یاد پڑتا ہے ۲۵ر فروری (۱۹۱۶ء) کو مَیں نوشکی پہنچا اور وہاں سے اپنی موٹر کار حاصل کرلی۔

نوشکی میں یہ دن میرے لئے، آنیوالے کئی مہینوں کے دوران کسی مہذب شہر میں رہنے کا آخری دن ثابت ہُوا۔ ہمارے سامنے جو سرزمین پھیلی ہُوئی تھی اُسے دیکھ کر میرے دیسی ڈرائیور پر ایک ایسا خوف طاری ہُوا کہ ہماری روانگی سے تھوڑی دیر پہلے وہ دہشت کا مارا، ایک خوف زدہ چہرہ لے کر فریاد وزاری کرتا ہُوا میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اُس کا باپ اور اُس کی ماں، دونوں بیمار ہیں اِس لئے اُس کے لِئے ضروری ہے کہ واپس جاکر اُن کی تیمارداری کرے۔

مجھے اِس کا پہلے سے احساس تھا اِس لئے اِس بدمعاش کو ساتھ لینے میں مَیں اِبتداء سے ہی دودِلہ تھا لیکن اب جو اُس نے ابتداء میں ہی بہانے بنانے شروع کر دیئے تو مَیں نے فوراً فیصلہ کرلیا اور اُس سے کہدیا کہ بیشک واپس چلا جائے اور اپنے جتنے رِشتہ داروں کو چاہے دفن کردے۔ یہ

سُن کر اُس کے چہرے میں یک لخت تبدیلی آئی، وہ بہت خوش ہُوا اور مجھے چھوڑ کر واپس چلا گیا۔

روانگی سے تھوڑی دیر پہلے کوئٹہ کے ایک پولیٹیکل افسر کی طرف سے مجھے ایک تار مِلا جس میں مجھے اطلاع دی گئی تھی کہ بلوچ چھاپہ ماروں نے ابھی سے ہی ہمارے رسل و رسائل کے ذرائع کاٹ دیئے ہیں۔ چونکہ یہ چھاپہ مار عین میرے راستے میں پڑتے تھے اِس لئے اُس نے اگرچہ مجھے حکم نہیں دیا تھا تاہم ہدایت کر دی تھی کہ مَیں نوشکی سے آگے نہ جاؤں۔

بہرحال مجھے قطعی طور پر فوجی ہدایات مِل چکی تھیں کہ مَیں ہر ممکن کوشش کر کے بلا تاخیر رباط پہنچوں۔

رباط کوہِ مَلک سیاہ کے قریب واقع ہے۔ کوہِ مَلک سیاہ ایک پہاڑی ہے جہاں پر بلوچ، افغان اور فارس کی حدود ملتی ہیں اور وہ علاقہ بھی وہاں پر ہے جو سرحد کہلاتا ہے۔ کوئٹہ سے روانگی سے قبل بھی مَیں جانتا تھا کہ چھاپہ مار میرے راستے میں پڑتے ہیں، اِس لئے اب مجھے کوئی خاص وجہ نظر نہیں آئی کہ مَیں اپنے سابقہ پروگرام اور منصوبے میں کوئی تبدیلی کروں یا اپنی روانگی ملتوی کر دوں۔

چنانچہ ۲۷ (فروری) کی صبح کو مَیں اپنے سفر پر رباط کی طرف روانہ ہُوا۔ مَیں نے اندازہ لگایا تھا کہ رباط تک پہنچنے میں مجھے پانچ دن لگیں گے۔ جو راستہ لازمی طور پر مجھے اختیار کرنا تھا اُس سے رباط کا فاصلہ یہاں سے تین سو پچھتر (۳۷۵) میل بنتا تھا۔ مَیں یہ بھی جانتا تھا کہ مجھے ریت کے تازہ

بنے ہوئے ٹیلوں اور کئی قسم کی دُوسری رکاوٹوں میں سے ہو کر گذرنا اور چکّر کاٹنا ہوگا۔ کیونکہ یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ وہاں سے کوئی سڑک نہیں گذرتی۔ صرف اُونٹوں کی ایک پگڈنڈی ہوتی ہے جسے ہوائیں کبھی تو ریت سے ڈھانپ دیتی ہیں اور کبھی ریت کو اُڑا کر صاف کر دیتی ہیں۔ اسی راستے سے ہندوستان سے رباط تک اور پھر وہاں سے ان دوسری چھوٹی بڑی فوجی چوکیوں تک جو شمال میں ہم نے مختلف مقامات پر قائم کی ہُوئی ہیں، سامانِ رسد لے جایا جاتا ہے۔

چھوٹی بڑی فوجی چوکیوں کے ذکر سے قارئین شاید یہ سمجھ لیں کہ اِس وحشت ناک علاقے میں پولیس کا کوئی عمدہ اور خاطر خواہ انتظام تھا، نہیں، وہاں پر صرف ہندوستانی فوج کی ایک بٹالین، ہندوستانی رسالے کی ایک رجمنٹ اور میرے خیال میں صرف چار پہاڑی توپیں ہماری تمام فوجی طاقت تھی جو تقریباً تین سو میل کے اِس محاذ کو سنبھالے ہُوئے تھی۔ اِس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ چھاپہ مار ہمارے ذرائع رسل و رسائل کو کاٹنے اور ہمارے سامانِ رسد کو اُٹھالے جانے میں کامیاب ہوتے ہیں کیونکہ سرحد کے یہ قبائل جو اپنی چھاپے مارنے کی کارروائیوں کی وجہ سے عام طور پر چھاپہ مار مشہور ہیں اپنی سرزمین کے اِنچ اِنچ کو جانتے اور پہچانتے ہیں۔ بلّیوں کی طرح حرکت کرتے ہیں اور بالکل برائے نام راشن پر لمبی لمبی مسافتیں طے کرتے ہیں۔

ان حالات میں مَیں اپنے سفر کے دوران کسی مزید امداد کی توقع نہیں رکھتا تھا، اِس لئے مَیں وہ سب کچھ اپنے ساتھ لے چکا تھا جنہیں میں ضروری سمجھتا تھا اور جانتا تھا کہ تین سو پچہتّر (۳۷۵) میل کے اِس سفر میں جو ریتلے

میدانوں اور غیر آباد ویرانوں میں نوشکی اور رباط کے درمیان پڑتے ہیں، مجھے ان کی ضرورت پڑے گی۔

پٹرول اُس وقت ہماری اہم ترین ضرورت تھی اس لئے ہمیں جتنے پٹرول کی ضرورت تھی وہ اپنے ساتھ اُٹھانا تھا۔ اِس کے علاوہ ہیں حادثاتی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنا تھا اور ایلن، اللہ داد اور مَیں نے اپنے لئے چھ سات دن تک کی کافی خوراک اور پانی بھی اُٹھانا تھا۔

جہاں تک ذاتی سامان کا تعلق ہے ہم بالکل ہلکا سفر کر رہے تھے۔ اپنا تمام ذاتی سامان ہم نے پیچھے چھوڑ دیا تھا جو بعد میں اُونٹوں پر لایا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ مَیں نے اپنے گھوڑے گلاھد (Galahad) کو بھی پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ اگرچہ اُسے پیچھے چھوڑ دینے میں مجھے بعد میں کچھ پشیمانی بھی ہوئی مگر میرے احکام چونکہ رباط پہنچنے، اپنی تمام منتشر چوکیوں کے ساتھ رابطہ قائم کرنے اور جس قدر جلد ممکن ہو سکے چھاپہ ماروں کے خلاف مربوط کارروائی کرنے سے متعلق فوری اور ضروری تھے۔ اِس لئے مجھے اپنے گھوڑے کو بعد میں لانے کے لئے پیچھے چھوڑ دینا پڑا۔

ہم نے علی الصبح اپنا سفر شروع کیا لیکن ہمارے پہلے دن کا سفر بہت ہی مایوس کن رہا۔ ہمیں اُس دن نوّے میل سفر کرنا تھا لیکن ہم صرف تیس میل سفر کر سکے۔ راستہ ہماری توقع سے زیادہ خراب تھا۔ ہم بارہا ریت کے ٹیلوں میں پھنس جاتے اور کھود کھود کر موٹر کار کو باہر نکالتے۔ مَیں نے اپنی زندگی میں کھدائی کا اِتنا زیادہ کام نہیں کیا تھا جو مجھے رباط کی طرف اِس سفر میں کرنا پڑا۔

ریت کے ٹیلے تو ہماری مصیبتوں کا ایک حصہ تھے۔ ان کے علاوہ پانی کے کئی جوہڑ اور اُتھلی جھیلیں جو حالیہ بارشوں سے بنی تھیں راستے میں پڑتی تھیں جن پر سے ہم تیزی سے گذرتے یا پھر رستہ بدل لیتے ورنہ اُن میں بُری طرح سے دھنس جانے کا خطرہ تھا۔

بالآخر ہماری رفتار بہت سُست پڑ گئی اور جب ہم نے اِن اُتھلی اور چَوڑی جھیلوں میں سے تقریباً ایک سَو کو پار کیا تو میری قوتِ برداشت جواب دے گئی اور مَیں نے ایلن کو حکم دیا کہ وہ مُڑنے کی بجائے ان میں سے سیدھا گذرتا چلا جائے۔ اُس نے تعمیل حکم کی کوشش کی مگر آدھے راستے میں ہی موٹر کار ایکسل تک زمین میں دھنس کر ٹھہر گئی۔ اب حالت یہ تھی کہ دنیا کی کوئی طاقت موٹر کار کو ایک اِنچ بھی آگے کو سرکنے پر آمادہ نہیں کر سکتی تھی۔ اگرچہ ہم تینوں پانی میں اُتر پڑے اور اِس بدبخت کار کو گھسیٹتے، دھکیلتے اور کھینچتے رہے لیکن اُس پر کوئی اثر نہیں ڈال سکے۔

الغرض ہم رات بھر اِسی طرح پھنسے رہے تاآنکہ دو بجے صبح کے وقت ہمیں مغرب کی طرف کی ایک پہاڑی پر جو یہاں سے دُور نہیں تھی، روشنی نظر آئی۔ وہاں جا کر مَیں نے ایک تارک الدنیا درویش یا زاہد کو دیکھا جو خاموشی سے وہاں بیٹھ کر اپنا کھانا پکا رہا تھا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد مَیں نے اُس سے کہا کہ آکر میری موٹر کار کو نکالنے میں میری مدد کرے۔ اُس نے جواب دیا کہ وہ ایک بوڑھا آدمی ہے کچھ نہیں کر سکے گا البتہ پچھلی شام کو خانہ بدوشوں کا ایک کاروان آیا ہے جو یہاں سے قریب قیام کئے پڑا ہے، آپ اُن سے

مدد دے سکتے ہیں۔ میں وہاں سے کاروان والوں کے پاس چلا گیا اور اُن کے ساتھ سوال و جواب کا ایک طویل سلسلہ شروع کیا۔ آخرکار بڑی بڑی رشوتیں دے کر اُن کے تمام توانا افراد کو موٹر کار تک لے آیا۔ خوش قسمتی سے ہمارے پاس ایک مضبوط رسّا بھی تھا۔ ہم نے کار کو جلد باہر نکالا اور پھر اپنے سفر پر رواں دواں ہوئے۔

دوسرے دن ہماری مصیبت پھر شروع ہوئی۔ ہم بمشکل بارہ میل جا سکے تھے کہ پھر ریت کے ایک ٹیلے میں دھنس گئے اور محنت طلب کھدائی کی کارروائی پھر شروع ہوئی۔ خوش قسمتی سے کاروان کے وہ لوگ جنہوں نے پچھلی رات کو ہماری موٹر کار کو جھیل سے باہر نکالا تھا ایک واضح مقصد سے ہمارے ساتھ پیچھے پیچھے آرہے تھے۔ ان کو پچھلی دفعہ بروقت امداد کے لئے اتنے روپے دیئے گئے تھے کہ اب مزید انعام حاصل کرنے کے لئے وہ ہمارے پیچھے لگے ہوئے تھے کیونکہ اُن کو بخوبی علم تھا کہ آگے چل کر اس راستے میں ہمیں کیا کیا مشکلات پیش آئیں گی۔

موٹر کار کو باہر نکالنے کے بعد جب معائنہ کرنے کو میں نے اُس کے گرد ایک چکر لگایا تو مجھے ایک اور مصیبت نظر آئی۔

"ہیلو، ایلین! یہ کیا بلا ہے، یہ تو ٹپک رہی ہے۔"

ایلین نے لاپرواہی سے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں ایسا نہیں سمجھتا، میری موٹر کار نہیں ٹپکتی۔"

لیکن تھوڑی دیر کے بعد اُس کی لاپرواہی پریشانی میں بدل گئی۔ موٹر کار

کے معائنے کے بعد اُس کے چہرے پر مایُوسی اور نااُمیدی کی ہوائیاں اُڑنے لگیں - اگر ہم ایک ایسی پریشان کُن حالت میں نہ ہوتے تو میں ضرور اُس کا مذاق اُڑاتا۔

"یا سکاٹِ اعظم! جناب میں نے پٹرول کی نلکی بند نہیں کی ہو گی۔ ٹینکی تقریباً خالی ہو چکی ہے۔" ایلن نے ایک مایُوسانہ انداز سے کہا۔

اِس سے پہلے کہ ایلن اندازہ لگاتا کہ کتنا پٹرول باقی بچا ہے، مجھے ڈر ہے کہ میں نے مشتعل ہو کر اُس کے خلاف سخت تلخ و تیز زبان اِستعمال کی تھی۔ بالآخر ایلن نے اندازہ لگایا کہ ہم تقریباً چودہ گیلن پٹرول ضائع کر چکے ہیں۔ اِس کے معنی یہ تھے کہ اپنے دو سو میل باقی سفر کا بیشتر حصّہ ہمیں پیدل طے کرنا ہو گا۔ اِس نفرت انگیز مُلک میں سفر کرنے کی یہ ایک بڑی ناخوشگوار صورت تھی۔ مگر چونکہ ہمیں حکم مِلا تھا کہ بڑھے چلو، لہٰذا ہم بڑھتے چلے گئے۔

اُس دن ہم نے اچھا وقت لیا۔ شام سے پہلے ہم نے نوّے میل کا مجوزّہ سفر طے کر لیا مگر چونکہ ہم گزشتہ روز بہت وقت کھو چکے تھے اِس لئے میں نے فیصلہ کر لیا کہ جب تک ایلن ڈرائیونگ وہیل پر بیٹھ سکے اُس وقت تک ہم چلتے رہیں، لہٰذا ہم چلتے رہے یہاں تک کہ یادگار کی چوکی پر پہنچ گئے۔

یہاں پر میں یہ وضاحت کر دُوں کہ اِس ویران ضلعے میں نہ کوئی شہر ہے اور نہ کوئی سڑک، لیکن راستے میں چھوٹے چھوٹے ریسٹ ہاؤس اور بالکل جدید قسم کے ڈاک بنگلے جا بجا بنے ہُوئے ہیں جنہیں حکومتِ ہند نے مسافروں اور ان سپاہیوں کی سہولت کے لئے تعمیر کرایا ہے جو سرحدی چوکیوں پر ڈیوٹی دینے

کو آتے جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ بالکل سنسان علاقوں میں ہیں لیکن ان میں ایک دو سفری چارپائیاں، ایک ٹب، ایک میز، چند کرسیاں اور ہاتھ منہ دھونے کے برتن پڑے ہوئے ہوتے ہیں جو ایک چوکیدار یا محافظ کی تحویل میں ہوتے ہیں۔

ایک ایسا ریسٹ ہاؤس ہم نے یادگار میں دیکھا اور ہم جو نہ صرف تھکے ماندے اور گرد آلود تھے بلکہ موٹر کار کے ساتھ مسلسل کشمکش سے انتہائی میلے اور غلیظ ہو چکے تھے اپنے گرد و غبار کو دھو ڈالنے کے لئے وہاں ٹھہر گئے۔

موٹر کار سے نیچے کود کر میں نے ڈاک بنگلے کے دروازے کو کھولنے کی کوشش کی مگر اس پر تالا لگا ہوا تھا۔ میں نے زور سے کھٹکھٹایا مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ ہم اپنا ایک منٹ بھی ضائع کرنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ بعد میں جو کئی میل پیدل سفر کرنا تھا اس کا خیال ہمیں چکرا رہا تھا۔ مگر میں جانتا تھا اور مجھے یقین تھا کہ اس بند دروازے کے پیچھے پانی اور ہاتھ منہ دھونے کے برتن ہوں گے۔ اس لئے جہاں تک میرے بس میں تھا میں نہیں چاہتا تھا کہ ان کو استعمال کئے بغیر چھوڑ جاؤں۔ چوکیدار ہو یا نہ ہو دروازے کو کھولنا ہو گا۔ تب میں نے اپنے کندھے سے دروازے کو دھکا مار دیا، دروازہ کھل گیا اور میں پانی اور ٹب کی تلاش میں نکلا۔

دائیں ہاتھ پر کھلے دروازے سے مجھے ایک کمرہ نظر آیا جو بالکل خالی تھا سوائے ٹین کے چند ڈبوں کے جو ایک قطار میں دیوار کے ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ میں یہ جانتا تھا کہ اس قسم کے ڈبوں میں پٹرول لے جایا جاتا ہے۔ میں نے قریب جا کر اُن کو دیکھا۔ ایک لمحہ بعد ایلین کو میری چیخ سنائی دی اور وہ

فوراً اندر چلا آیا۔ وہ پریشان تھا کہ کہیں مَیں پاگل تو نہیں ہو گیا، یا مجھے کسی جنگلی درندے نے تو نہیں کاٹ کھایا، یا مجھے کسی نے قتل تو نہیں کر دیا۔

"دیکھو" مَیں چیخ اُٹھا، جونہی وہ بھاگتے ہوئے میرے پاس پہنچا۔ "ان ٹین کے ڈبّوں کو دیکھو اور مجھے بتاؤ کہ ان میں کیا ہے۔"

ایلن نے اُن میں سے ایک کو اٹھایا، جو کچھ اُس پر لکھا ہُوا تھا اُسے پڑھا، پھر اُسے ہلایا اور ہم دونوں نے اندر سرڑپنے کی خوشگوار آواز سُنی۔

"پٹرول ہے جناب!" اُس نے تعجب سے کہا۔

پٹرول، اِس صحرا میں! پٹرول یہاں پاکر ہمیں ایسا معلوم ہُوا کہ ہم نے بانڈ سٹریٹ (Bond Street) کے کسی جوہری کو دیکھا ہو۔ پہلے تو ہم دونوں میں سے کسی نے یقین نہیں کیا۔ ذاتی طور پر میرا خیال تھا کہ ہم دونوں چکما گئے ہیں۔ مگر ایلن نے اپنی ٹھوس ذہانت کا ثبوت دے کر اُن میں سے ایک ٹین کو کھولا، معائنہ کیا اور پھر اعلان کر دیا کہ اوّل درجے کا پٹرول ہے۔ اِس قسم کے سات ٹین تھے جن میں سے ہر ایک میں چار گیلن پٹرول تھا۔

"اِس کے معنی یہ ہوئے جناب کہ اب ہم رباط تک پیدل نہیں بلکہ موٹر میں ہی جائیں گے۔" ایلن نے ایک کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے اور تسکین کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحرا کے ان دو سَو۲۰۰ میلوں کی مسافت کا خیال جو ہمیں پیش آمدہ حادثے کے بعد پیدل طے کرنے پڑتے،

چھلاوے کی طرح ہمارے سروں پر سوار تھا۔

اسی وقت لرزتا اور کانپتا ہوا چوکیدار بھی آیا۔ وہ ڈر رہا تھا کہ میں اُسے ڈیوٹی سے غیر حاضر رہنے پر پیٹوں گا لیکن میں اس وقت بہت خوش تھا۔ حالات کی اِس خوشگوار تبدیلی سے اب کسی پر برسنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

مَیں نے چوکیدار سے پوچھا کہ یہ پٹرول کہاں سے آیا اور کس کا تھا؟ اُس نے اپنا سر ہلا کر کہا کہ "مجھے کچھ خبر نہیں۔ مَیں ہمیشہ سے یہاں رہتا چلا آرہا ہوں۔ یہ کسی کا نہیں اور نہ ہی مَیں نے کسی کو انہیں یہاں رکھتے دیکھا ہے اور جہاں تک مجھے علم ہے مَیں نے پہلے یہاں کوئی موٹر کار نہیں دیکھی ہے۔"

درحقیقت وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اُس نے پہلے کبھی کوئی موٹر کار کہیں بھی نہیں دیکھی تھی اور وہ یہ بھی نہیں سمجھ سکتا تھا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ آدمی ایک ایسی چیز پر سفر کرے جو نہ تو زندہ ہے، نہ کسی گھوڑے کی طرح ہے اور نہ ہی کسی اونٹ کی طرح ہے جو اُس نے ہمیشہ دیکھے ہیں۔

یہ بڑی اچھی بات تھی جو ہم نے اُس سے سُنی۔ تب مَیں نے اُس سے کہا کہ یہ پٹرول میرا ہے، اور اُس نے خوشی خوشی اِسے تسلیم کر لیا۔ مَیں نے اُسے ایک رسید لکھ دی اور اُس سے کہا کہ جب حکومت کا کوئی افسر اُس سے دریافت کرے تو یہ رسید اُسے دکھا دے۔ اب

چونکہ ہمیں اپنا سفر موٹر میں جاری رکھنے کا ذریعہ مل چکا تھا۔ لہٰذا میں نے رات اسی ریسٹ ہاؤس میں بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

ایک سادہ سی کیمپ غذا مجھے کھلانے کے بعد، ایلین جو گذشتہ دو دنوں اور راتوں کی مشقت سے تھک کر چُور ہو چکا تھا، بہت جلد سو کر تھکاوٹ کے خرّاٹے بھرنے لگا اور مَیں گھومنے کو باہر چلا گیا۔

اپنی چہل قدمی کے دوران مَیں نے کوشش کی کہ آنیوالی مُہم کے لئے چند ابتدائی تجاویز پر غور کروں مگر یہ اُس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک مَیں رباط نہ پہنچوں۔ کیونکہ مجھے اِس کا علم نہیں تھا کہ وہاں پر کتنی اور کِس قسم کی فوجی طاقت میرے سپرد ہو گی۔ البتہ ایک چیز سے متعلق مَیں نے اِبتدأ سے ہی یہ طے کر لیا تھا کہ مَیں اپنی انتہائی کوشش کر کے اِن چھاپہ ماروں پر، جو ہمیں اِس قدر تکالیف پہنچا رہے ہیں، یہ ثابت کر دُوں گا کہ وہ اپنی حرکتوں کی پاداش سے آئندہ نہیں بچ سکیں گے۔ یہ بات اُن کے ذہن نشین کرانے کے بعد مَیں اُن سے دوستانہ تعلقات استوار کر کے اُن کو پھر اپنا طرفدار بنانے کی کوشش کروں گا اور اِس طرح اُن کو بلوچستان کی سرحد کے دروازے کا ایسا محافظ بنا دوں گا کہ اُن کی رائفلوں کا رُخ ہماری بجائے ہمارے دشمنوں کی طرف ہو گا۔

اِن تصوّرات میں غرق بالآخر مَیں نے اپنے اوپر تھکاوٹ کے غلبے کو محسوس کیا۔ صحرا کی رات کے حُسن پر آخری نظر ڈالتے ہُوئے مَیں اندر گیا اور پھر چند ہی منٹوں میں گہری نیند سو کر شب گذشتہ کی کسر پُوری کرتا رہا۔

دُوسرا باب

تیسرے دن ہماری پیش رفت بہت اچھّی رہی۔ قسمت نے ریتلے کھڈّوں اور ٹیلوں سے جو اِس سے قبل رکاوٹ بنتے رہے، بچانے میں ہماری مدد کی اور رات پڑنے سے قبل ہی اپنے کو مُشکی چاہ کے قریب پایا۔

یہاں پر ہم نے اُونٹوں کے کئی کاروانوں سے راستے کو بند پایا۔ یہ کاروان سرحد پر پھیلی ہُوئی ہماری فوجی چوکیوں کے لیے حکومت کی طرف سے سامانِ رسد لے جا رہے تھے۔ ہماری یہ چوکیاں اِس وقت چھاپہ ماروں کی وجہ سے جو اُن کی رسد رسانی کے سلسلے میں رکاوٹیں ڈال رہے تھے، بڑی مصیبتوں میں مبتلا تھیں۔

مقامی ساربان اپنی عادت کے مطابق ایسی حرکتیں کر رہے تھے اور ایک ایسا شور مچا رہے تھے جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے میں نے موٹر کار سے اُتر کر اُن سے پوچھا کہ کاروانوں کا اِنچارج کون ہے۔ ایک موٹا سا دیسی ٹھیکہ دار مجھے دکھلایا گیا۔ اُس کو اپنے پاس بُلا کر مَیں نے پُوچھا کہ یہ تمام شور و شغب کِس لئے ہے۔ وہ بہت گھبرایا ہوُا تھا۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ اُسے بعض معتمد ذرائع سے معلوم ہوُا ہے کہ یہاں سے آگے کا تمام علاقہ چھاپہ ماروں کے قبضے میں ہے۔ اِس لئے اب یہاں سے ایک قدم آگے

جانا بے فائدہ ہے۔

مَیں نے اُس شخص کے ساتھ بحث کی اور اُسے سمجھانے کی کوشش کی کہ اپنی ٹھیکہ داری کی شرائط کے مطابق اُس کو ضرور آگے کی منزل کی طرف جانا چاہیئے ورنہ وہ سپاہی جن کے لئے وہ سامانِ رسد لارہا ہے، بھُوکوں مر جائیں گے مگر وہ اپنی بات پر ڈٹا رہا۔ کیونکہ وہ بہت اچھی طرح سے جانتا تھا کہ چھاپہ مار جن آدمیوں کو پکڑ لیتے ہیں اُن کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں! اس نے ڈٹ کر مگر ادب سے کہا کہ "صاحب! اِس میں کوئی فائدہ نہیں، میرے آدمی آگے نہیں جائیں گے کیونکہ وہ غیر مسلّح ہیں اور صرف ایک چھاپہ مار تمام کاروان کو روک لینے کے لئے کافی ہے۔"

اگرچہ میں جانتا تھا کہ وہ شخص ٹھیک کہہ رہا ہے لیکن اِس کے باوجود مَیں اپنی بات پر اڑا رہا اور اسے موقع سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دیتا رہا۔ مَیں نے اس سے کہا کہ ممکن ہے خوش قسمتی اُس کا ساتھ دے اور وہ چھاپہ ماروں سے بچ کر نکل جائے۔ مگر اس نے مجھے قطعی جواب دیا کہ اگر حکومت فوجی بدرقہ اس کے ساتھ کر دے تو وہ جائے گا ورنہ نہیں جائے گا۔ یہ اس کا آخری فیصلہ تھا۔ مجھے کوئی اختیار حاصل نہیں تھا کہ اُسے چلنے پر مجبور کرتا۔ اِس لئے مَیں اپنی کوششوں سے باز آیا لیکن ساتھ ہی مَیں نے یہ بھی محسوس کر لیا کہ اِن حالات میں غیر ضروری طور پر ایک لمحہ ضائع کئے بغیر میرا رباط پہنچنا کتنا ضروری ہے تاکہ مَیں وہاں پہنچ کر چھاپہ ماروں کے ساتھ، جن کا خوف اب روز افزوں اور خطرناک صورت اختیار کر رہا ہے

کسی فیصلہ کُن نتیجے پر پہنچ سکوں۔

اِس لئے، دوسرے دن علی الصبح ہم وہاں سے روانہ ہُوئے کیونکہ مجھے امید تھی کہ رات کو ہم سیاہینڈک پہنچ جائیں گے۔ میرا ارادہ بورگر سے جانے کا تھا مگر اب جبکہ مَیں جانتا تھا اور ٹھیکہ دار کے بیان کی تصدیق بھی کرا دی تھی اور مجھے یقین ہو چکا تھا کہ ٹھیکہ دار سچ کہتا ہے کہ وہ تمام علاقہ چھاپہ ماروں کے قبضے میں ہے تب مَیں نے ایک دوسرے راستے سے جو ویب ویرؔ[1] (Well Ware) کا راستہ کہلاتا ہے جانے کا فیصلہ کیا۔ اِس راستے کو آجکل بالکل ترک کر دیا گیا تھا، اِس لئے میرا خیال تھا کہ اِس راستے سے جا کر مَیں دشمن کو جُل دے جاؤں گا۔

دن کی روشنی اب تک نہیں پھیلی تھی کہ ہم اپنے سفر کے سب سے کٹھن راستے پر روانہ ہُوئے۔ چڑھائیاں چڑھتے، چکّر کاٹتے، موٹر کار کو بار بار کھود کر نکالتے، ہم تینوں ذہنی اور جسمانی طور پر تھک کر چُور ہو گئے تھے۔ اُس دن ہم نے بمشکل کہیں دَم لیا ہو گا کیونکہ رفتار کی ضرورت کو مَیں اور ایلن بخوبی جانتے تھے۔

رات پڑ گئی لیکن ہمیں اب تک سیاہینڈک نظر نہیں آیا۔ تاہم مَیں جانتا تھا کہ اب ہم اُس سے زیادہ دُور نہیں ہوں گے۔ مَیں نے رات کو

---

[1] ویب ویرؔ، ایک مشہور انگریز پولیٹیکل افسر، جو کئی سال ضلع چاغی میں تعینات رہا۔

بد دُعا دی کہ اُس نے ہمارے لئے یہ دیکھنا ناممکن بنا دیا کہ اِس وقت ہم کہاں ہیں۔ مَیں نے یہ بھی محسوس کر لیا کہ ہم اونٹوں کی پگڈنڈی سے کہیں اُتر گئے ہیں کیونکہ اب زمین جیسی کہ ہونی چاہیئے تھی، ویسی نہیں تھی۔ زیادہ دھڑدھڑ اور گڑمڑا تھی۔ بار بار ہمیں پہاڑی ندی نالوں سے گذرنا پڑتا تھا جو نہ صرف ہماری رفتار کے لئے خطرناک تھے بلکہ اگر ہماری موٹر کار اچانک کہیں ٹکرا کر رُک جاتی تو ہمارے مصائب تباہی کی آخری حد کو پہنچ جاتے۔

بالآخر ایلین نے مایوس ہو کر موٹر کار روک دی اور کہا کہ آگے جانا بے فائدہ ہے ممکن ہے ہم کسی بھی لمحہ موٹر کار کو اُلٹ دیں۔ اسے بھی چکنا چُور کر دیں اور اپنی جانوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں۔ اُس نے تجویز پیش کی کہ اب دانشمندی صرف یہی ہے کہ ہم جہاں پر ہیں وہاں قیام کریں اور صبح کی روشنی کا انتظار کریں تاکہ اونٹوں کی پگڈنڈی کو پھر پالیں۔

مَیں جانتا تھا کہ ایلین صحیح کہہ رہا ہے لیکن پھر بھی مَیں نے اُس سے کہا کہ لالٹین جو کار میں ہم نے ساتھ لی تھی مجھے دے دو۔ مَیں اونٹوں کی پگڈنڈی کو پانے کی ایک آخری کوشش پیدل کروں گا۔

گھُپ اندھیری رات میں، ٹوٹی پھوٹی زمین پر گرتے پڑتے، جب کہ لالٹین مشکل سے میرے پاؤں کے قریب سامنے کا راستہ روشن کر سکتی تھی، مَیں موٹر کار سے تھوڑی دُور تک بھٹکتا رہا اور پھر مجھے کچھ آوازیں سُنائی دیں۔ فوری طور پر مجھے چھاپہ ماروں کا خیال آیا جو اِس علاقے کو روندتے تھے۔ مَیں نے خیال کیا کہ یہ ایک بڑی مضحکہ خیز اور ذلت آمیز بات ہو گی کہ اگر

اپنی اِس مُہم کو، جس سے مَیں نے بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں، شروع کرنے سے پہلے مَیں اُن کے ہاتھوں پکڑا جاؤں۔

مَیں نے خاموشی سے لالٹین بجھا دی اور گھُپ اندھیرے میں گوش بر آواز رہا۔ چند ثانیوں تک بالکل خاموشی چھائی رہی اور مَیں بھی بالکل بے حِس و حرکت کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر بعد پھر آوازیں آنے لگیں۔ مَیں نے اندازہ لگا لیا کہ بولنے والے دو یا زیادہ سے زیادہ تین آدمی ہیں۔

مَیں نے فوراً سوچ لیا اور بالآخر یقین کر لیا کہ میرے سامنے زیادہ آدمی نہیں ہوں گے، اگر ہم چھاپہ ماروں کے کسی پڑاؤ کے قریب ہوتے تو وہاں روشنیاں ہوتیں، پڑاؤ کی آگ جلتی اور بڑا شور و غُل ہوتا۔ جو آوازیں مَیں نے سُنی ہیں وہ غالباً اُن آدمیوں کی ہوں گی جنہوں نے موٹر کار کی روشنیاں دیکھ لی ہیں اور اب یہ دیکھنے اور معلوم کرنے آئے ہیں کہ یہ روشنیاں کیسی تھیں؟

مَیں بہت جلد واپس مُڑ کر موٹر کار کے پاس چلا گیا جہاں پر بیوقوفی سے اپنا ریوالور چھوڑ دیا تھا۔ اپنا ہتھیار حاصل کر کے مَیں نے ایلن سے سرگوشی میں اُن آوازوں کا ذکر کیا جو مَیں نے سُنی تھیں اور اُسے ہدایت کی کہ وہ بھی تیار کھڑا رہے۔ تب مَیں اندھیرے میں واپس وہاں گیا۔ اُسی جگہ پر پہنچ کر مَیں نے ہندوستانی میں زور سے پکارا: "تم کون ہو؟"

بر وقت جواب آیا۔ "مَیں عیدو ہُوں، چاغی لیویز کا ملازم اور حکومتِ برطانیہ کا دوست ہُوں۔"

پھر مَیں نے جواب دے کر اُن کو بتلا دیا کہ مَیں کون ہُوں۔ فوراً تین پوری طرح مسلّح آدمی اندھیرے سے نکل کر میرے سامنے آ گئے۔ مَیں نے ان سے پوچھا کہ وہ یہاں کیا کر رہے ہیں۔

اُسی آواز نے جس نے مجھے پہلے جواب دیا تھا، کہا۔ "وہ تینوں چائی لیویز کے سپاہی ہیں۔ وہ اور ان کے ساتھ پچاس مزید سپاہی اُس سے لڑنے کو آئے ہیں۔"

"مجھ سے لڑنے کو؟" مَیں چیخ اُٹھا۔ "آخر کیوں؟"

"بس جناب"! اُس شخص نے جس نے اپنا نام عیدو بتایا تھا، جواب دیا۔ "ہم نے آپ کو جرمن سمجھا تھا۔"

اور پھر اُس نے تفصیلات بتلاتے ہُوئے کہا کہ بہت دیر سے وہ اور اُس کے دُوسرے ساتھی آسمان کی طرف ایک تیز روشنی پھیلتے ہُوئے دیکھ رہے تھے اور وہ اِتنا جانتے تھے کہ دنیا میں صرف جرمن ہی وہ لوگ ہیں جن کے پاس ہوائی جہاز ہوتے ہیں۔ تب ان کو یقین آ گیا کہ یہ روشنی جو وہ دیکھ رہے ہیں اُن ہی میں سے ایک کی ہے اور جب وہ اُس کے سامنے پہاڑی پر اُتر پڑا تو اُس کے ساتھیوں کی اکثریت خوف زدہ ہو کر بھاگ گئی۔ صرف اُسے اور اُس کے دو ساتھیوں کو یہاں ٹھہرنے اور اِس نامعلوم خطرے کا مقابلہ کرنے کی جرأت ہُوئی۔

اب مَیں سمجھ گیا کہ وہ موٹر کار کی بجلی کی بتّیوں کی روشنی کی بابت کہہ رہا ہے جو صحرا میں دُور بلندیوں تک روشنی پھیلاتی تھیں اور اِن لوگوں کو ایسا

دکھائی دیتا تھا کہ یہ روشنی آسمان سے آرہی ہے اور اِسی طرح میری بے خطر موٹر کار ان کو خوفناک جرمن ہوائی جہاز نظر آئی۔ اس میں شک نہیں کہ اِس راستے پر موٹر کاریں بھی ہوائی جہازوں کی طرح عجوبے نظر آتی ہیں۔ بلا شبہ ان آدمیوں نے جو اُس وقت میرے سامنے کھڑے تھے، اپنی زندگی میں کبھی کوئی موٹر کار نہیں دیکھی تھی۔

جہاں تک مجھ سے ہو سکتا تھا میں نے ان کو یقین دلایا کہ میں ایسے آدمیوں سے، جن کی بہادری اور جنگجوئی میں کوئی شک نہیں، مل کر بہت خوش ہُوا ہُوں اور اُمید کرتا ہُوں کہ اب وہ میرے ساتھ آئیں گے اور جرمنوں اور اُن کے ہوائی جہازوں کے خلاف لڑتے ہیں، جس کے لئے میں یہاں آیا ہُوں میری مدد کریں گے۔

اِس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اِس علاقے میں جرمنوں کے اثر و نفوذ سے متعلق اطلاعات بالکل درست تھیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہمیں اِن چھاپہ ماروں کے خلاف جن کو جرمنوں نے اپنے جھوٹے پروپیگنڈوں سے اُکسا کر ہمارا دشمن بنا دیا تھا، لڑنے کی کیا ضرورت تھی۔

عیدو نے کہا کہ اُسے میرے ساتھ چلنے اور انگریزی راج کے دشمنوں کے خلاف لڑنے اور میری مدد کرنے میں خوشی ہوگی۔ اُس نے مجھے یہ بھی بتا دیا کہ اُس رات کو بھی اس نے ایک دفعہ میری جان بچائی ہے۔

"وہ کیسے؟" میں نے اُس سے پوچھا اور پھر جذبات میں آکر اُس اندھیری رات میں اپنے پہلے تین رنگروٹوں کی طرف غور سے دیکھتا رہا۔

"اِس طرح جناب!" عیدو نے جواب دیا۔ "جب یہ ہوائی جہاز، جسے آپ کہتے ہیں کہ ہوائی جہاز نہیں ہے ٹھہر گیا، تھوڑی دیر بعد ہم نے ایک آدمی کی شبیہ دیکھی جو ایک لالٹین لے کر ہماری طرف آ رہا تھا اور خلیل نے" اپنے ایک ساتھی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اُس نے کہا "اپنی رائفل اٹھائی اور فائر کرنے ہی والا تھا کہ مَیں نے کہا، نہیں! دیکھو، وہ ایک آدمی ہے۔ ہم انتظار کریں اور دیکھیں وہ کون ہے۔ تب لالٹین بُجھ گئی اور ہمارے سامنے کوئی نشانہ نہیں تھا۔"

"تم نے بہت اچھا کیا عیدو!" "تم نے بے شک میری جان بچائی ہے اور تم جتنے ہوشیار ہو، اُتنے ہی بہادر بھی ہو۔ مَیں تم کو اپنے ذاتی عملہ میں رکھوں گا۔ مَیں ہی وہ افسر ہوں جسے سرحد اور ریگستان میں پڑی ہوئی فوج کی کمان سنبھالنے کو بھیجا گیا ہے۔ مگر اِس وقت میری سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ سیاہینڈک کا راستہ تلاش کروں۔ کیا تم وہ مجھے دکھا سکتے ہو؟"

عیدو نے ہنس کر کہا۔ "صاحب! مَیں آنکھیں بند کر کے تم کو وہاں لے جاؤں گا۔"

مَیں نے محسوس کر لیا کہ اب اِن تین تنومند بہادروں کی رہنمائی میں جن کے لئے ہماری موٹر کار ایک انتہائی ولولہ خیز اور حیرت انگیز چیز تھی، راستے کی ہماری تمام مصیبتیں ختم ہو گئیں۔ تھوڑی دیر بعد ایلن، اللہ داد اور تھکا ماندہ مَیں، سیاہینڈگ کے چھوٹے سے قلعے کے

ریسٹ ہاؤس میں محفوظ تھے۔

رات کو خوب آرام کرنے کے بعد، دوسرے دن صبح کو مَیں نے عیدو کے ساتھ ایک طویل گفتگو کی۔ اس شخص کے متعلق پچھلی رات کو مَیں نے جو اچھی رائے قائم کی تھی اس میں مزید اضافہ ہُوا۔ دن کی روشنی میں وہ مجھے ایک بہت ہی ہوشیار، متناسب جسم کا مالک، پانچ فٹ آٹھ اِنچ قد کا ایک لمبی کالی ڈاڑھی والا شخص نظر آیا۔ اُس وقت بھی مَیں نے اُس کے ذوقِ مزاح کا احساس کیا تھا لیکن زاں بعد اُن تمام مہینوں کے دوران پیش آنیوالی مُصیبتوں اور تکالیف کے اثر کو کم کرنے کے لئے وہ عموماً مذاقیہ انداز اختیار کئے رہتا۔

اِس تمام مُہم کے دوران مَیں نے کبھی اُس کی ظرافت اور ہنسی مذاق میں کمی آتے نہیں دیکھی۔ جیسا کہ بعد کے واقعات سے ثابت ہُوا کہ وہ ایک بالکل بے بہا شخص تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ مَیں اکثر اُسے بُلاتا اور کہتا کہ "عیدو! مَیں تم کو اپنا سَر (دماغ) سمجھتا ہُوں۔" نہ صرف یہ کہ عیدو علاقے کی گز گز زمین کو جانتا تھا بلکہ وہ اِن قبائلی چھاپہ ماروں میں سے ہر ایک کا نام جانتا تھا اور ان میں سے ہر ایک کو ذاتی طور پر پہچانتا بھی تھا۔ ان کی خصوصیتوں، ان کی کمزوریوں اور ان کی قبائلی طاقت سے بھی واقف تھا۔ عیدو[۱] لاکھوں میں ایک تھا۔

---

[۱] حکومتِ ہند کی طرف سے عیدو خاں کو اِن خدمات کے صلے میں خان صاحب کے خطاب اور معقول پنشن سے نوازا گیا۔ اخیر عمر میں وہ زاہدان ایران میں سکونت پذیر ہُوئے۔ (مترجم)

میں یہ خیال کر کے خوش ہوتا ہوں کہ ایک دن اُس کی یہ برملا تعریف جو میں کرتا ہوں اور جو کچھ امداد اُس نے اِس مُہم کے دوران ہمیں دی ہے اُن کا ذکر ضرور اُس تک پہنچ جائے گا۔

عیدو کے ساتھ بات چیت اور ناشتہ کرنے کے بعد ہم اپنی پہلی منزل کی طرف آخری سفر پر روانہ ہُوئے اور دو بجے بعد دوپہر رباط پہنچے ؛

تیسرا باب

رباط میں میری پہلی ملاقات اُس افسر سے ہوئی جو اُس وقت تک یہاں کی منتشر برطانوی افواج کی کمان کر رہا تھا جب تک کہ کوئی اور افسر آ کر اُسے فارغ نہ کر دے۔ وہ ایک بہت بیمار شخص تھا اور اُس نے بڑی تکلیف سے چارج سنبھالا ہُوا تھا۔ یہاں پر مَیں ۳۵ ویں سندھ ہارس کے میجر لینڈون (Landon) سے مِلا۔ وہ ان تین اِنٹیلی جنس افسروں میں سے ایک تھا جنہیں حکومت ہند نے فارس میں مقرر کیا تھا۔

مَیں نے بہت جلد محسوس کر لیا کہ لینڈون ایک ایسا افسر ہے جو وسیع معلومات رکھتا ہے اور ساتھ ہی اِنٹیلی جنس سے بھی متعلق ہے اور اِس علاقہ سے متعلق اُس کے پاس معلومات کا وافر ذخیرہ بھی ہے۔ اُس کے علاوہ یہاں کے مقامی حالات اور فارس اور بلوچستان کے باشندوں کے طور طریقوں سے بھی بخوبی واقف ہے۔ مَیں نے اندازہ لگالیا کہ وہ یہاں پر میرے لئے ایک مفید اثاثہ ثابت ہوگا۔ اِس لئے مَیں نے اسی وقت، وہاں پر ہی اُسے دعوت دی کہ وہ میرا بریگیڈ میجر بن جائے۔ لیکن ساتھ ہی مَیں نے جھینپتے ہُوئے اُس سے یہ بھی کہا کہ" اگرچہ فی الوقت میرا کوئی بریگیڈ نہیں ہے۔"

وہ اِسے قبول کرنے کو اگرچہ بصد شوق راضی تھا لیکن وہ یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ شملے کے صاحبِ اختیار لوگ اُس کی طرف سے ایک ایسے عُہدے کی قبولیت کو کس نظر سے دیکھیں گے۔ اِس لئے اُس نے مجھ سے سوال کیا کہ کیا مَیں اُس کو اِس مُہم میں شامل کرنے کی ذمہ داری کا بوجھ اُٹھا سکتا ہُوں؟ مَیں نے اُسے یقین دِلایا کہ "میرے کندھے کافی مضبوط ہیں، مجھے یہ حکم مِل چکا ہے کہ مَیں اُن تمام منتشر افواج کی کمان سنبھال لُوں جو مجھے یہاں ملیں گی اور اُن کو مربوط کر دُوں۔"

اِس لحاظ سے مَیں لینڈڈون کو اپنی دوسری دریافت سمجھتا ہوں جبکہ عید واد اور اُس کے دونوں ساتھی میری پہلی دریافت ہیں۔ مزید برآں لینڈڈون چونکہ یہاں بحیثیت ایک انٹیلی جنس افسر کے آیا ہے اِس لئے وہ اس مناسبت سے رباط میں بیٹھ کر کوئی خاص معلومات حاصل نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر وہ میرے ساتھ آئے تو اُسے وہ تمام معلومات جو وہ چاہتا ہے تازہ بتازہ حاصل ہو سکیں گی۔

یہاں پہنچ کر مَیں نے فارس کے اِس حصّے اور افغانستان کی سرحد پر برطانوی اثر و نفوذ سے متعلق حالات کا مطالعہ کرنے اور معلومات حاصل کرنے پر اپنی توجہ مرکوز کی۔ مَیں واضح طور پر یہ دیکھنا اور معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آخر ہم یہاں پر کوئی اثر رکھنا کیوں چاہتے ہیں۔ اِس حقیقت کو سمجھنے کے لئے ہمیں پھر اپنے اُس سابقہ خوف کی طرف رجوع کرنا ہوگا جو کہ ہندوستان کی طرف روس کی پیشقدمی کے خطرے سے اُن دنوں ہمارے دِلوں میں پیدا ہو چکا تھا،

جبکہ روس اب تک جنگِ عظیم (اوّل) میں ہمارا اتحادی نہیں بنا تھا۔

اُن دنوں رُوس آہستہ آہستہ اور بتدریج اپنا اثر و نفوذ پامیر کی طرف پھیلا رہا تھا۔ یہاں تک کہ دریائے آموں (Oxus) پر اُس کی بیرونی چوکیاں چترال سے صرف آٹھ منزلوں کی مسافت پر قائم ہو چکی تھیں۔ تب یہ بدیہی بات تھی کہ ہماری طرف سے بھی اُس کا توڑ کرنے کی وسیع پیمانے پر کوشش کی جاتی۔ چنانچہ حکومتِ ہند کے لئے فوجی حکمتِ عملی کے طور پر یہ ضروری ہُوا کہ فارس اور افغانستان میں اپنا اثر و نفوذ بڑھائے اور اپنی سرحدی چوکیوں کو رباط اور نصرت آباد تک آگے لے جائے۔

لہٰذا اِس وقت، جس کا مَیں ذکر کر رہا ہُوں رباط، نصرت آباد اور بیر جند ہمارے پاس تھے۔ ان میں ہماری مختصر فوجی چوکیاں قائم تھیں جن میں "کلیتاً" ہندوستانی افواج اور مقامی لیویز کے کچھ دستے البتہ انگریز افسروں کے زیرِ کمان رہتے تھے۔ ہمارا سلسلۂ رسل و رسائل بیر جند سے نوشکی تک پھیلا ہُوا تھا۔ قریباً چھ سو میل کے اِس طول و طویل فاصلے میں دور دور تک پھیلی ہُوئی اِن منتشر چوکیوں کو صرف ہندوستانی فوج کی ایک بٹالین، ہندوستانی رسالے کی ایک رجمنٹ اور چار پہاڑی توپیں سنبھالے ہُوئے تھیں۔ ظاہر ہے کہ اِس فوج سے کوئی متحرک دستہ تیار کرنا بڑا مشکل کام تھا۔

نصرت آباد میں، جو فارس اور افغانستان کی سرحد پر واقع ہے، ایک برطانوی قونصل خانہ بھی قائم تھا۔ اِس قونصل خانے کی اہمیت اور افادیت بہت بڑھ گئی تھی کیونکہ وہ ایسی اطلاعات بہم پہنچانے کے قابل تھا جو

ان فوجی کمانڈروں کے لئے جو متواتر اس کا مشورہ حاصل کیا کرتے تھے بڑی قیمتی ہوتی تھیں۔

وہاں پر ایک بلوچ پولیٹیکل افسر بھی تھا جو سرحددار کہلاتا تھا اور جو انگریز پولیٹیکل افسر متعینہ کوئٹہ کے احکام کے تحت کام کرتا تھا۔ سرحددار نے چاغی لیویز کے ذریعے جو اسی غرض کے لئے قائم کی گئی تھی، چھاپہ ماروں کو کسی حد تک کنٹرول کیا ہُوا تھا۔

ہماری ان منتشر چوکیوں کے لئے سامانِ رسد ہندوستان سے اونٹوں کے کاروانوں کے ذریعے لایا جاتا تھا۔

ہندوستان کے ساتھ رسل و رسائل کا سلسلہ ٹیلیگراف کے ذریعے قائم تھا۔ زاں بعد یہ ضروری ہُوا کہ اس غرض کے لئے ہندوستان سے وائرلیس کا ایک دستہ بھی بھجوا دیا جائے جو خواش میں مقیم میری فوج اور رسیاہینڈک کے درمیان رسل و رسائل کا رابطہ قائم کرے۔

اس دوران میں نے اپنی بساط بھر کوشش کی کہ ان قبائل کے، جن میں جاکر مجھے کارروائی کرنی تھی، طور طریقوں، رسم و رواج اور ان کے علاقے کی ساخت کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کروں۔

نقشے پر ایک نظر ڈالنے سے سرحد کا محلِ وقوع اور اس کی حدود صاف نظر آتی ہیں۔ سرحد کے معنی ہی حدود کے ہیں۔ یہ علاقہ مشرق میں جالک سے شروع ہو کر مغرب میں گلوگان تک پہنچتا ہے۔ اس کا مشرقی حصہ جالک سے سفید کوہ تک ایک قبیلے کے قبضے میں ہے جو گمشادزئی کہلاتا ہے اور جس کا مشہور

سردار خلیل خان ہے۔

درمیانی حصہ یار محمد زئی قبیلے کے پاس ہے جس کا سردار جنید خان ہے۔ وہ ایک سن رسیدہ شخص ہے اور کئی سالوں سے تمام سرحد کا غیر متنازعہ سردار اعلیٰ چلا آ رہا ہے۔ اُس کو نہ صرف اپنا قبیلہ بلکہ قرب و جوار کے دوسرے قبائل بھی تقریباً ایک نیم دیوتا سمجھتے ہیں۔ چونکہ بعد ازیں جنید خان کا تذکرہ کثرت سے آئے گا اس لئے میں اُس کے ذکر کو اُس وقت تک کے لئے اٹھائے رکھتا ہوں جبکہ اُس کے ساتھ ہمارا رابطہ واقعی قائم ہو جائے گا۔

خواش، جو واش اور واشت بھی کہلاتا ہے سرحد کا صدر مقام ہے اور جنید کے زیر اقتدار علاقے کے اندر واقع ہے لیکن وہ اس شہر کا اصل مالک نہیں ہے۔ لفظ خواش کے معنی دراصل میٹھے کے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ نام اس پانی کی نسبت سے پڑ گیا ہے جو اُس کے قریب ہی جب سطح زمین کے اوپر آتا ہے تو بہت گرم ہوتا ہے۔

سرحد کا مغربی حصہ جو تقریباً خواش سے گلوگان تک پھیلا ہوا ہے اسماعیل زئی قبیلہ اور اُس کے قوی اور خوفناک سردار جمعہ خان کے قبضے میں ہے۔

ان تینوں قبائل میں سے ہر ایک اندازاً ایک ایک ہزار خاندانوں پر مشتمل ہے۔ ہر خاندان میں بلاشبہ کئی افراد ہوتے ہیں جن کے پاس اُونٹوں اور بھیڑ بکریوں کی بڑی تعداد ہوتی ہے۔

ان دونوں، جن کا میں ذکر کر رہا ہوں ان میں سے ہر ایک قبیلہ تقریباً

ایک ہزار سے دو ہزار تک رائفل بردار افراد جمع کر سکتا ہے جو زیادہ تر ماؤزر (Mauser) رائفلوں اور جدید گولہ بارود سے مسلح ہوتے ہیں۔

رباط کے جنوب میں ایک چوتھا قبیلہ بھی رہتا ہے جو ریکی کہلاتا ہے اور اُن قبائل میں سے جن کا اُوپر بیان ہُوا ہے ہر ایک سے تعداد میں کم ہے۔ یہ قبیلہ کلیتاً انگریزوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتا ہے اور اگرچہ یہ قبیلہ برائے نام ابراہیم نامی ایک سردار کے ماتحت ہے لیکن زیادہ تر عیدو کی بات مانتا ہے۔ عیدو جیسا کہ مَیں پہلے بیان کر چکا ہُوں ایک ایسی ممتاز شخصیت کا مالک ہے کہ اس جیسی شخصیت سے مجھے اِس سے پہلے ملنے کی خوشی حاصل نہیں ہوئی ہے۔ عیدو، چاغی لیویز کا جو مقامی طور پر حکومتِ ہند کی قائم کردہ ہے، حوالدار بھی ہے۔

یہ تمام قبائل مذہب اسلام کے سُنّی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور عرب نژاد[۱] ہیں۔ مجموعی طور پر وہ اچھی شکل و صورت کے لوگ ہیں۔ چھریرا بدن، خوشنما قد و قامت، ذہانت بھرا چہرہ اور عقابی خد و خال رکھتے ہیں۔ وہ اپنے بالوں کو اِس قدر بڑھنے دیتے ہیں کہ لمبے کالے گھنگھروں کی صورت میں بالکل بادشاہ چارلس اوّل[۲] کے انداز میں اُن کے چہروں کے دونوں جانب لٹکتے رہتے ہیں۔ درحقیقت اِن میں سے ایک شخص کو، جس سے بعد میں میری اچھی دوستی ہوئی،

۱؎ غلط مفروضہ ہے۔ ۲؎ انگلستان کا بادشاہ۔

میں نے چارلس اوّل کا عُرفی نام بھی دے دیا کیونکہ اپنے لٹکتے ہُوئے گھنگھریالے بالوں اور چھوٹی نوکدار ڈاڑھی سے وہ مجھے بالکل اس بدقسمت بادشاہ کی شبیہہ لگتا تھا۔

یہ لوگ چھوٹی موٹی لڑائیاں بہت اچھی طرح سے لڑتے ہیں اور اگر ان کی صحیح رہنمائی کی جائے تو یہ ہر لڑائی بڑی بہادری سے لڑیں گے۔ یہ لوگ اپنے رہنماؤں پر مکمّل اعتماد کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ خانہ بدوش ہیں لیکن کچھ آباد گاؤں بھی رکھتے ہیں جو ایک کچّے قلعے یا کئی قلعوں اور کچھ کچّے گھروں پر مشتمل ہوتے ہیں جیساکہ خواش، گشت اور رجالک کی بستیاں ہیں۔ یہ لوگ اپنی زندگی کا بیشتر حصّہ ان خیموں میں بسر کرتے ہیں جن کو وہ گھگیّ[1] کہتے ہیں اور جو اُونٹوں کے بالوں کو کالا رنگ دے کر بُنتے ہیں اور جہاں کہیں کوئی مناسب جگہ دیکھتے ہیں وہاں اپنے ان کالے خیموں کو لگا دیتے ہیں۔ ان کی بیوی، بچّے، خاندان کے لوگ اور گلّے عموماً جگہ بہ جگہ ان کے ساتھ گردش میں رہتے ہیں۔ ان کی عورتیں بالخصوص خوبصورت ہوتی ہیں اور ان کا رنگ عموماً مردوں سے نکھرا ہُوا ہوتا ہے۔ ان عورتوں کی قوّت برداشت بھی حیرت انگیز ہوتی ہے۔ وہ سنگلاخ چٹانوں پر بھی اپنے مردوں کی طرح چابکدستی سے چڑھتی ہیں۔ اپنی گردشوں کے دوران طویل مسافتیں طے کرتیں اور گرمیوں کے جُھلسا دینے والے دنوں اور سردیوں کی یخ بستہ راتوں کی تکالیف کو بھی بڑی

---

[1] ان کالے خیموں کو گھگیّ نہیں بلکہ گدان کہتے ہیں۔

ہمت اور استقلال سے برداشت کرتی ہیں۔ وہ عموماً بے پردہ پھرتی ہیں اور ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کے خاوند اور بیٹے اُن کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتے ہیں۔ بلاشبہ بعض قابلِ ذکر موقعوں پر سرحد کی عورتیں اپنے خاوندوں پر بہت اثر بھی ڈالتی ہیں اور جب کبھی کوئی ایسا موقع آتا ہے تو وہ کہاوت کے مطابق لوہے کے ڈنڈے سے ان پر حکم چلاتی ہیں۔ ہر مرد کو چار شادیاں کرنے کی اجازت ہوتی ہے لیکن وہ یہ تعداد کبھی حاصل نہیں کر سکتے اور کبھی ممکن بھی ہو تب بھی وہ ایک سے زیادہ شادی نہیں کرتے۔

یہ قبائل درحقیقت لوٹ مار پر گذارہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ خوف سے آشنا نہیں لیکن رحم بھی بہت کم کرتے ہیں۔ وہ نہ صرف مسافروں کو لوٹتے ہیں بلکہ لبا اوقات گاؤں اور بڑے بڑے شہروں کو بھی لُوٹ لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ مشہد جو فارس کا مقدّس شہر اور مکّہ خیال کیا جاتا ہے اور جو بہت دُور شمال میں ترکستان کی سرحد پر واقع ہے اِن کی زد میں رہتا ہے مگر ایسے معرکے بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے سَر کئے جاتے ہیں اور بہت کم ناکام ہوتے ہیں۔ یہ چھاپہ مار نہ صرف جواہرات، سامانِ خورد و نوش اور مال و مویشیوں کے گلّوں کو لُوٹ لیتے ہیں بلکہ عورتوں اور بچّوں کو بھی اُٹھالے جاتے ہیں اور ان کو ذلیل زندگی بسر کرنے پر مجبور کرتے ہیں

وہ فارسی عورتیں جو اِس طرح اُٹھالی جاتی ہیں وہ حقیر کنیزوں کی حیثیت سے قبائل میں خریدی اور بیچی جاتی ہیں۔ اِن کنیزوں کی قیمت ان کی صفات، عمر اور شکل و صورت کے مطابق مقرر کی جاتی ہے۔ ایک نوجوان عورت کے لئے

کم از کم تین سو روپے اور ایک چھوٹے بچے کی قیمت کم از کم پچیس روپے اندازاً لگائی جاتی ہے۔

اگرچہ دوسرے لوگوں کے ساتھ اِن کا برتاؤ بالکل وحشیانہ ہوتا ہے لیکن اپنے بین القبائلی چند اصُولوں کی وہ سختی سے پابندی کرتے ہیں۔ گو کہ اُن کے یہ اصول بھی زیادہ تر "طاقت سچائی ہے اور کامیابی تمام گناہ معاف کر دیتی ہے" کی بنیادوں پر قائم ہیں۔ سرحد میں ہر شخص سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ سچ کہے گا بشرطیکہ کوئی جھُوٹ اُس کے حصولِ مقصد کے لئے زیادہ سودمند نہ ہو۔ قرآن پر اُٹھائی ہُوئی قسم کی پابندی لازمی ہے بشرطیکہ کوئی ملّا یا سیّد ان کو قسم دے۔ بصُورتِ دیگر اِس قسم پر قائم رہنا یا اُسے توڑ دینا ان کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

بہر حال اُن کے کچھ اپنے اخلاقی ضابطے بھی ہیں جن کی وہ سختی سے پابندی کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر وہ ایک مدعو مہمان کی حیثیت سے آپ کے پڑاؤ میں آئیں یا آپ ایک مدعو مہمان کی حیثیت سے اُن کے پڑاؤ میں جائیں، تب دغابازی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اِس دوران مہمان نوازی کے اصولوں کی، جیسا کہ دوسرے تمام ایشیائی ممالک کا دستور ہے، سختی سے پابندی کرتے ہیں۔

اُن کی خوراک آٹے کی روٹیاں جو عموماً جَو کی اور کبھی کبھار گندم کی بھی ہوتی ہیں، بکری کا گوشت اور جنگلی جڑی بُوٹیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اُن کے مویشیوں کے گلے ہمیشہ اُن کے ساتھ ہوتے ہیں ماسوائے لڑائی کے اُن

دنوں کے جب وہ چھاپے مارنے کو جاتے ہوں، اِس لئے اُن کے پاس ہمیشہ گوشت اور دودھ کی بہتات ہوتی ہے۔ اُن کی کنیزیں اور غلام اِس کے باوجود تقریباً بھوکے رہتے ہیں اور بڑی قابلِ رحم حالت میں ہوتے ہیں جبکہ اُن کی اپنی عورتیں اور بچّے خوب کھاتے پیتے اور صحت مند رہتے ہیں اور اچّھا لباس پہنتے ہیں۔

اُن کا علاقہ جو سرحد کہلاتا ہے انتہائی بنجر، ریتلا اور بہت کم قابلِ کاشت ہے۔ اُس کے بے برگ وبار آتش فشاں پہاڑوں کی شاخ در شاخ چوٹیاں اور سنگلاخ دامن ہائے کوہ، سلسلہ در سلسلہ ایک دوسرے کو کاٹتے ہوئے گذرتے ہیں۔ اِن میں سے کچھ پہاڑ کافی بلند ہیں۔ مثال کے طور پر کوہِ بزمان جس کے جنوب میں بمپور واقع ہے تقریباً گیارہ ہزار چار سو فٹ بلند ہے۔ کوہِ تفتان دوسرا پہاڑ ہے جو تقریباً تیرہ ہزار یا اِس سے کچھ زیادہ بلند ہے۔ موسمِ سرما میں بہار کے ابتدائی دنوں تک اِس کی چوٹی برف سے ڈھکی رہتی ہے حالانکہ وہ ایک زندہ آتش فشاں پہاڑ ہے۔ لفظ تفتان[1] کے معنی اُبلنے کے ہیں۔ اِس کی چوٹی پر دو دہانے یا ایسے مخرج ہیں جن سے گندھک کے دُھوئیں کے بادل مسلسل اٹھتے رہتے ہیں۔ اِس کے اُوپر کا تمام حصّہ سفید راکھ سے ڈھکا ہُوا رہتا ہے جو اِسے بالخصوص غروب

---

[1] تفتان، تپیدن سے ہے۔ جس کے معنی ہیں تاپ، تپش یعنی تپنے والا۔ اُبلنا غلط ہے۔

آفتاب کے وقت ایک ایسا مرعوب کُن مگر دلکش نظارہ بخشتا ہے جس کا "فیوجی یاما" سے بھی زیادہ گہرا اثر پڑتا ہے۔

اِس علاقے کے تقریباً تمام پہاڑ آتش فشاں ساخت کے ہیں۔ ان میں گندھک اور Sal-ammoniac کے ذخائر بکثرت موجود ہیں۔ نچلے علاقے کی زمین سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ یہ زمین کسی وقت سمندر کی تہہ میں رہی ہوگی۔ کیونکہ یہاں پر جو بے شمار آثار ملتے ہیں وہ بحری بنیاد کے ہیں۔ زمین نمک سے بھری پڑی ہے۔ تازہ پانی بہت کم ملتا ہے لیکن نمکین پانی کی جھیلیں ہر کہیں ملتی ہیں۔

یہ ایک دلچسپ خیال ہے کہ اگر اِس علاقے کی آبپاشی کے لئے کوئی تجویز کی جائے تو اُس میں کہاں تک کامیابی ممکن ہے۔

یہاں کے مقامی باشندوں نے پانی حاصل کرنے کا اپنا ایک سادہ طریقہ اپنایا ہے۔ وہ اپنی ضرورت کا پانی کاریزوں سے حاصل کرتے ہیں۔ زیرِ زمین نالیاں کھود کر اندرونی چشموں کو آپس میں ملا دیا جاتا ہے اور اِس طرح اِن نالیوں کے ذریعے پانی وہاں تک لے جاتے ہیں جہاں اُس کی ضرورت ہوتی ہے۔

اِن کاریزوں کی وجہ سے شہروں میں درخت لگائے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ اِس غیر آباد اور بنجر زمین میں درخت اور کہیں نظر نہیں آتے، یہاں تک کہ دورانِ سفر اونٹوں، گھوڑوں اور بھیڑ بکریوں کے گلّوں کے لئے گھاس کی پوری خوراک بھی کہیں نہیں ملتی۔ کہیں کہیں ایسی وادیاں بھی ملتی ہیں

جن میں ایک جُوئے آب کچھ فاصلے تک بہتی ہے لیکن پھر اچانک ریت میں غائب ہو جاتی ہے۔ اُن خال خال مقامات پر جہاں پانی وافر مقدار میں ملتا ہے ترکاریاں بکثرت پیدا ہوتی ہیں۔ ان علاقوں میں یہ ایک عجیب عیاشی معلوم ہوتی ہے۔ اِس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر اِس علاقے میں آبپاشی کے وہی طریقے اختیار کئے جائیں جو ہندوستان کے بعض دوسرے علاقوں میں اختیار کئے گئے ہیں تو یہ علاقہ بھی بہت زرخیز ثابت ہوگا۔ گندم، جَو، پالک، کھیرے، کدّو اور سبز ترکاریاں اگر پانی میسّر ہو تو یہاں بہت پیدا ہو سکتی ہیں۔

اِس علاقے کے موسمی حالات بھی انتہائی طور پر نرالے ہیں۔ سردیوں میں سخت سردی پڑتی ہے مگر بہار اور موسمِ گرما میں گرمی بھی ہولناک ہوتی ہے۔ اِس کے علاوہ فضا میں ایک عجیب قسم کی لطافت محسوس ہوتی ہے اور اُن لوگوں کو جو اِس لطافت کے عادی نہیں ہیں ایک انوکھے قسم کے خلا کا احساس دلاتی ہے۔

سیستان میں اپریل سے جولائی تک ریت سے بھرپور ایک گرم ہوا مسلسل چلتی ہے جو یوروپ کے رہنے والوں کی بے چینی میں عام اضافہ کرتی ہے۔ یہ ہَوا بادِ صد و بیست روز (۱۲۰) کہلاتی ہے۔ یعنی وہ ہَوا جو ایک سو بیس دن چلتی ہے۔ اگرچہ یہ ہَوا ناپسندیدہ اور پریشان کُن ہوتی ہے لیکن سال کے کئی ناقابلِ برداشت مہینوں میں، مچھروں کو دُور دھکیل کر سیستان کے باشندوں کی جانیں ملیریا سے بچاتی ہے۔

اُن لوگوں سے متعلق جو ہماری حکومت کے لئے ایسی سخت مصیبتیں پیدا

کرنے کا باعث ہُوئے ہیں اور اُن کے علاقے سے متعلق جس میں وہ رہتے ہیں
مَیں نے جو مُبہم اور نامکمل سا نقشہ کھینچنے کی کوشش کی ہے، ممکن ہے
اِس مختصر مگر جامع مُہم میں، جس سے متعلق مَیں آنیوالے ابواب میں تشریح کروں
گا، دشمن اور اُس کی سرزمین سے متعلق کارآمد ثابت ہو۔

مَیں روز افزوں اِس امر کی ضرورت محسوس کرتا رہا کہ چھاپہ ماروں کے
خلاف مُؤثر کارروائی کرنے کے لئے جہاں تک جلد ممکن ہو ایک متحرک دستہ
تشکیل دُوں۔ نصرت آباد میں کسی دوسری چوکی سے زیادہ فوج موجود تھی، اِس
لئے مَیں نے اِسے مناسب خیال کیا کہ اِس مقصد کے لئے اُن افواج میں سے کچھ
حاصل کر کے اِستعمال کروں۔ علاوہ ازیں وہاں پر ایک انگریز قونصل بھی رہتا تھا،
جس کے مشوروں اور معلومات کو بہت اہمیت دی جاتی تھی لہٰذا لینڈون اور مَیں
نے جب ممکن ہو بذریعہ کار وہاں جانے کا فیصلہ کیا۔

مَیں نے اِسے بہتر خیال کیا کہ ابتدائی کارروائی کے طور پر پہلے یہ ٹھیک ٹھیک
معلوم کروں کہ اِن چھاپہ ماروں کی اصل حقیقت کیا ہے اور پھر کوشش کر کے اُن کو
اِس بات پر آمادہ کروں کہ وہ اپنی پالیسی کا اعلان ہمارے حق میں کر دیں۔ اِس لئے
مَیں نے مقامی بلوچ پولیٹیکل افسر کو ہدایت کر دی کہ وہ یار محمد زئی قبیلہ کے سردار جیئند خان،
گمشادزئی قبیلہ کے سردار خلیل خان، اِسمٰعیل زئی قبیلہ کے سردار جمعہ خان اور ریکی زئی
قبیلہ کے سرداروں کے نام طلبی کے پروانے جاری کر دے تاکہ وہ مقرّرہ تاریخ
کو کچاؤ کے مقام پر جو ہماری ایک چھوٹی سی چوکی ہے جمع ہوں اور ہندوستان
سے آئے ہُوئے نئے انگریز جرنیل سے مِلیں تاکہ ہم لوگ آپس میں مِل بیٹھ کر

اپنے معاملات کو سلجھائیں۔

بلاشبہ جیسا کہ مجھ سے دُوسروں نے کہا تھا اور مجھے خود بھی یقین تھا کہ چھاپہ مار سردار تاریخِ مقررّہ پر کچا ؤ نہیں آئیں گے لیکن میرا یہ بھی خیال تھا کہ بفرضِ محال اگر اتفاق سے وہ آ گئے تو ہم کسی دوستانہ فیصلے پر ضرور پہنچیں گے اور اِس طور متوقع لڑائی کو ٹال دیں گے، لیکن اِس کے برعکس وہ نہیں آئے تب ہم اِسے اعلانِ جنگ کے مترادف سمجھ لیں گے۔

الغرض کچھ دنوں کے بعد اپنے ملاقات کے وعدے پر قائم رہتے ہُوئے مَیں وہاں گیا لیکن ریکی زئی قبیلہ کے معتبرین کے سوا اَور کوئی دوسرا چھاپہ مار سردار وہاں نہیں آیا۔ ریکی زئی قبیلہ کے معتبرین قبل ازیں بھی انگریزوں کے ساتھ اپنی وفاداری کا مجھے یقین دِلا چکے تھے، لہٰذا مَیں واپس رباط چلا آیا اور اپنی مُہم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا منصوبہ بنانے لگا۔

مَیں نے اِسے محسوس کر لیا تھا کہ میرے عہدے کی کمتری میرے کام میں رکاوٹ ثابت ہو رہی ہے اِس لئے مَیں نے فیصلہ کر لیا کہ اپنے لئے اعلیٰ عہدہ حاصل کرنے کی کوشش کروں تاکہ مجھے زیادہ اختیارات حاصل ہوں اِس مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر مَیں نے جنرل کرک پیٹرک (Kirk Patric) کے نام ایک ٹیلیگرام بھیج دیا۔ جنرل کرک پیٹرک کا مَیں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ وہ شملے میں سر بیوچیمپ ڈف (Sir Beauchamp Duff) کی غیر موجودگی میں قائم مقام کمانڈر انچیف کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ مَیں نے بلا جھجک اُن کو لکھ دیا کہ مجھے جرنیل بنا دیں کیونکہ مَیں اِسے اپنے سپرد کام کے لئے ضروری

خیال کرتا ہوں۔

یہ امر یقیناً حیرت انگیز معلوم ہوگا کہ ایک ایسے اجاڑ اور وحشتناک علاقے میں جس کا بہت بڑا حصہ باغی اور قانون شکن قبائل کے ہاتھ میں ہے میرے لئے یہ کیسے ممکن ہو سکا کہ یہاں سے کوئی ٹیلیگرام بھجوا دوں۔ لہٰذا یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ گذشتہ پچاس برسوں سے بھی زیادہ عرصہ سے یہاں ایک عمدہ ٹیلیگراف لائن کام کر رہی ہے جو ہندوستان کو فارس سے ہوتی ہوئی یورپ سے ملا دیتی ہے۔ اِس لائن کی منظوری مسٹر ایسٹ وِک (Eastwick) نے ۱۸۶۲ء میں اُن دنوں جبکہ وہ طہران میں برٹش چارج ڈی افیئر کے عہدے پر فائز تھے شاہ فارس سے حاصل کر لی تھی۔

اگرچہ اِس رعایت کے لئے دونوں حکومتوں کے درمیان طویل گفت و شنید ہوتی رہی اور فارس کی حکومت اسے پیہم نامنظور کرتی رہی لیکن آخر کار جب کہ سفارتی گفت و شنید ناکام ہو چکی تھی، شاہِ فارس کے ساتھ مسٹر ایسٹ وِک کی دوستی بار آور ثابت ہوئی۔

۱۸۶۴ء میں حکومت فارس کی طرف سے اِس منصوبے کا اعلان کیا گیا جس میں کہا گیا کہ حکومتِ فارس نے یہ طے کر لیا ہے کہ فارس کی حدود کے اندر بغداد کے قریب سے ہوتی ہوئی ایک ٹیلیگراف لائن ہندوستان تک بچھا دی جائیگی جس کے تمام اخراجات حکومتِ فارس برداشت کرے گی لیکن وہ انگریز افسروں کے کنڑول میں رہے گی۔ ہمارے لئے بالخصوص یہ ایک بہت مفید اور کار آمد منصوبہ تھا۔ اِس سے نہ صرف یہ لائن بلکہ وہ دوسری تمام ٹیلیگراف لائنیں جو یہاں سے

گذرتی ہیں، چھاپہ ماروں سے محفوظ رہیں۔ چھاپہ ماروں نے نہ تو ان میں کوئی مداخلت کی اور نہ انہیں کہیں کاٹا۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اس کی وجہ محض یہ تھی کہ یہاں کے باشندے ٹیلیگراف کے تاروں سے متعلق سخت وہم اور خوف میں مبتلا تھے۔ وہ ان کو کسی نہ کسی طرح شیطان سے رابطہ رکھنے کا کوئی ذریعہ سمجھتے تھے۔

ایک دن جبکہ مَیں اپنے عہدے میں ترقی کی ضروری درخواست کے جواب کا منتظر تھا عیدو، لینڈون اور مَیں نے آپس میں بیٹھ کر ایک مشورہ کیا۔ مَیں نے عیدو سے پوچھا کہ آیا وہ اپنے دوستوں میں سے دو آدمی ایسے پیدا کر سکتا ہے جو اوّل درجے کے جھوٹے پروپیگنڈہ باز ہوں اور جن پر وہ مکمّل بھروسہ بھی رکھتا ہو۔ عیدو کی آنکھیں چمک اُٹھیں اور اُس نے مجھے یقین دلایا کہ اُس کے کئی ایسے دوست ہیں جن کی قابلیت اور وفاداری پر وہ پورا بھروسہ رکھتا ہے۔ تب مَیں نے اپنی تجویز اُس کے سامنے رکھدی۔

یہ بالکل ظاہر بات تھی کہ چھاپہ ماروں کو کُھلے میدانِ جنگ میں شکست دینا اس وقت ہمارے لئے ناممکن تھا۔ وہ پوری طرح مسلّح اور تمام سازوسامان سے لیس ہزاروں آدمی تھے۔ گولہ بارود اور خوراک کی اُن کو جتنی بھی ضرورت ہوتی تھی مل جاتی تھی اور وہ اپنے علاقے میں تھے جس کی گز گز زمین سے وہ واقف تھے۔ براہِ راست مقابلے میں وہ ہماری اس مختصر سی فوج کو جو ہم جمع کر سکتے تھے چند منٹوں کے اندر ختم کر سکتے تھے۔ مگر چونکہ ہمارے لئے ان چھاپہ ماروں سے جو ہمیں بے شمار نقصان پہنچا رہے تھے، لڑنا اور اُن کو شکست دینا ضروری تھا اس لئے مَیں نے اپنے بازوؤں کو مضبوط کرنے

اور اُن پر اپنی دھاک بٹھانے کے لئے دھونس اور دھمکیوں سے کام لینے کو ضروری خیال کیا۔

مَیں نے عیدو کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے دونوں دوستوں کو بُلا لے اور اُن سے برملا یہ کہدے کہ اگر وہ اِس کام میں جو اُن کے سپُرد کیا جاتا ہے، کامیاب ہُوئے تو اُن کی جیبیں رُوپیوں سے بھر دی جائیں گی۔

میرا منصوبہ یہ تھا کہ عیدو کے یہ دونوں دوست ہم سے بھاگ کر چھاپہ مار سرداروں میں سے جنیدا اور خلیل خان کے پاس جائیں اور اُن سے جا کر کہدیں کہ وہ اُس بڑے مشہور انگریز جرنیل کے کیمپ سے بھاگ کر آئے ہیں جو ابھی ابھی ہندوستان سے پُوری طرح مسلّح پانچ ہزار فوج لے کر آیا ہے۔ اور ان کو یہ بھی بتا دیں کہ یہ جرنیل ڈائر اُن سے بہت ناراض اور برافروختہ ہو چکا ہے کیونکہ اُنہوں نے اُس کے بُلاوے پر کچّاؤ نہ آکر اُس کی نافرمانی کی ہے۔ اب وہ ایک بڑی فوج کے ساتھ ان پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ البتہ وہ پہلے خلیل خان پر حملہ کرنے کو جا لگ جائے گا۔

اگر عیدو کے آدمی چھاپہ ماروں کو اِن باتوں پر یقین دلانے میں کامیاب ہوئے تب اُن پر جو ضرب لگانا میرے پیشِ نظر تھا وہ خواہش پر میرا حملہ کرنا تھا۔ اِس کارروائی سے مجھے امید تھی کہ چھاپہ ماروں کو اگر اور زیادہ نقصان نہ پہنچا سکوں تو کم از کم اپنے سلسلۂ رسل و رسائل کے لیے خطرہ بننے سے اُنہیں دُور ہٹا دُوں گا اور اِس سے کارواں کو رباط کی طرف آنے میں آسانی ہو گی۔

عیدو کو میری یہ تجویز بہت پسند آئی جو اُس کے ظریفانہ مزاج کے مطابق تھی۔ اُس نے جلد اپنے دو جاسوس حاضر کر دیئے اور اُن سے متعلق ہمیں یقین دلایا کہ اُن پر اُسے اِسی قدر اعتماد ہے جس قدر اپنی ذات پر ہے۔ ان جاسوسوں کو اُن کا کام پوری طرح ذہن نشین کرایا گیا اور عیدو کے وہ دوست فوراً اپنے کام پر روانہ ہو گئے۔

اِس دوران میں اگرچہ اب تک جرنیل نہیں بنا تھا لیکن اِس کے باوجود مَیں نے ایک جرنیل کی حیثیت سے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ اٹھائیسویں (۲۸) لائیٹ کیولری والوں نے میرے کندھوں کے لئے کراس سورڈ کا نشان اور ضروری سُرخ فیتے بھی تیار کر دیئے۔ اوّل الذکر اگرچہ مقررہ نمونے سے کافی بڑے تھے لیکن اچھے بنائے گئے تھے۔ تب مَیں اور لینڈون موٹر کار کے ذریعے نصرت آباد روانہ ہو گئے۔

ہم نے دیکھا کہ نصرت آباد گارے سے بنی ہُوئی دیواروں کا ایک چھوٹا سا احاطہ تھا جس کی دیواریں کافی موٹی تھیں۔ احاطے کے اندر ایک سَو کے قریب دکانیں تھیں جن کی زیادہ تعداد فارس کے سپاہیوں کے پاس تھی۔ اِن سپاہیوں کے فوجی فرائض عام طور پر زیادہ پُرمشقّت نہیں تھے۔ ہم قونصل خانے کی طرف گئے اور قونصل سے ہماری ایک دلچسپ ملاقات ہوئی۔ جبکہ ہم وہاں پر ہی تھے کہ شملے سے ایک ٹیلیگرام آیا جس میں مجھے بریگیڈیئر جنرل کے عہدے پر ترقی پانے کی اِطلاع دی گئی تھی۔ اِس سے میری تسلّی ہُوئی اور اب مَیں خود کو ایک جعلساز محسوس نہیں کرتا تھا۔

اِس ذراسی خوشخبری کے عوض میں مجھے یہ اطلاع بھی ملی کہ میرے اُس تمام سامان پر جو میں نے نوشکی میں پیچھے چھوڑ دیا تھا اور جو اب میرے پیچھے اونٹوں پر لایا جا رہا تھا، چھاپہ ماروں نے قبضہ کر لیا ہے۔ اِس کے علاوہ انہوں نے میرے گھوڑے گلاعد کو بھی مار دیا ہے، میرے سائیس کو بھی لُوٹ لیا ہے، اُس کے تمام کپڑے یہاں تک کہ اُس کے کانوں سے سونے کی بالیاں بھی چیر کر نکالی ہیں۔ جب میں واپس رباط پہنچا تو وہ سائیس مادر زاد برہنہ میرے پاس آیا۔ اُس کے اعصاب جواب دے چکے تھے اور وہ مزید کسی خدمت کے قابل نہیں رہا تھا۔

ہم کرنل کلیرج (Claridge) سے بھی ملے جو اٹھائیسویں[۲۸] رسالہ اور نصرت آباد میں متعیّن افواج کی کمان کر رہا تھا۔ میں نے اُس سے کہا کہ تمام رسد جو وہ جمع کر سکے، دو پہاڑی توپ، رسالے کا ایک دستہ اور پیدل فوج سے جتنے آدمی وہ فارغ کر سکے، جتنی جلد ممکن ہو رباط بھجوا دے۔ اگرچہ فوج کی اِس مختصر تعداد سے جو اِس مُہم کے لئے میں دستیاب ہو سکتی تھی میں بہت مایوس تھا لیکن میں یہ بھی سمجھ گیا تھا کہ افغانستان کی موجودہ صورتِ حال بھی اِس امر کی متقاضی ہے کہ خود نصرت آباد میں بھی ایک مضبوط محافظ فوج رکھی جائے۔

رباط کو واپس ہوتے ہُوئے ہم ایک چوکی میں ٹھہرے جہاں پر مُجھے ایک ایسے کمرے میں ٹھہرایا گیا جس کی چھت گنبد نما تھی اور جس پر چُونا پھیر دیا گیا تھا۔ صبح کو جبکہ میں ابھی تک اپنے کمبلوں میں لپٹا پڑا چھت کی طرف

دیکھ رہا تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ تمام چھت کالے کالے حلقوں سے گھِرا ہُوا ہے۔ جونہی کمرے میں روشنی پھیلتی گئی مَیں نے دیکھا کہ چھت پر وہ سب مکھیاں تھیں۔ ہزار در ہزار مگر مدہوشی کی حالت میں جو رات کی ٹھنڈک سے اُن پر طاری ہو چکی تھی۔

جیسے جیسے صبح ہوتی گئی ابابیلوں کے جھنڈ کے جھنڈ کھُلے دروازے سے اندر آنا شروع ہُوئے۔ گنبد نما چھت کے گِرد چکّر کاٹتے اور اِن بے بس مکھیّوں کو ایک ایک کر کے اُٹھاتے رہے یہاں تک کہ اُن میں سے ایک بھی مکھّی باقی نہیں بچی۔

ہم براہِ راست رباط پہنچے اور پہنچتے ہی لینڈون اور مَیں نے اپنے منصوبے پر کام کرنا شروع کر دیا۔ کافی غور و خوض کے بعد ہم نے طے کر لیا کہ خواش پر جو سرحد کا صدر مقام ہے قبضہ کرنے کی کوشش کی جائے اور اِس طرح چھاپہ ماروں کو اپنے سلسلہ ہائے رسل و رسائل سے پرے دھکیل دیا جائے۔ مگر سامانِ رسد اور توپوں کے رباط پہنچنے میں کافی وقت لگا کیونکہ رباط، نصرت آباد سے پورے ایک سَو میل کے فاصلے پر تھا اور ساتھ ہی یہ بھی ضروری تھا کہ اِس قدر سامانِ خورد و نوش جمع کر لیا جائے جو کم از کم ایک مہینے تک ہمارے لئے کافی ہو۔ کیونکہ ہندوستان سے سامانِ رسد کے پہنچنے پر اِنحصار کرنا ایک لاحاصل خیال تھا۔ دوسرے لفظوں میں ہمیں اپنے تمام سلسلہ ہائے رسل و رسائل سے بے نیاز ہو کر آزادانہ کام کرنا تھا۔

بالآخر سامانِ رسد اور دونوں توپوں کو ساتھ لے کر میجر میک گوان (Macgowan) رباط پہنچا۔ یہاں پر ہم نے بارہ یا پندرہ نفر عیدو کی چاغی لیویز کے اور سترہ (۱۷) سوار اٹھائیسویں لائیٹ کیولری کے لفٹیننٹ ہرسٹ (Hurst) کی زیرِ کمان جمع کر لئے۔ لیکن میرے پاس پیدل فوج اب تک کوئی نہ تھی۔ پھر بھی مجھے اُمید تھی کہ میں کچاؤ سے حاصل کر سکوں گا۔ کچاؤ کی محافظ فوج اُنیسویں پنجاب رجمنٹ کے سو سپاہیوں اور دو مشین گنوں پر مشتمل تھی۔

لینڈون اور میں نے پیدل فوج حاصل کرنے کے لئے کچاؤ جانے کا انتظام کیا جبکہ میک گوان اپنی دو توپوں، رسالہ کے سترہ سواروں اور سامانِ رسد کو ساتھ لے کر سیاہ ہیندک کے راستے براہِ راست میرجاوا روانہ ہُوا۔ ہمیں اپنا پیدل فوجی دستہ جلد از جلد جمع کر کے خواش کی طرف پیش قدمی کرنے کے لئے اُس سے وہاں، میرجاوا میں ملنا تھا۔

ہماری نقل و حرکت جس مقصد کے لئے تھی اُسے حیرت انگیز طور پر پوشیدہ رکھا گیا لیکن عیدو کے جاسوسوں کے ذریعے میری زیرِ کمان پانچ ہزار پُوری طرح مسلّح فوج کی آمد کی خبر دُور و نزدیک تک خوب پھیلا دی گئی۔ اِس کا یہ اثر پڑا کہ چھاپہ مار ہمارے سلسلہ ہائے رسل و رسائل پر چھاپے مارنے کی بجائے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے گئے تاکہ اپنے لشکر کو جمع کر کے اپنی حفاظت کا سامان کر سکیں۔ اِس طرح اگرچہ عارضی طور پر سہی، دشمن سے دو دو ہاتھ کئے بغیر اپنی منتشر چوکیوں کے ساتھ ہمارے سلسلہ ہائے رسل و رسائل

محفوظ ہوئے اور ہمارا ایک ادنیٰ مقصد پُورا ہو گیا۔

جبکہ میک گوان اپنی مختصر سی فوج کے ساتھ میر جاوا کی طرف جا رہا تھا لینڈون اور مَیں کچاؤ کی طرف چڑھ دوڑے۔ ۲ر اپریل کو ہم وہاں پہنچے۔ وہاں پر لفٹیننٹ ییٹ (yates) نے جو بارھویں پائنیرز کا افسر تھا، مَیس ہاؤس (Mess House) کے سامنے اپنے تمام آدمیوں کی جو اُس وقت موجود تھے پریڈ لگائی۔ جب ہم گھوڑوں پر سوار وہاں پہنچے تو اُس نے اپنے آدمیوں کو تشریفاتی سلامی (Present Arms) کا حکم دیا۔ نتیجہ مایوس کُن نکلا، جس سے مجھے ایک دھچکا سا لگا۔ مَیں نے گھوڑے سے اُتر کر اُن آدمیوں کو جنہوں نے اپنی زندگی میں ایک گولی بھی نہیں چلائی تھی فال آؤٹ (fall-out) کا حکم دیا۔ اُس وقت میرے چھکے چھوٹ گئے جب مَیں نے دیکھا کہ اُن میں سے صرف نَو آدمیوں نے حکم کی تعمیل کی۔

لفٹیننٹ ییٹ نے مجھ سے کہا کہ وہ اِن آدمیوں کے ساتھ اپنی انتہائی کوشش کر چکا ہے مگر اُن کی اکثریت نئے بھرتی شدہ افراد پر مشتمل ہے۔ اِس سے مجھے نا اُمیدی کا اور زیادہ تلخ احساس ہُوا اور مَیں سمجھ گیا کہ بھُوسا ڈالے بغیر مجھے خشت سازی کا ایک بہت بڑا کام کرنا پڑے گا۔

اِس کے سوا میرے لئے اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ صرف یہی آدمی ہمارے پاس تھے، تربیت یافتہ یا غیر تربیت یافتہ جن سے مجھے اِس

مُہم میں کام لینا تھا۔ بہر حال مجھے اُن کا شکریہ ادا کرنا تھا۔

الغرض میَں نے اُن نو تربیت یافتہ سپاہیوں، ۵۷ غیر تربیت یافتہ رنگروٹوں اور دو مشین گنوں کو جو بارھویں پائنیرز کے تھے، ساتھ لیا اور اُن کے ساتھ لینڈون اور میں میرجاوا کی طرف چل پڑے جہاں پر ہم کو میک گوان کے دستے کے ساتھ ملنا تھا۔ بہر حال ۱۷ اپریل کی شام کو ہم میرجاوا پہنچ کر اُس سے ملے :

چوتھا باب

دوسرے دن ہم نے لادِز کی طرف مارچ کیا۔ رات پڑنے سے پہلے ہم وہاں پہنچے۔ کوئی حادثہ نہیں ہُوا۔

لادِز ایک ایسی منزلگاہ ہے جو علاقے کے ایک نسبتاً زرخیز حصّے میں سطحِ سمندر سے پورے چار ہزار فٹ کی بلندی پر مشہور کوہِ تفتان کے ڈھلوان میں واقع ہے۔ اِس کی وادی میں ایک اچھّی خاصی ندی بہتی ہے۔ اگر اِس ندی سے زراعت کا کام لیا جائے تو تمام علاقہ پیداوار کے قابل اور منافع بخش ہو سکتا ہے۔ اِس کی آب و ہوا سرحد کے بیشتر حصّوں سے بہتر ہے۔ یہاں پر چکور، ہر قِسم کے تیتر، پہاڑی بکرے اور بھیڑیں بکثرت ملتی ہیں۔

ندی کے دائیں کنارے ایک عُمدہ مگر پُرانا اور غیر آباد قلعہ ہے جو خواش اور جالک کے آباد قلعوں کی بہ نسبت زیادہ بہتر اور مستحکم تعمیر ہُوا ہے لیکن اب اِسے ندی کے، جس کے کنارے یہ قلعہ واقع ہے، سیلابوں نے برباد کر دیا ہے۔

اِس قلعہ کی بنیاد میں ایک راستے کا نشان ملتا ہے جو اِس قلعے کو جو ندی کے دائیں طرف واقع ہے ایک زیرِ زمین سُرنگ کے ذریعے بائیں کنارے سے ملا دیتا تھا۔ یہ راستہ بوقتِ ضرورت قلعہ سے فرار

ہونے یا قلعے کے اندر محافظین کو اِمداد بہم پہنچانے کے کام آتا تھا۔

لاوڑیں میں ہم نے ریکی قبیلہ کے پچاس افراد پر مشتمل ایک گروہ کو دیکھا جو عیدو کی فوری درخواست پر اِس مُہم میں ہمارا ساتھ دینے کے لئے آئے تھے۔ مَیں نے دیکھا کہ ان کے پاس نہ تو کوئی ہتھیار تھا اور نہ ہی گولہ بارود اور دوسری ضروریات تھیں۔ مَیں نے اُن سے پوچھا کہ اُن کی رائفلیں کہاں ہیں۔

"ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں صاحب!" اُن کے سرکردہ نے جواب دیا۔ "ہمارا خیال تھا کہ جرنیل صاحب ہم کو رائفلیں دے دیں گے!"

مَیں نے معذرت کرتے ہُوئے اُن سے کہا کہ ہمارے پاس کوئی فالتو ہتھیار نہیں ہیں۔ مگر چونکہ ہمارے دھونس، دھمکی کے اِس بڑے کھیل میں ہر زائد آدمی ہمارے لئے غنیمت تھا اِس لئے مَیں اُن کو جانے بھی نہیں دینا چاہتا تھا اور اُن سے کسی نہ کسی طریقے سے کام لینا چاہتا تھا۔

میری باتوں سے اوّل تو وہ بہت مایوس ہُوئے کہ اُنہیں انگریزی رائفلوں کا عطیہ نہیں دیا گیا اور پھر جب اُنہوں نے یہ بیہودہ فوج اور اُس کی تعداد دیکھی جو جیئند خان جیسے ایک بڑے چھاپہ مار سردار سے لڑنے جا رہی تھی تو اُس کا مذاق اُڑانے لگے۔

"کیوں صاحب!" اُن کے سرکردہ نے کہا۔ "جیئند کے پاس پُوری طرح سے مُسلّح دو ہزار آدمی ہیں جو سب آپ کے مقابلے کو نکلے ہیں۔ وہ آپ کو دو منٹوں میں ختم کر دیں گے۔"

ہم بھی جانتے تھے کہ اگر ہم کھُلے میدان میں اُن سے لڑیں تو اُن کا

کہنا صحیح ہوگا لیکن ہم نے تو دھونس، دھمکی اور اپنی قسمت کا سہارا لیا ہُوا تھا۔ مقامی پولیٹیکل افسر جو ایک بلوچ تھا وہ بھی پوری طرح ریگیوین کا ہم خیال تھا۔ اُس نے ہم کو مشورہ دیا کہ ہم یہاں سے ہی واپس ہوں اور اپنی جانیں بچائیں۔ مگر ہم اتنی دُور اِس لئے نہیں آئے تھے کہ یُوں ہی واپس چلے جائیں۔ لہٰذا مَیں نے سُنی اَن سُنی کر کے اپنی فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دے دیا۔

ہماری خوش قسمتی دیکھیئے کہ قبل اِس کے کہ ہم وہاں سے روانہ ہو جاتے دوسرے دن علی الصبح ایک دوسرا مقامی پولیٹیکل افسر پہنچ گیا جس نے سابقہ مقامی پولیٹیکل افسر کو فارغ کر دیا۔ یہ شخص اُس سابقہ افسر سے بالکل مختلف مزاج کا آدمی تھا۔ یہ نیا افسر خان بہادر[1] سرحددار، سرحد سے متعلق تمام امُور کا اعلیٰ پولیٹیکل عہدہ دار تھا اور پوری طرح جنگجویانہ خصائل رکھتا تھا۔ اُس نے نہ صرف ہمارے دھونس و دھمکی کے کھیل کو پسند کیا بلکہ اُس میں مُستعدی سے حصّہ لینے کو بھی آمادہ ہُوا اور یہ صرف مُستعدی ہی تھی جو ہماری مُہم کو کامیابی سے ہمکنار کر سکتی تھی۔

لادِز سے ہماری فوج جنوب کو خواش کی جانب روانہ ہُوئی اور

---

[1] اگرچہ جرنیل نے خان بہادر کا نام نہیں دیا لیکن یہ نوشکی کے قبیلہ جمالدینی کے سردار میر شکر خان صاحب تھے جنہوں نے اِس سرحد پر کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اور حکومتِ ہند کی نوازشات سے سرفراز ہُوئے۔

تقریباً اٹھارہ (۱۸) میل کا فاصلہ طے کیا۔ ہماری رفتار بُری نہیں تھی کیونکہ اِس طرح کے ریتیلے اور شکستہ راستوں پر اُونٹوں کے کارواں کی یومیہ اوسط دس بارہ میل سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اُس رات کو ہم نے ایک تنگ وادی میں کیمپ کیا جو پہاڑوں سے گھری ہوئی تھی اور پانی کا عمدہ ذخیرہ رکھتی تھی۔

دوسرے دن ہم نے اپنا سفر جاری رکھا۔ اب ہم کسی نہ کسی وقت جنید کے لشکر کے مقابل آنے کی توقع رکھتے تھے۔ ہماری پریشانی بڑھ رہی تھی کہ اتنے میں ہمارے پیش دستہ نے آکر اطلاع دی کہ دشمن ہمارے بالکل سامنے ہے اور ان پہاڑیوں میں جو کوہِ تفتان سے شاخ در شاخ نکلتی ہیں، پڑاؤ ڈالے پڑا ہے۔

ہم نے اپنی فوج ٹھہرا لی۔ میں نے خود جا کر دشمن کے مورچوں کو اچھی طرح سے دیکھا اور مجھے تسلیم کرنا پڑا کہ وہ بہت مضبوط ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ جنید کا لشکر کم از کم دو ہزار افراد پر مشتمل ہے اور اب جبکہ ہم اور وہ آمنے سامنے آچکے ہیں تو ہم کو موقع سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرنی پڑے گی۔

میں نے واپس آکر پہاڑی توپوں کو بائیں طرف کی چھوٹی پہاڑیوں پر لانے کا اور رسالے کو پوشیدہ طور پر دائیں طرف بڑھنے کا حکم دے دیا۔ باربرداری کے اُونٹ جو تقریباً چھ سو (۶۰۰) تھے وہ بھی اسی وقت پہنچ گئے۔ اُن کو پینسٹھ (۶۵) غیر تربیت یافتہ سپاہیوں کے چارج میں دیا گیا۔ دونوں مشین گنیں مرکز میں ایک موزوں مقام پر لائی گئیں۔ غرضیکہ ہماری مختصر سی فوج لڑائی کے لئے

اب پوری طرح صف بستہ ہو چکی تھی۔

عین اسی وقت ایک شخص اُونٹ پر سوار دشمن کے پڑاؤ سے ہماری طرف آتا ہُوا دیکھا گیا۔ اُس کے ساتھ سفید جھنڈا اُٹھائے ہُوئے ایک پیدل شخص بھی چلا آ رہا تھا۔ جب یہ پیغام رساں قریب پہنچے تو سرحد دار نے چیخ کر کہا کہ "یہ تو خود شاہسوار ہے"۔

شاہسوار ایک بہت مشہور چھاپہ مار سردار اور رجینؔد خان کا رشتہ دار تھا۔ ایک وقت وہ خواشؔ کا مالک اور گورنر رہ چکا تھا۔ مگر جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے وہ گُل بی بی نامی ایک حسین عورت سے شادی کرنے کی ہوس میں مبتلا ہو گیا۔ رواج کے مطابق گُل بی بی کے طلبگار دُولھا اور لڑکی کے نرینہ وارث محمد حسن کے درمیان گفت و شنید ہوتی رہی۔ محمد حسن ایک کمزور کردار کا شخص تھا، اُس نے گُل بی بی کی قیمت[1] میں خواشؔ کے حق ملکیت کا مطالبہ کیا۔ شاہسوار کی انتہائی فریفتگی نے اُسے یہ قیمت ادا کرنے پر آمادہ کر لیا۔ اگرچہ بعد میں جو کچھ مَیں نے اِس بدمعاش شاہسوار کے متعلق سُنا تو مَیں نے باور کیا کہ اُس نے بالکل یہ ارادہ کر لیا تھا کہ جُوں ہی اُسے کوئی مناسب موقع ہاتھ آئے گا وہ اپنی اِس آبائی جائداد خواشؔ پر دوبارہ قبضہ کرے گا۔

جب وہ اُونٹ پر سوار میری طرف آ رہا تھا اور صُلح کا سفید جھنڈا اُس کے آگے آگے تھا، اُس کی خوبصورت وضع قطع دیکھ کر مَیں دنگ رہ گیا۔

---

[1] قیمت کہنا غلط ہے۔ یہ حق مہر ہوتا ہے، قیمت نہیں ہوتی۔

اُس نے اعلان کر دیا کہ وہ اپنے رِشتہ دار جنید خان کی طرف سے یہ پیغام لے کر آیا ہے کہ اگر جرنیل صاحب صرف ایک آدمی ساتھ لے کر نیمراہ پر جنید خان سے ملنا چاہے تو جنید خان بھی صرف ایک آدمی کے ساتھ اُسے نیمراہ پر ملنے اور حالات پر غور و خوض کرنے کو آئے گا۔"

اِس میں شک نہیں کہ مَیں ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ گفت و شنید کے سلسلے کو طُول دوں کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ ہر لمحہ جو گذرتا ہے، ہمارے دھونس اور دھمکی کے کھیل کے ظاہر ہونے کے خطرے کو بڑھاتا ہے۔ یہ بات اب عیاں ہو چکی تھی کہ جو افواہ عیدو کے جاسوسوں نے پھیلائی تھی جنید نے اُس پر یقین کر لیا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ انگریز جرنیل کی زیرِ کمان ایک بہت بڑی فوج اُس کے خلاف آئی ہے۔ اِس لئے مَیں نے بھی ضروری خیال کیا کہ شاہسوار کی باتوں سے بھڑک اُٹھوں اور طیش میں آ کر اُسے جواب دُوں۔ تب مَیں نے اُس سے مخاطب ہو کر کہا کہ "تم کو یہ جراٴت کیسے ہُوئی کہ ایک انگریز جرنیل کے سامنے آ کر جنید جیسے ایک بدمعاش کی طرف سے ایک ایسی تجویز پیش کرو۔ واپس جاؤ اور اُس سے کہدو کہ مَیں آ رہا ہُوں، نیمراہ پر نہیں، بلکہ پُورا راستہ طے کر کے جلد آ رہا ہُوں۔ مَیں تم کو اِتنا وقت دیتا ہُوں کہ میرا پیغام وہاں تک پہنچا سکو۔ پھر مَیں ایک گولی چلاؤں گا جو اِس بات کی علامت ہوگی کہ لڑائی شروع ہو گئی۔ اِس کے بعد مَیں حملہ کر کے اُسے صفحۂ ہستی سے مٹا دُوں گا۔"

میری دھمکی آمیز گفتگو سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ شاہسوار بہت متاثر ہو چکا ہے۔ بالآخر تھوڑی سی ہچکچاہٹ اور توقّف کے بعد اُس نے اُس شخص

کو بلایا جو اُس کے ساتھ آیا تھا اور سرگوشی میں اُسے جرنیل صاحب کا پیغام دے کر جنید کے پاس واپس بھجوا دیا اور کہا کہ وہ خود میرے پاس رہنا چاہتا ہے۔

وہ واضح طور پر ڈرا اور سہما ہُوا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ پُشت کی پہاڑیوں میں ہم نے ایک بہت بڑی فوج اُن کے پیچھے چُھپا رکھی ہے چنانچہ اُس نے اسے اپنے لئے محفوظ خیال کیا کہ اِس کی بجائے کہ وہ جنید کے پاس واپس جا کر اُس پانچ ہزار (۵,۰۰۰) کی سپاہ کے خلاف لڑے جن کو وہ یہاں سے نہیں دیکھ سکتا، یہ بہتر ہے کہ وہ ایک قیدی کی حیثیت سے ہمارے پاس ہی رہے۔

اِس دوران جبکہ پیغام رساں واپس جنید کے پڑاؤ کی طرف بھاگا جا رہا تھا رسالے کے اُن سترہ سواروں کو مَیں نے حکم دیا کہ اپنے کو ظاہر کر دیں۔ جب وہ پہاڑیوں کے اُوپر نمودار ہُوئے تو ایسا لگتا تھا جیسے ایک بڑی سپاہ کا ہراول دستہ ہو۔ اُن کے بڑے گھوڑے بہت بارُعب لگ رہے تھے۔

مَیں نے لفٹیننٹ ہرسٹ (Lt. Hurst) کو جو اِن کی کمان کر رہا تھا، ہدایت کی کہ وہ ایسی نمائش کرے جس سے ظاہر ہو کہ وہ جنید کے لشکر کے میسرہ پر حملہ کرنے والا ہے۔ البتہ اُسے یہ بھی حکم دیا گیا کہ دشمن کے زیادہ نزدیک نہ جائے۔

ازاں بعد، جب ہم کو اطلاع پہنچ گئی کہ پیغام رساں جنید کے کیمپ سے تقریباً چھ سو گز کے فاصلے پر پہنچ چکا ہے اُسے مزید اِتنا وقت دے دیا گیا کہ وہ اپنا پیغام پہنچا دے۔ اِس کے بعد مَیں نے چائنی لیویز کے ایک سپاہی کو حکم دیا

کہ وہ ایک ہوائی فائر کر دے جو اِس امر کا اشارہ ہو کہ لڑائی شروع ہو چکی ہے۔ اُس نے لبلبی دبا دی مگر کچھ نہیں ہُوا۔ میں نے اُس سے کہا کہ پھر کوشش کرے۔ اُس نے دوسری بار لبلبی دبائی۔ اِس دفعہ خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہُوا۔ اب لڑائی شروع ہو چکی تھی۔ حملہ کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ رسالہ تیزی سے دائیں طرف کو بڑھا۔ مشین گنوں نے کڑکڑانا شروع کیا اور پیدل فوج جو نَو (۹) تربیت یافتہ سپاہیوں اور مُٹھی بھر حاجی لیویز والوں پر مشتمل تھی، قلب لشکر سے آگے کو جھپٹ پڑی۔

دشمن کے پڑاؤ میں کیا گذرا، اِس کا مجھے بعد میں علم ہُوا جو غالباً اِس طرح ہُوا کہ رسالے کو بڑھتے ہُوئے دیکھ کر جنید نے خیال کیا کہ اُس کی واپسی کا راستہ کاٹ دیا جا رہا ہے۔ وہ واقعی یقین کر چکا تھا کہ پانچ ہزار کی ہماری دیو مالائی فوج پوری طاقت سے اپنا حملہ شروع کر چکی ہے۔ اپنے اونٹ پر چڑھ کر اُس نے جو حکم دیا وہ "اپنی جان بچاؤ" کے مترادف تھا۔ بہرحال آنِ واحد میں اُس کا لشکر خوف زدہ ہو کر پریشان حالت میں منتشر ہو گیا اور پوری طرح پسپائی کی حالت میں پہاڑیوں اور وادیوں میں بھاگتا چلا گیا۔

تھوڑی دیر کے لئے لینڈون اور مَیں نے متعجب ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر جب ہم سمجھ گئے کہ ہمارا دھونس اور دھمکی کا بڑا کھیل کامیاب ہو چکا ہے تب ہم بھی ایک زوردار نعرہ لگا کر آگے کو جھپٹ پڑے۔ سرحددار ہمارے ساتھ تھا۔ ہم چونکہ سوار تھے اِس لئے دوسروں سے آگے نکل گئے اور ہم نے واقعی جنید کے کئی آدمیوں کو جو ایک نالے میں بھاگے جا رہے

تھے جالیا۔ ہم نے اپنے ریلا اور اُن پر خالی کر دیئے۔ اسی اثنا میں ہمارے کچھ سپاہی بھی پہنچ گئے۔ اس سے اُن پر اَور زیادہ دہشت طاری ہو گئی اور انہوں نے خیال کیا کہ ایک بے شمار سپاہ نے اُن کو گھیرے میں لے لیا ہے۔

دشمن کو سات آدمیوں کے مارے جانے کا نقصان ہُوا۔ ہماری طرف سے ایک سپاہی زخمی ہُوا اَور میں دیانتداری سے کہتا ہُوں کہ اُسے بھی ہمارے غیر تربیت یافتہ آدمیوں کی طرف سے گولی لگی، جس نے جوش میں آ کر اور حالات سے برانگیختہ ہو کر احکام کی خلاف ورزی کی اور تعاقب میں شامل ہو گیا۔

شام تک ہمیں کوئی اور ایسا شخص نظر نہیں آیا جس کا تعاقب کیا جاتا۔ تب ہم ٹھہر گئے اور جہاں پر تھے وہاں پر ہی کیمپ لگا دیا۔

کچھ گھنٹے پہلے ہمارا خیال تھا کہ اگر ہماری صحیح تعداد کا راز فاش ہو گیا تو شام تک ہم میں سے کوئی ایسا شخص زندہ نہیں بچے گا جو بعد میں ہماری کہانی سُنا سکے۔ مگر خوش قسمتی سے ہمارے راز کو بہت اچھی طرح سے پوشیدہ رکھا گیا تھا۔ اگرچہ ہم نے دشمن کے صرف سات آدمی مارے تھے مگر یہ واضح ہو چکا تھا کہ ہم ایک فیصلہ کُن فتح حاصل کر چکے ہیں۔ جُنید کا تمام لشکر منتشر ہو کر ہمت ہار چکا ہے اور اب اگر وہ جان بھی لے کہ ہم نے اُسے دھوکا دیا ہے تب بھی اپنے لشکر کو دوبارہ جمع کرنے میں اُسے کافی وقت لگے گا۔

جُنید ایک مشہور شخص تھا۔ اُسے بڑی طاقت حاصل تھی۔ نہ صرف اپنے قبیلہ یار محمد زئی پر، بلکہ علاقے کے تمام خانہ بدوش قبائل پر بھی اُس کا بڑا اثر تھا۔ ہندوستان اور فارس کی دونوں حکومتیں اُسے ایک بہت بڑی شخصیت سمجھتی تھیں۔

یہ شکست اُس کے لئے ایک ایسا تلخ گھونٹ ہوگی جسے وہ بمشکل حلق سے نیچے اُتار سکے گا۔ اگرچہ اسماعیل زئی اور لگشادزئی قبائل بھی اُسے اپنا سردار اعلیٰ خیال کرتے تھے اور اپنے سرداروں سے بھی زیادہ اُس کا حکم مانتے تھے لیکن اِس کے باوجود مختلف قبائل میں باہمی رقابتیں بھی تھیں۔ جُنید بخوبی جانتا تھا کہ جمعہ خان جو اگرچہ بظاہر اُس سے ہمدردی رکھتا ہے لیکن اُس کی شکست کا سُن کر بغلیں بجائے گا۔

ہم جانتے تھے کہ جُنید اپنی عزت اور وقار کو بچانے کے لئے یہ مشہور کر دے گا کہ اُس کا مقابلہ ایک بہت بڑی فوج سے ہوا تھا۔ اسی شام کو ایک شخص سے جسے گرفتار کر کے لایا گیا تھا معلوم ہوا کہ جُنید نے ابھی سے یہ مشہور کر دیا ہے کہ اِس لڑائی میں اُس کے سات سَو (۷۰۰) آدمی مارے گئے ہیں جن میں اُس کا چہیتا بیٹا بھی شامل ہے۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ بیٹے کی موت اِس نامور بوڑھے سردار کے لئے ایک کاری ضرب ثابت ہوئی۔ میں ہمیشہ افسوس کرتا رہا کہ وہ مجھے ہی اپنے بیٹے کو مار گرانے کا ذمہ دار سمجھتا تھا اگرچہ یہ ایک بالکل غلط خیال تھا۔

سات آدمیوں کو سَو سے ضرب دینا، ہمارے حق میں تشہیر کے لئے بُرا نہیں تھا لیکن میں چاہتا تھا کہ اُس سے بھی زیادہ ہوں۔

"سات سو" مَیں نے پلٹ کر جواب دیا۔ "یہ کیا بکواس ہے اگر تم سات ہزار کہتے تب کہیں جا کر صحیح تعداد کے قریب ہوتے۔"

اب بڑی بات یہ تھی کہ ہم کوہ تفتان کے نواح میں اپنی اِس تقریباً

خون بہائے بغیر فتح حاصل کرنے سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں اور جہاں تک ممکن ہو ان سپتھریلے قلعوں اور پہاڑیوں میں جن میں جنید اور اُس کے لشکری فرار ہو چکے ہیں، اُن کا تعاقب جاری رکھیں۔ اور اگر ہم اِس بُوڑھے بدمعاش کو قبل اِس کے کہ ہماری دھونس اور دھمکی کا راز فاش ہو، ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیں تب یہ ممکن ہوگا کہ دوسرے قبائل بھی یہ خیال کریں کہ وہ بازی ہار چکے ہیں اور اِس طرح ہمارے ساتھ صلح کی شرائط طے کرنے پر آمادہ ہوں اور ہم ایک طویل اور خوفناک مُہم سے بچ سکیں۔

الغرض، ہم نے دو دن کمال آباد تک جو اُس کی سرمائی قیام گاہ ہے اُس کا تعاقب جاری رکھا۔ کمال آباد میں تو ہم اُس تک پہنچ ہی گئے تھے مگر وہ ہم سے بچ کر نکل گیا۔ ہم ایک طرف سے داخل ہُوئے جبکہ وہ دوسری طرف سے نکل کر مور پشیں کے پہاڑوں کی طرف چلا گیا۔ اب ہمارے لئے اپنی اِس قلیل فوج کے ساتھ ان پہاڑوں میں اُس کا تعاقب جاری رکھنا ممکن نہ تھا۔ لیکن اگر ہم اُسے وہاں مور پشیں کے پہاڑوں میں چھوڑ دیتے تو وہ ہمارے لئے ایک ہمہ وقتی خطرہ بنا رہتا۔ اِس کا ہمیں خیال رکھنا تھا اور ہم یہ بھی جانتے تھے کہ جُوں ہی جنید کو یہ معلوم ہوگیا کہ اُسے بیوقوف بنایا گیا ہے وہ ایک دفعہ پھر اپنے آدمیوں کو جمع کرے گا۔ دوسرے قبائل کو اپنی مدد کے لئے طلب کرے گا اور ہماری اِس مختصر سی فوج کو روند ڈالے گا۔ وہ کوہ تفتان کے نواح میں بھی ایسا کر سکتا تھا بشرطیکہ اُسے ہماری حقیقت معلوم ہوتی۔ اب سوال وقت کا تھا کہ کب جنید کو اپنی غلطی کا احساس ہوگا اور وہ پھر ہمارے مقابلے پر آئیگا۔

مزید برآں، اسی وقت ایک ایسے غیر متوقع اور غیر معمولی واقعہ کی اطلاع ملی جو رباط کے مغرب میں پیش آیا تھا۔ معلوم ہُوا کہ انگریزی فوج کا ایک مختصر دستہ نصرت آباد سپی (اسے سیستان کا نصرت آباد نہ سمجھا جائے) کے نواح میں نقل و حرکت کر رہا تھا کہ اُس پر جمعہ خان کی سرکردگی میں اسماعیل زیوں کے ایک بہت بڑے لشکر نے حملہ کر دیا۔ انگریزی دستے کو نہ صرف آدمیوں کا بلکہ خچروں، رائفلوں اور سب سے اہم تر گولہ بارود کا کافی نقصان اُٹھانا پڑا۔ انگریز افسر نے جو دستے کی کمان کر رہا تھا قابلیت سے ان کا مقابلہ کیا اور اُن کے تباہ کُن حملے کا رُخ پھیر دیا لیکن اُس کا نقصان اِس قدر زیادہ ہُوا کہ اُس سے جمعہ خان کی ان پر مکمل فتح حاصل کرنے کی مبالغہ آمیز افواہ پھیل گئی۔

بلاشبہ اِس کا بدلہ لینا ہمارے لئے ضروری تھا۔ اور بدلہ بھی اسی وقت لیا جا سکتا تھا جبکہ جُنید کا لشکر جو اَب تک منتشر تھا اور ہمت ہار چکا تھا ہم اُس پر فوراً وار کرتے۔

لینڈون، سرحددار، عیدو اور مَیں نے فوری طور پر باہم مشورہ کیا۔ ہم نے کئی سکاؤٹوں کی رپورٹوں پر غور کیا جو ہمارے پاس آئی تھیں۔ ان سے ظاہر ہوتا تھا کہ جُنید کو بلاشبہ سخت صدمہ پہنچا ہے، اُس کے اعصاب کلیتاً شکستہ ہو چکے ہیں۔ وہ اپنے بیٹے سے بہت پیار کرتا تھا۔ اُس کی موت جُنید کے لئے ایک بڑا المیہ تھا۔ وہ شدت سے یہ باور کر چکا تھا کہ اُس کے پیروکاروں کی ایک بہت بڑی تعداد ماری گئی اور زخمی ہو چکی ہے۔ اُس کے اِس متکبرانہ وقار

کو بھی کہ اُسے ایک ناقابلِ شکست سردار مانا جاتا تھا، سخت دھچکا لگا ہے۔

اس وقت عیدو نے ایک بڑی اچھی تجویز پیش کی۔ اُسے یقین تھا کہ اس سے ہم جئیند کو اس کی موجودہ شکستہ حالت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے بہلا پھسلا کر ہتھیار ڈالنے پر آمادہ کر لیں گے۔ کمال آباد، جہاں پر ہم نے اس وقت کیمپ کیا ہوا تھا اور جو جئیند کی سرمائی قیام گاہ تھا، سرحد کے اُن مقامات میں سے ایک ہے جس کی بڑی اچھی آبپاشی ہوتی ہے اس لئے یہاں پر کاشت بھی خوب ہوتی ہے۔ کاریزوں کا ایک جال پھیلا ہوا ہے جس سے زمینیں خوب سیراب ہوتی ہیں۔ کاریزوں کے علاوہ مغرب کی طرف سے ایک چشمہ بھی اس وادی کو سیراب کرتا ہے۔ یہ چشمہ جو زمین سے اُبل کر پھوٹتا ہے گزّو کے پاس سے بہہ کر مور پیش اور سری ڈرگان کے مغربی ڈھلوانوں کے گرداگرد گھوم کر ریت میں غائب ہو جاتا ہے۔

یہ زرخیز وادی جو نصف سال تک زندگی سے بھرپور رہتی ہے موسمِ گرما میں اُجڑ جاتی ہے۔ اس کے پیچھے میدان سے مور پیش کے پہاڑ دس ہزار فٹ کی عمودی بلندی تک سر اٹھائے کھڑے ہیں۔ ان پہاڑوں کی دوسری طرف سری ڈرگان کا سلسلۂ کوہ ہے جو تقریباً مور پیش کے پہاڑوں جتنا بلند ہے اور پچھتّر (۷۵) میل تک اُن کے متوازی چلا جاتا ہے۔ سلسلۂ کوہ کے درمیان میں ایک دوسری وادی ہے جو جئیند کے موسمِ گرما کا بسیرا ہے۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جئیند کو اس کی اس پناہگاہ سے باہر نکالنا ہمارے لئے بالکل ناممکن تھا۔ بفرضِ محال اگر ہم اُسے مور پیش

کے پہاڑوں سے باہر نکال دینے میں کامیاب بھی ہوتے تو وہ فوراً بہری دُرگان کی طرف چلا جاتا جو اِس سے بھی زیادہ ایک دشوار گذار سلسلۂ کوہ ہے۔ اِس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم اپنے صدر مقام سے زیادہ دُور ہو جاتے اور اپنے لئے سامانِ رسد پہنچنے کی اُمیدوں کو قطع کرتے۔ لیکن اِس کے باوجود ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ ہمیں کچھ نہ کچھ ضرور کرنا چاہیئے اور جلد کرنا چاہیئے۔ اِس لئے عیدو کی تجویز وہ واحد تجویز تھی جس سے کامیابی کی کچھ اُمید ہو سکتی تھی۔

کمال آباد کی وادی میں جَو اور گندم کی فصلیں پُورے جوبن پر تھیں گو کہ اب تک سبز تھیں۔ یہی وہ فصلیں تھیں جن پر جیئند اور اس کے تمام یار محمد زئی قبیلہ کی روٹی کا اِنحصار تھا۔ گو کہ یہ اب تک پکی نہیں تھیں لیکن جب پک کر اِن کی کٹائی ہوتی تو وہ اِن سے اپنی خوراک کے لئے سال بھر کا ذخیرہ جمع کر سکتے تھے۔

عیدو کی تجویز بنیادی طور پر یہ تھی کہ ہم جیئند کو، اِس وقت جبکہ اُسے اب تک یقین ہے کہ ایک بڑی فوج اُس کا تعاقب کر رہی ہے ایک پیغام بھیج کر طلب کریں اور ساتھ ہی اسے خبردار کریں کہ اگر اُس نے فوری طور پر حکم کی تعمیل نہیں کی تو ہم اُس کی تمام فصلوں کو تباہ کر دیں گے۔ بہرحال یہ تجویز اس قابل تھی کہ اس پر عمل کرنے کی کوشش کی جاتی۔

چنانچہ ایک قابلِ اعتماد پیغام رسان کے ذریعے اُس سے کہا گیا کہ اگر وہ کل غروبِ آفتاب سے قبل، اپنے قبیلے کی طرف سے اپنی ذات

کو ہمارے حوالے کر دے تو اُس کی اور اُس کے پیروکاروں کی زندگیاں محفوظ ہوں گی اور اُن کی فصلوں کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا اور اگر اُس نے وقتِ مقررہ پر ہتھیار ڈال کر خود کو ہمارے حوالے نہیں کیا تو وہ چھ سو (۶۰۰) اونٹ جو اُس کے خلاف ایک بڑی فوج کے ہراول دستے کے ساتھ اِس وقت پہنچ گئے ہیں اُس کے کھیتوں میں کھلے بندوں چھوڑ دیئے جائیں گے اور پھر جیسا کہ وہ خوب جانتا ہے یہ چھ سو اونٹ بہت جلد اُس کی فصلوں کو ختم کر دیں گے۔

وہ گھڑیاں جو پیغام رساں کو بھیجنے اور جنید کے ہتھیار ڈالنے کے لئے مقررہ وقت کے درمیان گذریں ہمارے لئے بہت ہی اضطراب انگیز تھیں۔ ہم مضطرب تھے کہ آیا ہماری دھونس و دھمکی بدستور کامیاب رہے گی یا یہ حباب کی طرح اب پھٹ چکی ہے۔

اُس دن اُن تتر بتر شدہ افراد کی طرف سے، جو لرزتے اور کانپتے ہوئے کمال آباد میں آکر ہم سے ملتے رہے، ہمیں اطلاع ملی کہ جنید کے قبیلے کے مرد اور عورتیں بہت پریشان ہیں - جنید اور اُس کے لڑاکے افراد کے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے کے بعد جو کمزور افراد پیچھے رہ گئے ہیں وہ خوف کے مارے ہر قسم کے پوشیدہ مقامات پر جا کر چھپ گئے ہیں جہاں پر اُن کو نہ روٹی میسر ہے، نہ پانی - مَیں نے فوری حکم دیا کہ ہمارے آدمی اُن کے پاس جا کر اُن کو ہر طرح کی اِمداد و اعانت کا یقین دلائیں اور اُن کو خوراک اور پانی بہم پہنچا دیں اور جہاں تک ممکن ہو اُن کو جھگیوں میں رہنے دیا جائے۔

دن گذرتا گیا اور وقتِ مقرّرہ تیزی سے قریب آتا گیا۔ چار اور پانچ بجے شام کے درمیان ہم نے دیکھا کہ لوگوں کا ایک گروہ سفید جھنڈا اُٹھائے مورپیش کے پہاڑوں سے نکل کر ہماری طرف آ رہا ہے۔

جب یہ لوگ ہمارے پاس پہنچے تو اُنہوں نے اعلان کر دیا کہ وہ جُنید خان کے فرستادہ ہیں جو ہتھیار ڈالنے کو چلا آ رہا ہے۔ اُس نے انگریزوں کی کثیر التعداد فوج کے سامنے جس نے اُس پر حملہ کیا تھا اپنی شکست تسلیم کر لی ہے۔ وہ اب سمجھ گیا ہے کہ اب اِس فوج کے خلاف لڑائی جاری رکھنا بے سُود ہے۔ اپنے بیٹے کی موت سے اُس کا دِل ٹُوٹ چکا ہے۔ وہ اپنے لوگوں کی اِن فصلوں کو بچانا ضروری سمجھتا ہے ورنہ وہ سب بھُوکوں مر جائیں گے۔ اِس لئے اب اگر جرنیل صاحب اپنی شرافت پر قسم کھا کر ان کو یہ یقین دلا دیں کہ اُس کی اور اُس کے آدمیوں کی زندگیاں محفوظ ہوں گی اور اُن کی فصلوں کو تباہ نہیں کیا جائے گا تب وہ ہتھیار ڈال دے گا۔

پانچواں باب

پانچ بجے شام کو ایک اونٹ پر سوار جُنید اپنے چند خدمتگاروں کے ساتھ آپہنچا۔ مَیں اُس کے استقبال کو گیا اور اُس کے ساتھ عزّت و احترام سے پیش آیا جس کا وہ اپنی حیثیت کے مطابق مستحق تھا۔ اُس نے اونٹ سے اُتر کر مجھے سلام کیا۔ وہ ایک عمدہ مگر قابلِ رحم شخص تھا۔ وہ بلند قامت اور سادہ منش تھا مگر عمر کے بوجھ اور تازہ واقعات کے دباؤ نے اُس کے کندھوں کو جُھکا دینا شروع کیا ہُوا تھا۔ اُس کی گھنی ڈاڑھی سفید ہو چکی تھی مگر اُس کی آنکھیں گو کہ اب تک جذبات اور غصّے سے چمک رہی تھیں لیکن فی الوقت غم اور تذلیل کے اثر سے اُن کی چمک کچھ مدّھم پڑ گئی تھی۔

مَیں نے اُس کے جوان بیٹے کی موت پر بر وقت تعزیت کا اظہار کیا اور کہا "مَیں نے سُنا ہے کہ آپ نے یہ باور کر لیا ہے کہ آپ کے بیٹے کی موت کا مَیں ذاتی طور پر ذمّہ دار ہُوں"۔ مَیں نے اُسے یقین دلایا کہ ایسا نہیں ہے اور یہ کہ مجھے سخت افسوس ہے کہ ایک ایسے بہادر باپ کو ایک ایسے بہادر بیٹے کی موت کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ پھر مَیں نے اُسے زمین پر ایک ایسی اُبھری ہُوئی جگہ پر بیٹھنے کی دعوت دی جس پر کچھ

جھاڑیوں کا سایہ پڑ رہا تھا۔ چونکہ ہمارے پاس نشستیں نہیں تھیں اس لئے ہم بھی اُس کے پاس زمین پر بیٹھ گئے۔

مَیں نے جُنید کو جتلا دیا کہ اُس نے اور اُس کے قبیلے نے برطانوی راج کے ساتھ اپنی روایتی دوستی کو توڑ کر اور بیوفائی کر کے بڑی حماقت کی ہے۔ مَیں نے اُس سے یہ بھی کہا کہ مَیں بخوبی جانتا ہُوں کہ تم لوگ جرمنوں کے جھوٹے پروپیگنڈے سے دھوکا کھا گئے ہو۔ جرمنوں نے تم کو یقین دلایا ہے کہ برطانیہ کی طاقت ٹوٹ رہی ہے اور تم کو یہ مشورہ دیا ہے کہ انگریزوں کے سلسلہ ہائے رسل و رسائل کو منقطع کر دو اور قبل اِس کے کہ جرمن افواج ہندوستان میں داخل ہوں انگریزوں کے سامانِ رسد اور دیگر اشیأ پر قبضہ کر لو کیونکہ جب جرمن آ گئے تو تمہارے لئے کچھ نہیں بچے گا۔ مَیں نے جُنید سے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہُوا کہ اُس جیسا ایک ہوشیار شخص اُن کے دھوکے میں آ گیا۔ اگر وہ غور کرتا تو اُسے معلوم ہو جاتا کہ برطانوی طاقت جو بہت ہی مضبوط اور مستحکم ہے کس طرح جرمن جیسی ایک ذلیل نسل سے شکست کھا سکتی ہے۔ اُس کو اِس امر کا بھی احساس ہونا چاہئیے تھا کہ اپنے پُرانے انگریز دوستوں کے ساتھ بے وفائی کرنے اور اُن کے خلاف لڑنے سے وہ صرف اپنی تباہی اور بربادی کو دعوت دے رہا ہے۔

مَیں نے اُس سے پوچھا کہ آیا اُس نے اپنی آنکھوں سے کوئی جرمن ہوائی جہاز دیکھا ہے جن کے متعلق وہ ڈینگیں مارتے رہتے ہیں کہ ہر جگہ ان کے ہوائی جہاز اُڑتے اور دشمن کی زمینوں، شہروں اور گلوں کو تباہ کر ڈالتے ہیں۔

جنیڈ نے مان لیا کہ اُس نے کوئی جرمن ہوائی جہاز نہیں دیکھا۔

مَیں نے اُس سے پوچھا کہ پھر یہ کیسے ممکن ہُوا کہ اُس نے جرمنوں کی طاقت اور توانائی پر بالکل یقین کر لیا جبکہ آج اُن میں سے ایک بھی اِس علاقے میں ایسا نظر نہیں آتا جو اِس مصیبت کے وقت میں اُس کی مدد کو آئے۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یا تو بزدل ہیں اور یہاں سے بھاگ گئے ہیں اور یا پھر اُنہوں نے اُس کے ساتھ جھوٹ بولا ہے۔ جرمن افواج کبھی اِس قدر طاقتور نہیں ہُوئی ہیں کہ فاتحانہ یلغار کر کے انگریزی راج کو تباہ کر سکیں۔

جنیڈ نے میرے دلائل کے وزن کو مان لیا اور کہا کہ اُسے اور تمام سرحدیوں کو کُلیتاً دھوکا دیا گیا ہے۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ اُس کی ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ اپنے آدمیوں کو انگریزوں کے سلسلہ ہائے رسل و رسائل میں مداخلت کرنے سے باز رکھے اور ان کو خبردار کرتا رہا ہے کہ اُن کی حرکتیں نہ تو خطرے سے خالی ہیں اور نہ ہی دانشمندانہ ہیں۔ بہرحال وہ مجھ سے یہ توقع نہیں رکھتا کہ مَیں اُس کی معذرت کو من وعن قبول کر لوں گا، جبکہ مجھے یہ معلوم تھا کہ اُس کے پَیروکار اُس سے اِس قدر خوف زدہ رہتے ہیں کہ ان میں سے کسی کو یہ جرأت نہیں ہوتی کہ اُس کی بات ماننے سے اِنکار کرے۔

مَیں نے اُس سے مطالبہ کیا کہ گورنمنٹ کے اُن تمام اُونٹوں، سامانِ رسد کے ذخائر اور میرے اپنے اس سارے ساز و سامان کو جو وہ فوشکی اور رباط کے درمیان لُوٹ کر لے گئے ہیں واپس پہنچا دیں۔ اُس نے مجھے

یقین دلایا کہ سب کچھ واپس کر دیا جائے گا۔

اِس دوران جبکہ ہم گفت و شنید میں مصروف تھے میں نے دیکھ لیا کہ اُس کی نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں اور بالآخر وہ اپنے استعجاب کو زیادہ دیر تک نہ چھپا سکا اور مجھ سے پوچھ ہی لیا کہ وہ کثیر سپاہ کہاں ہے جس نے اُس کے لشکر کو شکست دی تھی۔

مَیں نے جواب دیا کہ "یہ ضروری نہیں کہ مَیں اپنی تمام سپاہ کو کمال آباد لے آتا۔ مَیں یہاں صرف اپنے ہراول دستے کے ساتھ آیا ہُوں تاکہ تم کو گرفتار کر لوں۔ ہم نے اب تک خواش پر بھی قبضہ کرنا ہے۔"

بقایا اُس کے تصوّر پر چھوڑ دیا گیا۔ پھر مَیں نے اُس سے قول دینے کا مطالبہ کیا جو اُس نے بروقت دے دیا اور سنجیدگی سے قرآن پر حلف اٹھا کر کہا کہ آئندہ نہ وہ اور نہ ہی اُس کے قبیلے کا کوئی شخص برطانوی راج کے خلاف کوئی حرکت کرے گا۔

ہم نے نہ تو اُسے اور نہ ہی اُس کے مُٹھّی بھر آدمیوں کو جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا غیر مسلّح کیا، کیونکہ ہم اپنے دھونس و دھمکی کے کھیل کو جاری رکھنا چاہتے تھے اور ہم اُس پر یہ بھی ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ ہم اُس سے ذرّہ بھر بھی خائف نہیں ہیں۔ مَیں نے اُسے یہ کہہ کر رُخصت کر دیا کہ مَیں جہاں بھی جاؤں گا وہ ایک نظربند کی حیثیت سے میرے ساتھ رہے گا۔

زاں لبعد لینڈ ون، سرحددار، عیدو اور مَیں نے باہم مشورہ کیا کہ وہ کونسا بہتر طریقہ ہوگا کہ ہم خواش اور اُس کے قلعے پر جو یار محمد زئی قبیلے

کی خاص اور محکم جائے پناہ تھا قبضہ کرسکیں۔ بالآخر ہم نے فیصلہ کرلیا کہ لینڈوں کے سکاؤٹوں میں سے دو کو براہِ راست خواشش روانہ کردیں۔ خواش یہاں سے ۱۹ میل کے فاصلے پر تھا۔ یہ دونوں آدمی خواشش جاکر محمد حسن کو ہمارا یہ پیغام پہنچادیں کہ جُنید ہماری قید میں ہے اور اُس نے خود یہ تسلیم کرلیا ہے کہ ہمارے خلاف کُھلی لڑائی میں اُس کے سات سو آدمی مارے گئے ہیں، اگرچہ اُن کی یہ تعداد ہمارے اندازے سے بہت کم ہے۔ شاہسوار بھی ہماری قید میں ہے۔ اِس لئے مَیں (جرنیل) تم (محمد حسن) کو ہدایت کرتا ہُوں کہ کل ۱۲ بجے دوپہر سے قبل خواشش کا قلعہ ہمارے حوالے کردو، ورنہ مَیں اُسے خبردار کرتا ہُوں کہ اُس کے تمام علاقے کو مَیں اُڑادوں گا اور ازاں بعد میری افواج جو کارروائی کریں گی اُس کا ذمّہ دار مَیں نہیں ہُوں گا۔

عیدو کی آنکھیں چمک اُٹھیں کہ "فرض کیجئے جرنیل صاحب! محمد حسن اِنکار کرتا ہے۔ مَیں پوچھ سکتا ہُوں کہ آپ خواشش کو آسمان کی طرف یا کہیں اَور اُڑادینے کی کیا تجویز کریں گے؟"

مَیں نے ایک شان سے جواب دیا۔ "بے شک مَیں اُسے اپنے توپخانہ کے ذریعے آسمان کی طرف اُڑادوں گا۔"

عیدو کھلکھلاکر ہنس پڑا اور کہاکہ "مَیں نے آپ کی ہوائی توپوں کو چلتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔ اگر ہماری دھونس دھمکی کارگر نہ ہُوئی تو اِن سے کچھ نہیں ہوگا۔ خواشش کے قلعے کی دیواروں کی مضبوطی دیکھ کر آپ کو ناپسندیدہ تعجب ہوگا۔"

دوسرے دن ہم اپنی پوری طاقت کے ساتھ جو دو پہاڑی توپوں، دو مشین گنوں، رسالے کے سترہ سواروں، پلٹن کے نو (۹) تربیت یافتہ اور پینسٹھ (۶۵) غیر تربیت یافتہ سپاہیوں اور مٹھی بھر چاغی لیویز والوں پر مشتمل تھی چھاپہ یاروں کے قلعے پر دھاوا بول دینے کو روانہ ہوئے۔ گیارہ بجے دن کے قریب جبکہ ہم تین میل کے فاصلے پر تھے قلعے کا پورا منظر ہمیں نظر آیا۔ بلاشبہ اِس فاصلے سے بھی میں دیکھ سکتا تھا کہ قلعے سے متعلق عیدو کی لنترانیاں بے بنیاد نہ تھیں اور اگر محمد حسن نے لڑنے کا فیصلہ کیا تو ہم دھاوا بول کر اُس پر قبضہ نہیں کر سکیں گے۔ ساتھ ہی اِس افواہ سے ہماری بے چینیاں اور زیادہ بڑھ گئیں کہ خلیل خان اپنے تمام گمشادزئیوں کے ساتھ جیند کی اِمداد کو آ رہا ہے۔ اُسے اب تک جیند کے ہتھیار ڈالنے کا علم نہیں تھا۔

ہماری منزلِ مقصود، خواش، چھ میل چوڑی ایک سطح مرتفع پر واقع تھا جسے پہاڑوں کے دو سلسلوں نے ہر طرف سے گھیرا ہوا تھا۔ اِن پہاڑوں کی بلندی چھ ہزار فٹ تک تھی اور جو ایک دوسرے کے متوازی قلعہ کے شمال مشرقی اور جنوب مغربی سمت میں پھیلے ہوئے تھے۔ خود قلعہ بھی سطح سمندر سے چار ہزار پانچ سو فٹ بلند تھا۔ اِس سطح مرتفع میں کسی وقت گنجان آبادی تھی۔ جنگلات کی کثرت تھی اور کاشتکاری بھی خوب ہوتی تھی۔ تقریباً تہتر (۷۳) کاریزیں اِس میں بہتی تھیں جو اِس زیرِ زمین ندی سے جو کوہِ تفتان کے جنوبی ڈھلوانوں سے بہتی ہے پانی حاصل کرتی تھیں۔

ہم سولہ میل سفر کر کے تھک چکے تھے اس لئے تھوڑی دیر دم لینے

اور یہ سوچنے کے لئے کہ آیا محمد حسن معینہ وقت کے اندر ہتھیار ڈال دے گا، یا نہیں، ٹھہر گئے۔ ہم کو زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ہم ابھی تک بمشکل ٹھہرے ہی تھے کہ ہمیں ایک پیغام رساں نظر آیا جو ایک سفید جھنڈا اُٹھائے پیدل ہماری طرف آ رہا تھا۔

ہمارے پاس پہنچ کر اُس نے سلام کیا اور کہا کہ وہ محمد حسن کا ایک پیغام لایا ہے۔ محمد حسن درخواست کرتا ہے کہ آپ خواسش کو آسمان کی طرف نہ اُڑا دیں۔ وہ جنید کے یار محمد زیئوں کی شکست کی خبر سُن چکا ہے۔ ان حالات میں وہ آپ کی پیش قدمی کو روکنے کی کوشش کو حماقت سمجھتا ہے۔ مزید یہ کہ وہ خود ہتھیار ڈالنے اور قلعے کو آپ کے حوالے کر دینے کو آ رہا ہے۔

دھونس و دھمکی ایک دفعہ پھر کامیاب ہُوئی۔ واقعی چند منٹوں کے بعد محمد حسن جو ایک ذلیل حیوان سا لگتا تھا پہنچ گیا اور رسمی طور پہ ہتھیار ڈال دیئے۔

جبکہ ہم ایک خاص انداز سے قلعے میں داخل ہونے کو آگے بڑھے تو قلعہ کے محافظ یار محمد زئی قلعہ سے باہر نکل کر خواسش کی اُس مقامی آبادی میں جا کر مل گئے جو کئی پشتوں سے قلعہ کے گرد و نواح میں رہتی چلی آ رہی ہے۔ یہ پُرامن لوگ ہیں جو ان زمینوں پر کاشت کرتے ہیں۔ ان کو اس لئے یہاں رہنے دیا گیا ہے کہ یہ لوگ جنید اور اُس کے لڑاکوں کے لئے مفید خدمتگاروں کا کام دیتے ہیں اُن پر جنید کی یہ مہربانی ہوتی ہے کہ ان کے مردوں اور عورتوں کو اُن فصلوں کی جو وہ پیدا کرتے ہیں، پیداوار کا ایک خاص حصّہ دیا جاتا ہے۔ باقی تمام جنید کو ملتا ہے۔ یہ لوگ جو خواسشی کہلاتے ہیں چھاپہ ماروں کے مقابلے میں ادنیٰ ترین انسان شمار

ہوتے ہیں۔ وہ صرف امن وچین سے زندہ رہنے کے متمنّی رہتے ہیں۔

ہم نے قلعے کا بغور معائنہ کیا۔ اس کا رقبہ تقریباً ستّر گز مربع نکلا۔ اس میں دو دروازے تھے، ایک شمال مغرب کی طرف اور دوسرا جنوب مشرق کی طرف۔ بیرونی دیوار تقریباً تیس فٹ بلند تھی جس کے چاروں کونوں میں مینار تھے جن میں سے تین مینار تقریباً ۳۵، ۲۵ فٹ بلند تھے جبکہ چوتھا مینار پورا پچاس فٹ بلند تھا۔ یہی وہ مینار تھا جسے قلعے کے محافظین سنبھال کر بیٹھے تھے۔

اُن تہتّر (۷۳) کاریزوں میں سے جو بنیادی طور پر قلعہ اور اُس کے گرد و نواح میں موجود تھیں ہم کو صرف دو نظر آئیں۔ ان میں سے ایک خاص طور پر اچھی تھی۔ اس کا پانی سطح زمین سے اُوپر آکر، جنوب مشرقی دیوار سے باہر ایک انتہائی صاف و شفّاف چشمے کی صورت میں بہتا تھا۔ یہ چشمہ سرحد کے اُن دوسرے تمام چشموں سے جو عموماً نیم گرم اور نمکین ہوتے ہیں زیادہ فرحت بخش ہے۔

یہاں پر گرد و نواح کی جس خصوصیت نے مجھے بہت زیادہ متوجہ کیا وہ گوبریلوں کی وہاں پر کثرت تعداد تھی۔ وہ ہر جگہ بکثرت دیکھے جاتے تھے۔ مَیں نے اپنی زندگی میں کبھی اتنے گوبریلے نہیں دیکھے تھے۔ وہ اس قسم کے تھے جن کو گوبر کا بھنورا کہا جاتا ہے۔ یہ قسم گھروں میں پائے جانیوالے عام بھنوروں سے قدرے مختلف ہوتی ہے۔ یہ نسبتاً بڑے، گول اور بالکل سیاہ ہوتے ہیں اور اُڑ بھی سکتے ہیں جس سے اُن کی کراہت میں

مزید اضافہ ہوتا ہے۔ جب بھی موقع آتا ہے یہ ہر طرف سے اُڑ کر پہنچ جاتے ہیں اور فوری اور مؤثر طور پر کوڑا کرکٹ اُٹھانے کے کام لگ جاتے ہیں گو کہ یہ ایک ناخوشگوار کام ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ اِس علاقے کو جہاں حفظانِ صحت کا نام و نشان نہیں، صاف ستھرا اور صحت بخش رکھنے کے لیے قدرت کا یہ ایک خاص اہتمام ہے۔

خواش کے اردگرد منتشر صورت میں کچھ درخت بھی نظر آتے ہیں جو اِن بے کراں ریتیلے ویرانوں اور خشک پہاڑوں کے ڈھلوان کے مناظر دیکھتے دیکھتے اُکتا جانے کے بعد آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں۔

خواش کے قرب و جوار کا علاقہ خوب کاشت کیا ہوا تھا۔ اِس کے علاوہ مجھے یہ دیکھ کر تسلی ہوئی کہ کچھ پہاڑی ڈھلوانیں ایک قسم کی لمبی لمبی گھاس سے ڈھکی ہوئی ہیں جو گھوڑوں کے لئے بیش قیمت چارے کا کام دیتی ہے۔

اُسی دن ہمیں ایک اور خوشخبری بھی مِلی۔ گمشادزیوں کے بڑے سردار خلیل خان کو اب حال ہی میں جُنید کے ہتھیار ڈالنے کی خبر ملی ہے۔ اُسے جُنید کی شکست کے تفصیلی حالات اور اُس کے سات سو آدمیوں کے مارے جانے کی بھی اطلاع مل چکی ہے۔ مزید برآں یہ کہ خلیل خان خود بھی اپنی سابقہ حرکتوں پر ندامت کا اظہار کرنے اور ہتھیار ڈالنے کو ہمارے پاس آرہا ہے۔

یہ اِطلاع پاکر لینڈون اور مَیں نے پہلے ایک دوسرے کو دیکھا اور

پھر کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ ہم نے اب یہ محسوس کر لیا کہ تفتان کی لڑائی بلاشبہ ایک فیصلہ کُن فتح پر مُنتج ہوئی ہے۔

اُسی شام کو خلیل خان اپنے تقریباً پچاس آدمیوں کے ساتھ پہنچ گیا اور رسمی طور پر ہتھیار ڈال کر خود کو ہمارے حوالے کر دیا۔ میں اس چھاپہ مار سردار کی شخصیت سے بہت متاثر ہُوا۔ وہ اگرچہ طویل القامت نہیں تھا لیکن ایک بہت عمدہ اور متناسب ڈیل ڈول کا مالک تھا۔ بہت ہوشیار، خوبصورت بُشرہ اور غیر معمولی طور پر تیز نگاہیں رکھنے والا شخص تھا۔ وہ بلاشُبہ ویسا ہی تھا جیسا کہ مشہور تھا یعنی سرحد کے جنگجو قائدین میں سے ایک بہترین قائد!

خلیل خان اور اُس کے آدمی ماؤزر رائفلوں سے مُسلّح اور وافر گولہ بارود رکھتے تھے۔ خلیل خان اپنی محبوبہ سے شادی کر چکا تھا اور اس کے لیے فکر مند تھا۔ لیکن جب اُسے معلوم ہُوا کہ جرنیل صاحب اُس کو بھی وہی شرائط پیش کر دیں گے جو جئیند کو پیش کی جا چکی ہیں اور اُسے بھی اپنی رائفلیں رکھنے کی اجازت ہو گی، تب خوشی اس کے چہرے سے پھُوٹ پڑی۔

یہ جرمن رائفلیں یا تو جرمنوں نے براہ راست فارس میں سے گذار کر ان تک پہنچائی تھیں یا پھر جنگ عظیم (اوّل) سے قبل خلیج فارس سے ہتھیاروں کی چوری چھپے خرید و فروخت کے سلسلے کا نتیجہ تھیں۔ اُن دنوں سرحد میں ایک ماؤزر رائفل کی قیمت تقریباً گیارہ سو روپے تھی لیکن

یہ سُن کر مجھے خوشی ہوئی کہ انگریزی لی این فیلڈ (Lee-Enfield) کی قیمت بارہ سو روپے تھی۔ کارخانہ میں اِن رائفلوں کی ساخت پر میری دانست میں اصل خرچ دس پاؤنڈ یا ساٹھ سے سو روپے تک پڑتا ہے۔ اِس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ چھاپہ مار اپنے ہتھیاروں کے لئے کتنی بڑی قیمت دینے کو تیار رہتے ہیں۔

خلیل خان خصوصیت کے ساتھ یہ معلوم کرنے کے لئے بے تاب تھا کہ ہم نے جُنید کو شکست دینے کا انتظام کیسے کیا۔ بلاشبہ وہ اِس تجسّس میں بھی تھا کہ ہماری وہ کثیر التعداد انگریزی فوج کہاں ہے۔ مگر وہ ہم سے جُنید سے زیادہ معلومات حاصل نہیں کر سکا۔

میرا اپنا ذاتی خیال ہے کہ خلیل خان جُنید سے نفرت کرتا تھا کہ اُس نے کیوں ہتھیار ڈال دیئے۔ اُسے خود لڑائی کا شوق تھا جیسا کہ بعد میں ظاہر ہُوا اور اُس کو لڑائی کی ایک بڑی قیمت ادا کرنا پڑی لیکن یہ بھی معلوم ہُوا کہ وہ نہ صرف ایک عمدہ جنگباز تھا بلکہ خوف کے معنوں سے بھی واقف نہ تھا۔

خلیل خان کے ہتھیار ڈالنے کا واحد سبب جو مَیں سمجھ سکا ہُوں وہ یہ تھا کہ جب اُسے یہ حقیقت معلوم ہُوئی کہ جُنید ہمارے پاس قید میں ہے تو وہ اِس سے گھبرا گیا۔ اگرچہ ایک دو دن قبل وہ ہم سے لڑنے کو بالکل تیار تھا۔ اب اُس نے خیال کیا کہ اگر اُس نے اِن حالات میں ہم پر حملہ کر دیا تو اُس بوڑھے معزور سردار (جُنید) کو نقصان پہنچے گا۔ اِس لئے اُس نے بہتر خیال کیا کہ فی الوقت وہ ہماری اطاعت قبول کرے۔

مگر عیدو مجھے اُس وقت بھی اور بعد ازاں بھی بارہا خبردار کرتا رہا کہ جُنید اور خلیل خان آپ سے لڑے بغیر کبھی چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ لہٰذا آپ کو ایک بہت بڑی فوج موقع ملتے ہی حاصل کرنی چاہیئے کیونکہ اُن کو جب فی الواقع یہ معلوم ہو جائے گا کہ اِس وقت آپ کے پاس عملاً کوئی فوج نہیں ہے تو وہ پلٹ کر آپ پر حملہ کر دیں گے۔ اُن کے قول اور قسم پر اگرچہ وہ قرآن پر ہی کیوں نہ ہو کبھی بھروسہ مت کرو۔

اُسی شام کو مجھے ایک بڑے چھاپے کی اطلاع ملی جو یار محمد زئی قبیلے کے ایک طائفے کی طرف سے عزت نامی ایک قائد کی سرکردگی میں حال ہی میں فارس کے علاقے میں مارا گیا تھا۔ اِس چھاپے کے نتیجے میں عزت سینکڑوں فارسی عورتوں اور بچوں کو اُن کے گھروں سے گھسیٹ لایا تھا تاکہ یہاں سرحد میں غلاموں کی طرح اُن کی خرید و فروخت کی جائے۔

اِن فارسی قیدیوں پر جو مصیبتیں گذریں اور جن شرمناک حالات میں اُن کو رکھ کر اُن کی بے عزتی کی جاتی رہی اور اُن تکالیف کا جو اپنے نسبتاً آرام دہ گھروں کے مقابلے میں اُن کو اِن خانہ بدوش چھاپہ ماروں کے ساتھ رہنے میں پیش آتی رہیں بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

سرحد دار جو ایک اچھا تعلیم یافتہ اور حساس شخص ہونے کے علاوہ ایک بہادر جنگباز بھی ہے اُس کے سامنے جب اِن بدقسمت عورتوں اور بچوں کے مصائب و آلام کی تصویر کھینچی گئی تو وہ اِس قدر متاثر ہُوا کہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور ایک بچے کی طرح سسکیاں بھرتے ہُوئے مجھ سے گذارش

کرنے لگا کہ باقی تمام کام چھوڑ کر پہلے اِن فارسی بندیوں کو اُن کے گھروں کو واپس بھجوانے کا بندوبست کروں۔

گو کہ میری اپنی خواہش بھی شدّت کے ساتھ اس کے مطابق تھی مگر میں جانتا تھا کہ اس وقت ایسا کرنا ہمارے لئے ناممکن ہے۔ مجھے ابھی بہت اور زیادہ اہم کام کرنے تھے۔ ہماری اپنی حالت بھی کسی لمحے خطرناک ہو سکتی تھی۔ اگرچہ جنید اور خلیل خان اپنے مٹّھی بھر آدمیوں کے ساتھ ہماری قید میں تھے مگر اُن کے قبائل آزاد تھے اور یہ شک پڑتے ہی کہ اُن کے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے شہد کی مکھیوں کے جھنڈ کی طرح وہ ہم پر ٹوٹ پڑیں گے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اسماعیل زیئوں کا سردار جمعہ خان اب تک آزاد تھا۔ وہ آسانی سے یہ معلوم کر سکتا تھا کہ ہمارے پاس دراصل کوئی فوج نہیں ہے لہٰذا وہ کسی بھی لمحے اپنے آدمیوں کو ہمارے خلاف لا سکتا تھا۔

چنانچہ یہ امر واضح تھا کہ مجھے پہلے جمعہ خان سے نپٹنا ہوگا۔ کسی فارسی عورت کو بچانے کی جرأت مندانہ کوشش بعد کی بات تھی۔ اگرچہ اس وقت بھی میں اُن کے خیال اور اُن کی خستہ حالت کے تصوّر سے کبھی غافل نہیں تھا اور میرا یہ مصمّم ارادہ تھا کہ موقع ملتے ہی اُن کو چھڑا کر اُن کے گھروں کو واپس بھجوا دینے کا انتظام ضرور کروں گا لیکن اس وقت ایسا کرنا ممکن نہ تھا۔

دوسرے دن میں نے ایک دربار لگانے کا فیصلہ کیا اور حکم دیا کہ تمام سرحدی سردار حاضر ہوں اور اپنے ساتھ اپنے آدمیوں میں سے جتنے بھی وہ لانا چاہیں، لے آئیں۔

دربار ندی کے کنارے، قلعے سے باہر ایک درخت کے سائے میں منعقد ہُوا۔ ہم سب زمین پر بیٹھ گئے۔ مَیں نے اُسی طرح دربار کا افتتاح کیا جیسا کہ میرا خیال تھا کہ ایک کمشنر ہندوستان میں کیا کرتا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ مَیں اِن درباروں سے متعلق بہت ہی کم جانتا تھا۔

مَیں نے سرحدی سرداروں جُنید، خلیل خان، شاہسوار اور محمد حسن سے واضح طور پر کہہ دیا کہ سرکارِ برطانیہ کی نمائندگی صرف یہ فوج نہیں کرتی جسے وہ خواش میں دیکھ رہے ہیں۔ ان کو یہ معلوم کرنے میں یقیناً دلچسپی ہوگی کہ دُنیا کی چالیس لاکھ بہترین فوج، سرکارِ برطانیہ کے جھنڈے کے نیچے دنیا کے مختلف حصّوں میں میدانِ جنگ میں لڑ رہی ہے اور جس طرح کہ رات کے بعد دن کا آنا یقینی ہے اسی طرح جرمنی کا شکست کھانا بھی ایک یقینی امر ہے کیونکہ سچائی اور طاقت ہمارے ساتھ ہے۔

مَیں نے اجتماعی طور پر بھی اُن سے بالوضاحت وہی باتیں کہیں جو انفرادی طور پر مَیں نے جُنید سے کہی تھیں۔ یعنی یہ کہ اُنہوں نے جرمنوں کے اِس جھوٹے پروپیگنڈے پر کہ جرمنی جنگ جیت رہا ہے اور یہ کہ جرمن مسلمان ہو گئے ہیں، اعتبار کر کے دھوکا کھایا ہے۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ جرمن مسلمان نہیں ہُوئے بلکہ اُن کے اپنے مسلمان تُرک بھائی جرمن ہو چکے ہیں جو اپنے نئے جرمن آقاؤں کا حکم مانتے، شراب پیتے اور کئی دوسرے ایسے کام کرتے ہیں جو قرآنی تعلیمات کے قطعاً خلاف ہیں۔

مَیں نے اُن سے کہا کہ عیسائی کبھی مُسلمان نہیں ہوتے اگرچہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے وہ آسانی سے ایسا کر سکتے ہیں۔ مَیں نے اُن سے یہ بھی کہا کہ مَیں اُن کو ہر ایک ایسے جرمن کے لئے ایک لاکھ روپیہ دُوں گا جسے وہ لا کر مجھے دکھا دیں کہ وہ پیغمبرِ اسلام کا پیروکار ہو چکا ہے۔ مَیں نے اُن کو مشورہ دیا کہ ان معاملات میں رہنمائی کے لئے وہ شریفِ مکہ[1] کی طرف دیکھیں جو اُن کا رُوحانی پیشوا ہے اور جو کلیتاً انگریزوں کا طرفدار ہے۔

مَیں نے اُنہیں ہدایت کی کہ وہ آئندہ بیوقوف نہ بنیں۔ مَیں ایک دوست کی حیثیت سے سرحد میں اُن کے پاس آیا ہُوں اور اگرچہ وہ میرے خلاف لڑتے بھی ہیں مگر اِس کے باوجود مَیں گذشتہ را صلوٰۃ آئندہ را احتیاط کے مصداق پھر بھی اُن کا دوست رہوں گا۔ مَیں نے یہ بھی اُن کو بتا دیا کہ اُن کے تمام تر مفادات سرکارِ برطانیہ کے ساتھ دوستی قائم رکھنے سے وابستہ ہیں اور اگر انہوں نے ہماری مخالفت کی اور اپنے دیوانہ پن پر بضد رہے تو وہ اپنا وطن ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کھو دیں گے۔

مَیں نے اُن سے پوچھا کہ اُن کے نئے جرمن دوستوں نے ہمارے خلاف کیوں اُن کی مدد نہیں کی۔ اگر وہ کچھ اور نہیں کر سکتے تھے تو کم از کم اُن

---

[1] مکہ معظمہ کے والی شریف حسین نے جنگِ عظیم اوّل میں ترکوں کے خلاف انگریزوں کا ساتھ دیا اور ترکوں کو عربستان سے نکالنے میں کرنل لارنس اور انگریزی افواج کی مدد کی۔ (مترجم)

کو مشورہ تو دے سکتے تھے۔ اور اگر جیسا کہ اُن کا خیال ہے کہ اُن کے جرمن دوست برطانوی راج کو فاتحانہ شان سے ملیامیٹ کر رہے ہیں تو اب وہ کیوں ان کے ساتھ نہیں ہیں۔

بالآخر جنید، خلیل خان، شاہسوار، محمد حسن اور دوسرے سب نے جو کچھ ہو چکا تھا اُس پر سخت افسوس کا اظہار کیا اور وعدہ کیا کہ حکومتِ برطانیہ کے ساتھ وہ اپنی سابقہ وفاداری کو پھر بحال کر دیں گے اور یہ کہ مجھ سے مزید لڑنے کی بجائے وہ سرحد میں امن بحال کرنے میں میری مدد کریں گے۔ اِس کے علاوہ اُنہوں نے جمعہ خان اور اُس کے اسماعیل زیئوں سے نپٹ لینے کا بھی وعدہ کیا۔

مَیں نے پھر اُن کے سامنے آئندہ کے لئے اپنے فوری منصوبوں کی بھی وضاحت کی۔ مَیں نے اُن سے اپنے اِس ارادے کا بھی ذکر کیا کہ خواشس کو اُن کی طرف سے ضمانت نیک چلنی کے طور پر اُس وقت تک مَیں اپنے قبضے میں رکھوں گا جب تک کہ ہندوستان کی مشفق حکومت اُسے واپس ان کے حوالے کرنے کو مناسب سمجھے۔ مگر مَیں نے ان سے یہ وعدہ بھی کیا کہ مَیں ان کی گذشتہ حرکتوں پر ندامت کے اظہار اور آئندہ کے لئے ہماری مدد کرنے کے اُن کے وعدے سے متعلق ایک پُر خلوص رپورٹ حکومتِ ہند کو بھجوا دوں گا۔ مَیں نے اُن کو یقین دلایا کہ حکومتِ ہند اُن کے حق میں ایک شریفانہ اور صحیح رویّہ اختیار کرے گی۔

دوسرے دن ہم ایک بار پھر روانہ ہوئے تاکہ گوگان کے مقام پر

جمعہ خان پر حملہ کریں۔ ہم نے ریکی طائفہ کے سردار کو جس کا نام غالباً مرزا خان تھا اُس کے طائفہ کے چند آدمیوں اور پلٹن کے اُن نو سپاہیوں میں سے پانچ کے ساتھ جو بندوق چلانا جانتے تھے خواش کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا۔ اس لئے نہیں کہ اسے ہم ایک ناقابلِ تسخیر محافظ دستہ سمجھتے تھے بلکہ محض اِس لئے کہ اِن کے علاوہ ہم اور زیادہ آدمی فارغ نہیں کر سکتے تھے۔

ہم نے اپنا مارچ اِس ترتیب سے شروع کیا۔ شاہسوار اور اُس کے آدمی ہراول دستے کے طور پر آگے تھے۔ خلیل خان اور اُس کے گمشادزئی میمنہ پر اور جنید اور اُس کے آدمی میسرہ پر تھے۔ ہماری پیدل فوج سامانِ رسد وغیرہ کے ساتھ جا رہی تھی جبکہ توپ خانے کا دستہ گولہ بارود وغیرہ کو عقب میں لا رہا تھا۔ رسالہ اور پیدل فوج کے کچھ سپاہی میرے ذاتی محافظوں کے طور پر مامور تھے۔

اِس طرح انتظام کرنے سے میرا مدّعا یہ تھا کہ سرحدی سرداروں کو ایک دوسرے سے دُور رکھا جائے تاکہ وہ آپس میں ملاپ قائم نہ کر سکیں۔ مَیں نے اپنی مختصر سی فوج کو کافی دور پیچھے اور خوب مجتمع رکھا۔

چھاپہ ماروں نے مجھ سے پوچھا بھی، کہ آخر مَیں اپنے اُونٹوں کو بچانے کے لئے اِس قدر زیادہ احتیاط کیوں کرتا ہُوں۔ مَیں نے جواب دیا کہ لڑائی میں ایک افسر کو ہر ہنگامی حالت اور اچانک پیش آنے والے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہنا چاہیئے۔ اِس کے علاوہ بمپور کے خان کے چال چلن کے متعلق جو کچھ مَیں سُن چکا ہُوں اُس سے بھی مَیں مطمئن نہیں ہُوں۔

ایسی افواہیں ہم تک پہنچی ہیں کہ ممکن ہے وہ ہم سے مقابلہ کرنے کی حماقت کر بیٹھے۔

بمپور، خواش کے جنوب میں پوری چھ منزلوں کے فاصلے پر کوہِ بزمان کے دامن میں، فارسی بلوچستان میں واقع ہے۔ یاد رہے کہ بمپور قدیم بلوچستان کا صدر مقام تھا۔ مگر آج وہ صرف چند کچے مکانوں، جھگیوں اور اُجڑے ہُوئے باغوں کی ایک معمولی سی بستی ہے جو ایک نیم ویران قلعے کے گرد ایک مضرِ صحت اور ملیریا زدہ علاقے میں آباد ہے۔

ان دنوں بمپور ایک بلوچ سردار کے قبضے میں تھا جو جتنا بُزدل نظر آتا تھا اُتنا ہی گھمنڈی بھی تھا۔ مَیں نے اُس کے اِرادوں سے خوف کا جو اظہار کیا اور جس طرح اپنی جنگی تنظیم کی اُس سے میری مُراد یہ تھی کہ ان سرحدی سرداروں یعنی اپنے قیدیوں کی ہی کسی ممکنہ مشکوک حرکت کا سدِّباب کروں، اگرچہ میرے ان دلائل میں تھوڑی بہت سچائی بھی تھی۔

اُس رات کو جب ہم نے قیام کیا تو لینڈون، سرحد دار، عیدو اور مَیں نے حسبِ دستور دوسرے دن کی نقل و حرکت سے متعلق باہم مشورہ کیا اور بالآخر یہ فیصلہ کیا کہ لینڈون کے دو جاسوسوں کو بمپور بھجوا دیا جائے۔ وہاں پہنچ کر وہ خان سے کہیں کہ وہ اُسے خبردار کرنے کو انگریز جرنیل کی فوج سے بھاگ کر آئے ہیں کیونکہ جرنیل ایک طاقتور فوج کے ساتھ اِس طرف بڑھا چلا آرہا ہے اور ممکن ہے کہ وہ بمپور کو ایک ہی وار میں فتح کرلے۔ علاوہ ازیں یہ جاسوس اُس سے یہ بھی کہیں کہ اگرچہ جرنیل صاحب نے جو اِس فوج کی

کمان کر رہا ہے بظاہر یہ کہہ دیا ہے کہ وہ علاقہ بمپور کی سرحد کے ساتھ ساتھ مارچ کر کے حُبہ خان کو کچلنے کے لئے گلوگان جا رہا ہے مگر اُن کو پورا یقین ہے کہ یہ محض دھوکا ہے، وہ پہلے بمپور کو تباہ کر دے گا جیسا کہ اب حال ہی میں اُس نے خواش کو بھی اسی طرح گھیر لیا اور وہ ہتھیار ڈال کر تباہی سے بچ گئے۔ اب انگریز جرنیل نے خواش کو پانچ سو بہترین سپاہیوں کی حفاظت میں دیا ہے جن کے پاس ایک مہینے کا کافی ذخیرہ موجود ہے۔

اِس مشن کی کامیابی کا تو مجھے بعد میں پتہ چلا۔ ایک رات کو تقریباً ایک بجے کے وقت یہ دونوں جاسوس بمپور پہنچے اور اُنہوں نے اِس خوبی سے اپنا کام سرانجام دیا کہ اُسی رات کو ایک گھنٹہ بعد یعنی دو بجے صبح کو خوف زدہ خان اپنے اونٹ پر سوار ہو کر مکران کی طرف بھاگ گیا۔

مکران[1] ایک بنجر علاقہ ہے جو خلیج فارس کے ساحل پر واقع ہے۔ اندر کی طرف تقریباً ساٹھ میل تک پھیلا ہوا ہے اور عجیب طرح کے دندانہ دار پہاڑوں اور پہاڑیوں سے پٹا پڑا ہے البتہ اِس کے زیادہ زرخیز حصّوں میں کھجور بکثرت پیدا ہوتی ہے اور دساور کو بھی بھیجی جاتی ہے۔

مجھے بعد میں تبلایا گیا کہ بمپور کے خان نے انگریز پولیٹیکل افسر کرنل ڈیو (Dew) کے ہیڈ کوارٹر میں پہنچ کر اپنے کو کلیتاً اُس کے رحم و کرم کے

---

[1] مراد مکران کا وہ حصّہ ہے جو بمپور اور بندر عباس کے درمیان واقع ہے، تمام مکران نہیں۔ (مترجم)

حوالے کر دیا اور اُس سے درخواست کی کہ جرنیل ڈائر کو اُس پر حملہ کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ اگرچہ مَیں کرنل ڈیوے کبھی نہیں ملا کہ اُس سے اِس ملاقات کی مستند کیفیت معلوم کرتا۔

بہرحال یہ ایک دوسرا اِمکانی دشمن تھا جو ہمارے راستے سے ہٹ گیا اور ہم بھی بس اتنا ہی چاہتے تھے۔

۱۵/ اپریل کو ہم نے گلوگان کی طرف اپنا مارچ جاری رکھا اور دوسرے دن ہم نے کوہِ بزمان کا منظر دیکھا جو ایک مُردہ آتش فشاں پہاڑ ہے۔ یہ تقریباً دس یا گیارہ ہزار فٹ بلند ایک بڑا بارُعب پہاڑ ہے۔ میدان سے ایک واحد چوٹی کی طرح سر بلند اور برف سے ڈھکا ہُوا ہے۔

ایک مقام پر عیدو نے مجھ سے کہا کہ آیا مَیں زمین میں ایک نادر الوجود گڑھا دیکھنا چاہتا ہُوں جو ہمارے راستے سے تھوڑی دُور واقع ہے۔

اُسے دیکھنے کے لئے ہم چند سَو گز کے فاصلے تک راستے سے ہَٹ کر گئے، اور ایک میدان میں جو بلیرڈ کے میز کی طرح ہموار تھا اور جس کی سطح سخت چکنی مٹّی سے لپی ہوئی تھی جو غالباً کسی وقت کسی جھیل کی تہہ ہوگی۔ ہم اُس گڑھے تک پہنچ گئے۔ اُس کے مکمّل طور پر صاف اور ہموار کناروں سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ کسی انسانی ادارے نے اِنہیں کھودا ہو۔ اِس کے برعکس ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی مہیب طاقت نے زمین کو نیچے کی طرف دھنسا دیا ہے۔ یہ گڑھا تقریباً ایک سو پچاس فٹ لمبا، ایک سو بیس فٹ چوڑا اور تقریباً پچاس فٹ گہرا تھا اور قطعی طور پر عمودی کنارے رکھتا تھا۔

عبدو نے پوچھا کہ آیا میں اس کی ساخت سے متعلق کوئی رائے دے سکتا ہوں یا اس کی کوئی وضاحت کر سکتا ہوں۔ اُسے ملاحظہ کرنے کے بعد میں نے تسلیم کر لیا کہ میں اِس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ پھر میں نے اس سے پوچھا کہ آیا اس سے کوئی روایت وابستہ ہے؟

اُس نے جواب دیا کہ پہلے یہ گڑھا موجودہ جسامت سے نصف تھا لیکن اس سے دو چند گہرا تھا اور یہ کہ اُس کے دادا کو یاد تھا کہ یہ گڑھا کب اور کیسے بنا۔ پیرمرد نے اُس سے کہا تھا کہ ایک رات کہ جبکہ وہ نوجوان تھا کوئی شَے دھماکے سے پھٹ کر زمین پر گری اور زمین میں ایک سو فٹ گہرا سوراخ کر گئی۔ زاں بعد آب و ہوا اور موسمی حالات کی وجہ سے اِس کے کنارے رفتہ رفتہ گرتے گئے اور یہ موجودہ شکل و جسامت میں رہ گیا۔

اِس میں کوئی شک نہیں کہ ایک بہت بڑا شہاب ثاقب یہاں گرا ہوگا اور جو اب اس کی تہہ میں دبا پڑا ہے۔ یہ گڑھا اُس پہاڑ سے جو گوار کو کہلاتا ہے تقریباً سات سو گز کے فاصلے پر ہے اور ہر اُس شخص کو جو اِس قسم کے مظاہرِ قدرت سے دلچسپی رکھتا ہو، دعوتِ نظارہ دیتا ہے۔

اِس علاقے میں یہ صرف واحد قدرتی مظہر نہیں جو اُن لوگوں کی دلچسپی کا باعث بن سکتا ہے جو ایسے قدرتی مظاہر سے شغف رکھتے ہیں۔ گو کہ میں خود نہ تو کوئی سائنس دان ہوں اور نہ ہی طبقات الارض کا ماہر، لیکن اِس کے باوجود اُن بے شمار گھاٹیوں میں جو کجاؤ (جو رباط کے قریب کے پہاڑوں میں ایک جوکی ہے) کے قرب و جوار میں واقع ہیں اور جہاں سال کے خاص موسموں میں

زبردست طغیانیاں آتی ہیں اور پانی کا تیز دھارا ان چٹانوں کے کناروں کو اِس طرح صیقل کر دیتا ہے کہ دھوپ میں وہ پالش کردہ رنگ برنگے سنگِ مرمر[1] کی طرح چمکنے لگتے ہیں۔ اِن کے کٹاؤ میں ایسے حجریات (Fossils) کی بہتات ملتی ہے جو کسی وقت گھونگے، مچھلی، کنکھجورے اور کیکڑے وغیرہ رہے ہوں گے۔

---

[1] آجکل اِس علاقے (ضلع چاغی) کا مشہور سنگِ مرمر نکالا جاتا ہے۔ یہاں پر سنگِ مرمر کے پہاڑ دریافت ہوئے ہیں۔ (مترجم)

چھٹا باب

خواشس سے کچاؤ کی طرف سفر مسلسل چڑھائی کی صورت میں تھا۔ جوں جوں سطحِ زمین بلند ہوتی رہی توں توں سبزے کی بہتات نظر آتی رہی۔

تیسرے دن میں نے دیکھا کہ بہت سے چھاپہ مار ایک سبز شے کے گچھے اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے جا رہے تھے جو انہوں نے دورانِ سفر اکھاڑے تھے۔ میں نے عیدو سے پوچھا کہ وہ اِن کا کیا کریں گے۔ اُس نے جواب دیا کہ وہ اِن کو کچا کھائیں گے۔ اِس کے علاوہ اُس نے میری معلومات میں مزید اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ خشک کھجوروں کی تھوڑی مقدار کے علاوہ یہ چھاپہ مار جنہوں نے ہتھیار ڈالے ہیں اپنے ساتھ کوئی اور توشہ نہیں لائے لہٰذا وہ بہت جلد آپ سے مطالبہ کریں گے کہ ان کو کھلائیں۔ یہ ایک دہشت ناک خبر تھی۔ ہم نے سامانِ رسد کی ایک بہت بڑی مقدار خواشس کے محافظین کے لئے پیچھے چھوڑ دی تھی اور اپنے راشن کو اِس قدر محدود کر لیا تھا کہ وہ صرف اِس معیّنہ سفر کی حد تک ہمارے لئے کافی ہو۔

میں نے عیدو کو ہدایت کی کہ وہ اِس بُرے دن کو جس قدر پیچھے ٹال سکتا ہے ٹال دے۔ لیکن میں نے اُس سے یہ بھی کہا کہ بالآخر مجبوری کی حالت میں ہم اُن کو اپنے سامانِ رسد میں مناسب طور پہ برابر شریک کر دیں گے۔

دورانِ سفر ہم ایک ایسے مقام پر پہنچے جو سطحِ سمندر سے تقریباً سات ہزار فٹ بلند تھا۔ وہ ایک خوبصورت منظر پیش کر رہا تھا جس سے مَیں بہت متاثر ہُوا۔ ہمارے ارد گرد کی ڈھلوانیں رنگ رنگ کے پھُولوں کی کثرت سے ڈھکی ہُوئی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ وہاں ایک بُوقلموں قالین بچھا دیا گیا ہے۔ گو کہ مَیں یہ نہیں جانتا تھا کہ علمِ نباتات کی رُو سے وہ پھُولوں کے کس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اُن کی خوبصورتی نے مجھے ایسا گرویدہ کیا کہ سال کے آخر میں مَیں نے اُن میں سے کچھ کے بیج اس خیال سے جمع کر کے محفوظ رکھے کہ گھر میں لے جا کر کاشت کروں گا۔ میری تمام گردشوں کے دوران یہ بیج میرے ساتھ رہے مگر بدقسمتی سے گھر کو واپسی کے سفر میں وہ پیکٹ جس میں یہ بیج رکھے تھے کہیں کھو گیا۔

یہاں کا ایک اور پودا جسے مقامی باشندے ہنگ کہتے ہیں، دُور سے بہت ہی جاذبِ نظر اور متاثر کُن نظر آتا ہے۔ اُس کے نچلے پتّے بہت بڑے ہوتے ہیں۔ پودے کا تنا زردی مائل اور تقریباً دو تین فٹ اونچا ہوتا ہے اور اُس کے سرے پر اُسی رنگ کے خوبصورت پھُولوں کا ایک گچھّا ہوتا ہے۔ بلوچوں کے لئے یہ پودا بہت قیمتی ہوتا ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ اسے[1] بہت بڑی تعداد میں یہاں سے ہندوستان کو برآمد کیا جاتا ہے۔

---

[1] اِس کا شیرہ نکالا جاتا ہے جسے ہینگ کہتے ہیں۔ اسی شیرے کو برآمد کیا جاتا ہے۔

خوش قسمتی سے اس سفر میں ہمیں تیسری اور چوتھی رات کو کیمپ کے لئے جو مقام ملے وہ نسبتاً سرد تھے۔ پانچویں دن ہم نے میدانی علاقے میں گلوگان کی طرف اپنا آخری سفر شروع کیا۔ یہ جمعہ خان سردار کے ماتحت اسماعیل زیوں کا علاقہ تھا۔

گلوگان بھی کمال آباد کی طرح کا ایک ایسا علاقہ ہے جو سال کے صرف خاص موسموں میں آباد رہتا ہے جبکہ اسماعیل زئی حسبِ معمول وہاں پر اپنے پڑاؤ ڈالتے ہیں، جھگیوں میں رہتے ہیں اور کچھ عرصے کے لئے اپنی زمینوں کو کاشت کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ یہ علاقہ کافی سیراب ہے۔ زمین بھی خوب زرخیز اور گندم اور جَو کی اچھی فصلیں اُگانے کے قابل ہے۔

جوں ہی ہم گلوگان کی کیمپ گاہ پر پہنچے ہمارے سکاؤٹوں نے آ کر ہمیں اطلاع دی کہ جمعہ خان گلوگان کو خالی کر چکا ہے اور اپنے تمام قبیلے کے ساتھ گرد و نواح کے پہاڑوں میں چلا گیا ہے۔ کوہِ تفتان کے مقام پر جنید کی شکست، اُس کے ہتھیار ڈالنے اور خواتین پر ہمارے قبضے کی خبر سُن چکا ہے اور ہماری فوج کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے بھی دیکھ چکا ہے۔ اُس کو یہاں رہ کر ہم سے لڑنے میں کامیابی کی کوئی اُمید نہیں تھی اس لئے اُس نے پہاڑوں میں پناہ لینے کو ترجیح دی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت ہم ایک مرعوب کُن صورت پیش کر رہے تھے۔ جنید اور خلیل خان کے آدمیوں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں سے جو اثنائے راہ میں ہم سے ملتی رہتی تھیں ہماری تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ لہٰذا ہم

بلا مزاحمت گلوگان میں داخل ہو گئے اور اُسے جیسا کہ ہمیں بتایا گیا تھا بالکل اجاڑ پایا۔ وہاں پر ہمیں صرف ایک بوڑھی عورت نظر آئی جس نے اپنی فصلوں کو چھوڑ کر جانے سے انکار کیا تھا۔ وہ بھی ہمیں ایک کھیت میں چھپی ہوئی ملی۔

فصلوں کو تباہ کرنے کی دھمکی جس طرح کہ جنید کے معاملے میں کامیاب ہوئی تھی ہم نے فیصلہ کیا کہ یہی دھمکی جمعہ خان پر بھی آزمائی جائے۔ لہٰذا پیغام رسان بھجوائے گئے اور اُسے بمع اپنے تمام لشکر کے ویسی ہی پابندیوں کے ساتھ فوراً ہتھیار ڈال دینے کو کہا گیا۔ مَیں نے پیغام رسانوں سے کہا کہ یہ حقیقت بھی اُس کے ذہن نشین کرا دیں کہ وہ اور اُس کا قبیلہ اب بالکل اکیلا رہ گیا ہے۔ گمشادزئی اور یار محمد زیئوں نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں اور یہ کہ ان قبائل اور ان کے لیڈروں کے ساتھ فیّاضانہ سلوک کیا گیا ہے۔ اُن کی زندگیاں اور فصلیں بچا دی گئی ہیں۔ اگر وہ بھی بلا تاخیر خود کو ہمارے حوالے کر دے تو اُس کے ساتھ بھی یہی فیّاضانہ سلوک کیا جائے گا۔

بہت جلد جمعہ خان کا جواب آیا کہ وہ بخوبی جانتا ہے کہ اُس کی حالت مایوس کُن ہے۔ وہ غیر مشروط طور پر نہ صرف ہتھیار ڈال دے گا بلکہ لُوٹ کا وہ تمام مال بھی جو اُس نے نصرت آباد بستی کی اطراف میں حاصل کیا ہے واپس کر دے گا اگر اُسے یہ واضح ضمانت دی جائے کہ اُس کی زندگی محفوظ ہوگی۔ مَیں نے اُسے واپس اطلاع دی کہ وہ اِس ضمن میں بالکل کوئی خوف نہ کرے۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ اُسے اُس کی غلط حرکتوں کا احساس دلا دُوں اور اُس کے قبیلہ اور انگریزوں کی حکومت کے درمیان اچھے تعلقات پھر استوار کروں۔ مَیں

نے اُسے یقین دلایا کہ اُس کے ساتھ بھی بالکل ویسا ہی سلوک کیا جائے گا جیسا سلوک کہ جنید اور خلیل خان کے ساتھ کیا گیا ہے۔

اُسی شام کو جمعہ خان نے اپنے تیس ۳۰ آدمیوں کے ساتھ جو بطور محافظ اُس کے ہمراہ تھے ہمارے کیمپ میں آکر ہتھیار ڈال دیئے۔ وہ کسی قدر جنید اور خلیل خان دونوں سے مختلف ساخت کا آدمی تھا۔ وہ درمیانے قد کا ایک دُبلا پتلا شخص تھا۔ اُس کا چہرہ بُشرہ خوش آئند اور خاندانی شرافت کا مظہر تھا۔ اُس کے چہرے پر ہمیشہ مُسکراہٹ اور ہنسی رہتی تھی اور ایسا لگتا تھا کہ وہ زندگی کو ایک عظیم مذاق سمجھتا ہے۔

عیدو، جیسا کہ مَیں پہلے بیان کر چکا ہُوں اِن سرحدی سرداروں اور ان کی عادات وخصائل سے متعلق بہت کچھ جانتا تھا۔ جمعہ خان سے ملاقات کے بعد اُس نے مجھ سے کہا کہ" اگر جمعہ خان آپ کو قرآن پر اپنا قول دے دے تو وہ اُس پر قائم رہے گا۔ وہ تمام سرحد میں ایسا مشہور واحد شخص ہے جو اپنے قول پر قائم رہتا ہے۔ جو وعدہ وہ آپ کے ساتھ کرے گا اُس پر دیانتداری سے قائم بھی رہے گا۔"

میں اِس سے خاص طور پر خوش تھا کہ جمعہ خان بھی راہِ راست پر آگیا۔ میری خوشی کی وجوہات بھی تھیں۔ جرمن جاسوسوں کے افغانستان میں داخلے کا آسان راستہ اُس کے علاقے میں سے ہو کر جاتا تھا۔ فارس میں سے تمام گذرگاہوں پر پانی کی بہم رسانی سب سے اہم اور سنجیدگی سے قابلِ غور مسئلہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے ایسے سہل راستے محض اِس لئے ترک کر دیئے گئے

کر اُن پر پانی کمیاب تھا۔ اب یہ ندی جو گلوگان سے بہتی ہے پہاڑوں کو کاٹتی ہوئی فارس کے علاقہ نرماشیر میں جا نکلتی ہے اور اِس طرح جرمن جاسوسوں کو پانی کا ایک اچھا ذخیرہ بہم پہنچاتی ہے اور اگر جمعہ خان اُن کی مخالفت نہ کرے تو اُن کے راستے کو آسان بنا دیتی ہے اور اِس صورت میں جبکہ جمعہ خان ہمارا طرفدار ہو تب جرمن جاسوسوں کے لئے عملاً یہ ناممکن بن جاتا ہے کہ وہ سرحد میں سے ہو کر گذریں۔ اِس لئے مَیں نے بطور پالیسی اِسے مناسب خیال کیا کہ جمعہ خان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کروں۔ صاف بات یہ ہے کہ مَیں نہیں چاہتا تھا کہ وہ ہمارا صرف ایک دل شکستہ قیدی ہو، میری خواہش یہ تھی کہ وہ ہمارے مفادات کا محافظ بھی ہو۔

سرحد کے تمام سردار اب ہماری قید میں تھے۔ اب مسئلہ اُن کو اُن کے تمام آدمیوں کے ساتھ ایک بہتر اور محفوظ تر طریقے سے واپس کچاؤ پہنچانے کا تھا جو یہاں سے پُورے اسّی (۸۰) میل کے فاصلے پر تھا۔ ہمارا سامان رسد بھی اگرچہ بہت کم پڑ رہا تھا اِس کے باوجود مَیں پابند تھا کہ اِن چھاپہ ماروں کو اِس میں ایک مناسب حد تک برابر شریک کروں۔ اِس لئے ہم مجبور ہُوئے کہ اُس دن سے نصف راشن پر گذارہ کریں۔

ہماری مشکلات میں مزید اضافہ کرنے کو اِن میدانوں میں موسم بھی بہت گرم ہونا شروع ہُوا۔ مَیں اچھی طرح جانتا تھا کہ ایک نہ ایک دن پانی کی قلّت کے پیشِ نظر ہمارے لئے طویل سفر کرنا ضروری ہوگا۔

گلوگان سے ہمارے پہلے دن کا سفر پہاڑ پر چڑھائی کا ما مشکل

ثابت ہُوا کیونکہ ہمارا راستہ مسلسل ایک بلندی پر سے ہو کر جاتا تھا البتہ رات کو کیمپ کے لئے ہمیں ندّی کے کنارے ایک موزوں جگہ مِل گئی۔ یہاں پر بھی زمین پر پھول بکثرت پھیلے ہُوئے تھے۔ دوسرے دن ہم دُزدِ آب (زاہدان) کے میدان میں اُتر پڑے۔ ہم بمشکل اِس میدان میں پانچ میل کا سفر طے کر سکے تھے کہ ہمیں ایک پہاڑ نظر آیا جو غیر معمولی شباہت رکھتا تھا۔ اسے دیکھ کر مَیں اور لینڈون بے ساختہ چیخ اُٹھے۔ دُور سے دیکھنے میں یہ پہاڑ دنیا کا ایک ایسا بہت بڑا سمارُوغ (Mushroom) نظر آتا تھا جس کی قبّہ نما چوٹی سپاٹ اور تنا موٹا تھا۔ اُس کے اوپر کے حصّے کی ساخت نچلے حصّے کی نسبت زیادہ سخت تھی اِس لئے وہ موسم اور وقت کا بڑی کامیابی سے مقابلہ کرتا چلا آرہا تھا۔

عیدو نے اپنے ٹٹّو کو ڈُلکی چال دوڑاتے ہُوئے اور اُس پہاڑ کی طرف فخر سے اشارہ کرتے ہُوئے کہا۔ "اِسے کہتے ہیں "تختِ جنّکاں"۔" یعنی ناچنے والی لڑکیوں کا تخت[1]۔

"یہ نام اِسے کیوں دیا گیا؟" مَیں نے پوچھا۔ "کیا لڑکیاں وہاں اکیلی رہتی ہیں؟"

عیدو نے کھسیانی ہنسی ہنستے ہُوئے کہا: "سُنو صاحب! مَیں آپ کو

---

[1] بلوچی میں اِس کے معنی ہیں "لڑکیوں کا تخت"۔ "ناچنے والی" جرنیل صاحب کی اختراع ہے۔ (مترجم)

"تختِ جنّگان" کی کہانی سناؤں گا۔ کہا جاتا ہے کہ چاندنی راتوں کو بعض لافانی خوبصورت لڑکیاں اِس پہاڑ کی سپاٹ چوٹی پر آ کر ناچتی ہیں۔ اگر کوئی نوجوان جو بہت ہی نیک ہو اور اکیلے اِس پہاڑ کی چوٹی پر اُس وقت چڑھے جب وہ لڑکیاں ناچ رہی ہوں تب وہ اُن میں سے ایک دُلہن حاصل کر سکتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ وہ نوجوان بہت ہی نیک، پاکباز اور شریف ہو اور یہ قابلیت رکھتا ہو کہ اِن لافانی لڑکیوں میں سے ایک کی محبت جیت سکے۔ اگر وہ کامیاب ہُوا تو وہ لڑکی ایک فانی اِنسان کا رُوپ دھار کر اُس سے شادی کرے گی۔"

مَیں نے عیدو سے پوچھا کہ وہ کبھی کسی ایسے شخص سے مِلا ہے جس نے ایک ایسی لافانی دُلہن حاصل کی ہو۔

عیدو نے ہنس کر کہا۔ "مجھے اندیشہ ہے کہ سرحد میں کوئی ایسا نیک نوجوان نہیں جو اِس اعزاز کے لائق ہو۔"

مَیں نے لینڈون کو جو غیر شادی شدہ تھا آمادہ کر لیا کہ میرے ساتھ پہاڑ پر چڑھے البتہ وہ چاندنی رات نہیں تھی۔ جب ہم واپس اُتر آئے تو عیدو نے میجر لینڈون سے پوچھا کہ آیا اُس نے وہاں لڑکیاں دیکھیں؟

لینڈون نے کہا کہ نہیں! مگر اِس لئے نہیں کہ وہ ایک نیک نوجوان نہیں ہے بلکہ اُسے یقین ہے کہ لڑکیاں اسے محض اِس لئے نظر نہیں آئیں کہ وہ چاندنی رات نہیں تھی۔ البتہ اُس نے وہاں پریاؤں کے بڑے بڑے نشان ضرور دیکھے لیکن ان کے متعلق وہ وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ وہ اُن لافانی لڑکیوں

کے پاؤں کے نشان نہیں تھے جو اِس خوبصورت روایت سے متعلق تھیں۔

مگر مجھے جس چیز نے اِس رومانوی پہاڑ سے بھی زیادہ مسرور کیا وہ وہاں سے تھوڑے فاصلے پر ایک چشمے کی دریافت تھی۔ اِس چشمے سے ہمیں نہ صرف وافر مقدار میں پینے کا پانی ملا بلکہ اُس کے کنارے خشک جھاڑیوں کی بہتات بھی ملی جو کھانا پکانے کے لئے جلانے کے کام آئیں۔

اپنے سفر کے دوران ہم ہر روز سرحدیوں سے صلاح مشورے بھی کیا کرتے تھے۔ اِس طرح ہمارے درمیان دوستانہ تعلقات مزید استوار ہوتے رہے۔ ہم نے اُن کو دلچسپ لوگوں کا ایک ایسا اجتماع پایا جو زندگی کی خوشیوں اور مُہم جوئیوں سے ہمکنار تھے۔ انہوں نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ اب جبکہ انہوں نے کلیتاً ہمارا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا ہے تو وہ اِس پر بھی بالکل تیار ہیں کہ اگر مَیں کہیں کوئی چھاپہ مارنے کا اِنتظام کروں تو وہ بھی اُس میں حصہ لیں گے چاہے وہ کہیں بھی ہو اور کسی غرض کے لئے ہو۔ فارس، افغانستان یا جہاں کہیں بھی ہو اُن کو اِس سے کوئی غرض نہیں البتہ وہ چھاپہ ولولہ انگیز اور پُرخطر ہو۔ اُن کی اِس دوستانہ پیشکش سے بلاشُبہ میں نے یہ سمجھ لیا کہ میرا مقصد واقعی حاصل ہو گیا اور اُس کام کی تکمیل ہو گئی جس کے لئے مجھے سرحد بھیجا گیا تھا۔

مگر عیدو اِس معاملے میں کبھی خوش فہم نہیں تھا۔ وہ ہمیشہ اپنا سر ہلاتا اور وقت بے وقت مجھے خلیل خان اور جنید کے خلاف خبردار کرتا رہتا تھا۔ بالآخر اِس کے شکوک کا مجھ پر بھی اِتنا گہرا اثر پڑا کہ مَیں ڈر گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ

کسی وقت ان سرداروں کے سر میں یہ سودا سما جائے اور ایک رات کو ہماری اِس مختصر فوج کو ملیامیٹ کر ڈالیں جبکہ وہ آسانی سے ایسا کر سکتے ہیں۔ اس ذہنی تغیّر نے آخر کار مجھے اِس عمل پر آمادہ کر لیا کہ میں اپنے کیمپ کے انتظام میں دوگُنا احتیاط سے کام لُوں۔ میں نے چھاپہ ماروں کو بھی سمجھا دیا کہ وہ بھی کیمپ کے تحفظّاتی اِنتظام میں حصّہ لیں تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی نامعلوم دشمن اُن کو اور مجھے بھی اپنے اچانک حملے کا ہدف بنائے۔ یہ میں نے محض اِس لئے کیا کہ اُن کو ہماری حرکتوں سے کوئی شک نہ پڑے۔

میرے شکوک اُس لمحہ اور زیادہ بڑھ گئے جب انہوں نے مجھ سے دشمن کی ہیئت اور اُس سمت سے متعلق سوال کرنا شروع کئے جہاں سے دشمن کو آنا تھا۔ میں نے اُن کو جواب دیا کہ یہ ایک سپاہی کی عادتِ ثانیہ بن جاتی ہے، یہ ایک سپاہی کی خاصیّت ہوتی ہے کہ اپنے تحفظ کے لئے انتہائی محتاط اِقدام کرے اور یہ کہ اگر وہ حفظِ ماتقدّم سے کسی طرح بھی غافل رہا تو اُسے یقیناً تباہی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ مگر میں نے دیکھا کہ میری تشریح سے اُن کی تشفّی نہیں ہُوئی اور میرے فرضی دشمن پر اُنہیں یقین نہیں آیا۔

ہمارا تیسرے دن کا سفر دُزد آب کی وادی سے بڑا کٹھن ثابت ہُوا۔ اُس دن ہم کو دوگنی منزل طے کرنا پڑی کیونکہ ہمارا سامان رسد تقریباً ختم ہو چکا تھا اِس لئے یہ انتہائی ضروری تھا کہ ہم جلد از جلد کجّاؤ پہنچ جائیں اور یہ بھی یاد رہے کہ ہم گلوگان سے روانہ ہونے کے بعد سے آدھے راشن

پر تھے۔ اِس سے ہماری سپاہ میں ابھی سے بڑبڑاہٹ شروع ہو چکی تھی۔

اُس رات کو ہم نے ایک پہاڑ کے دامن میں کیمپ کیا جس کا نام جُنید نے فخریہ طور پر "کوہِ جُنیدِ سیاہ" یا کالے جُنید کا پہاڑ بتلایا۔ مَیں نے اُس سے پوچھا کہ یہ جُنیدِ سیاہ یا کالا جُنید کون تھا؟ اُس نے جواب دیا کہ اُس کے باپ کا نام "سیاہ"[۱] تھا اگرچہ وہ کالا نہ تھا۔ یہ پہاڑ اُس کے نام سے منسوب ہُوا۔ پیرمرد واضح طور پر اِس عزت افزائی پر جو اُس کے والد کی گئی تھی، فخر کرتا تھا۔

یہاں پر لینڈون اور مَیں نے ایک مضطرب رات گذاری۔ عیدو اور سرحدار بھی بہت افسردہ اور بے چَین تھے۔ سرحدار نے کہا کہ سرحدیوں میں ایک افواہ گشت کر رہی ہے کہ جرنیل کے تمام وعدے اور قول و قرار جو اُن کے ساتھ کئے گئے ہیں سب جھوٹ اور فریب ہیں۔ جرنیل اُن کو کچّاؤ لے جا کر ایک ایسے دام میں پھنسانا چاہتا ہے جہاں سب کو قتل کر دیا جائے گا۔ لہٰذا اب سرحدی اِس خیال پر غور کر رہے ہیں کہ آیا یہ ایک دانشمندانہ اور محفوظ تر اقدام نہیں ہوگا کہ جرنیل کی اِس مختصر فوج پر رات کو حملہ کر کے اُسے

---

[۱] اصل نسخہ میں "جُنید" لکھا ہے جو اشتباہ ہے۔ جُنید کے باپ کا نام بھی جُنید ہونا خلافِ دستور ہے اور پھر جُنید کو جبکہ وہ کالا بھی نہ تھا سیاہ کہنا درست معلوم نہیں ہوتا — بلکہ سیاہ جُنید کے کسی پردادا کا نام تھا جو اِس علاقے کا حاکم تھا۔ ہم نے ترجمہ میں اِس لئے "سیاہ" لکھا ہے۔ (مترجم)

ختم کر ڈالیں اور طلوعِ آفتاب سے قبل خود بچ کر نکل جائیں۔

جیسا کہ قیاس کیا جا سکتا ہے ہمارے لئے یہ ایک اچھی خبر نہ تھی مگر حفظِ ماتقدّم کے طور پر ہم جو اقدام کر چکے تھے اُس سے زیادہ سخت کوئی اور قدم نہیں اُٹھا سکتے تھے۔ ہمارے لئے اب واحد طریقۂ کار یہی رہ گیا تھا کہ ان لوگوں کے سامنے ہم بالکل نڈر تا اور اطمینان کا مظاہرہ کریں۔ وہ لوگ اگرچہ اِس وقت برائے نام ہمارے قیدی تھے مگر درحقیقت اُنہوں نے ہم کو اپنی مٹھّی میں بند کر رکھا تھا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ ہمیں صرف قسمت پر ہی بھروسہ کرنا تھا۔

ہماری خوش قسمتی یہ ہُوئی کہ چھاپہ مار اخیر تک نہ تو صحیح صورتِ حال کو سمجھ سکے اور نہ ہی اپنے لئے کوئی راہِ عمل متعیّن کر سکے اور رات بغیر کسی حادثے کے گذر گئی۔ قسمت نے ہمارا ساتھ دیا اور ہم صبح کو بہت سویرے کیمپ کی جنوبی سمت سے اپنے آخری سفر کے لِئے حرکت میں آ گئے۔

درحقیقت اب ہمارے درمیان "مارو اور بھاگو" جیسا معاملہ بن چکا تھا۔ اِن حالات میں مَیں نے ایک جرأت مندانہ قدم اُٹھانے کا فیصلہ کیا تا کہ چھاپہ ماروں پر یہ واضح ہو کہ ہم اُن پر مکمّل اعتماد رکھتے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ اِس طرح ہم پر بھی اُن کا اعتماد بحال ہو گا اور اُن کو تسلّی ہو گی کہ ہم نے اُن کے خلاف کوئی دام نہیں بچھایا ہے۔ لہٰذا مَیں نے چھاپہ ماروں کو حکم دیا کہ ان میں سے کوئی بھی ہمارے آگے آگے نہ چلے بلکہ وہ ہمارے پیچھے پیچھے رہیں۔ اِس طرح میں چاہتا تھا کہ اپنی فوج کی پیش رفت کا نمایاں طور پر صحیح جائزہ لے سکوں۔

جُوں ہی ہم کچاؤ کے قریب پہنچے ، مَیں نے دیکھا کہ خلیل خان اور اُس کا گروہ جتنا قریب ممکن تھا میرے پیچھے جمع ہُوا۔ بعد میں مجھے معلوم ہُوا کہ اُس نے اپنے آدمیوں سے کہہ دیا تھا کہ اگر جرنیل کا مقصد ہم کو کسی دام میں پھنسانا ہے تو مَیں دیکھ لوں گا کہ وہ خود مجھ سے بچ کر کیسے جائے گا۔

مَیں نے یہ حکم بھی دیا تھا کہ جُونہی ہم کچاؤ میں داخل ہوں پلٹن کا ہراول دستہ رسالہ اور توپ خانہ سیدھے اپنی بارکوں میں چلے جائیں ۔ بعد میں مجھے معلوم ہُوا کہ میرے اِس حکم نے بڑی حد تک سرحدیوں کی پریشانی دُور کر دی ۔ درحقیقت وہ اِس خیال پر دیانتداری سے متفق ہو چکے تھے کہ ہم نے واقعی اُن کے لئے کوئی دام بچھایا ہے ۔ سرحدیوں نے برطانوی پولیٹیکل افسر کے گھر کے قریب کیمپ کیا جو اُس دن وہاں موجود نہ تھا ۔ اُن کو بڑی مقدار میں سامانِ رسد پہنچا دیا گیا ۔ اب جبکہ ہمارے سلسلہ ہائے رسل و رسائل چھاپہ ماروں سے محفوظ ہو چکے تھے ہندوستان سے سامانِ رسد پہنچنا پھر شروع ہو چکا تھا ۔ ہمیں اب وقتی طور پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں تھی ۔

یکم مئی کو مَیں نے ایک دربار طلب کیا جو دوسرے دن پولیٹیکل افسر کے گھر کے قریب منعقد ہُوا ۔ عیدو حاضر نہ تھا کیونکہ اُس نے ایک ضروری نجی کام پر رباط جانے کی مجھ سے اجازت لی تھی ۔ مجھے شک تھا کہ اُس کا یہ ضروری کام اپنی بے شمار بیویوں میں سے کسی کے پاس جانا تھا ۔ گو کہ بعد میں یہ بدمعاش اِس سے انکار کرتا رہا کہ اُس کی غیر حاضری کا عورتوں سے کوئی تعلق تھا ۔

دربار ایک اثرانداز کارروائی تھی۔ سرحدار نے گورنمنٹ کے خزانے سے روپوں کے کئی تھیلے میرے پاؤں کے سامنے لاکر ڈھیر کر دیئے۔ یہ روپے اِن سرحدی سرداروں کو آئندہ نیک چلن رہنے کے لئے انعام میں دینے تھے۔ اُن سے خطاب کرکے مَیں نے وُہی باتیں دُہرائیں جو اِس سے قبل خواستش میں مَیں نے اُن سے کہی تھیں یعنی یہ کہ انگریزوں کو جرمنوں کے لئے چھوڑ کر اُنہوں نے بڑی بیوقوفی کی۔ زاں بعد مَیں نے سرداروں سے کہا کہ وہ ایک اقرار نامے پر دستخط کریں کہ اُنہوں نے اپنا مُلک سرکار کے حوالے کیا ہے اور اقرار کرتے ہیں کہ آئندہ وہ حکومت کے وفادار رہیں گے۔ مزید برآں یہ کہ، اِس اقرار نامے کے تحت وہ پابند ہوں گے کہ جرمن ایجنٹوں کی، چاہے وہ کسی طرف سے بھی آئیں، سرکار کو بروقت اِطلاع دیا کریں گے۔

چونکہ اکثر چھاپہ مار لکھنا نہیں جانتے تھے اُن کے انگوٹھے اِس بارُعب اقرار نامے پر جسے سرحدار نے پیش کیا لگائے گئے اور سرداروں نے قرآن پر حلف اٹھایا کہ وہ اِس اقرار نامے کی پابندی کریں گے۔ تب اُن کو موعودہ اِنعام دیئے گئے۔ جُنید کو سب سے زیادہ حصّہ، دو ہزار روپے دیئے گئے۔

اِس کے بعد مَیں نے اعلان کردیا کہ اب وہ سب آزاد ہیں کہ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں اور یہ کہ اگر اُن میں سے کسی کو کبھی بھی کسی دوست کی ضرورت ہو اور یا اگر اُن کو اپنے کسی باہمی تنازعے میں میرے

فیصلے کی ضرورت ہو تو اُن کو اختیار حاصل ہے کہ اِس سلسلے میں جس وقت چاہیں مجھ سے مِل سکتے ہیں۔

انہوں نے جو کچھ ان کو دیا گیا اُس پر اپنی ممنونیت کا اظہار کیا اور تسلیم کیا کہ اُن کے ساتھ فیاضانہ سلوک کیا گیا ہے اور حلفیہ وعدہ کیا کہ سرحد میں پھر کبھی کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی اور نہ ہی کسی جرمن یا جرمن جاسوس کو اپنے علاقے سے گذرنے کی اجازت دیں گے۔ لہٰذا ۳ مئی کی صبح کو جب وہ اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہوئے، تمام فریق بظاہر مطمئن تھے۔

مَیں نے شملہ اپنے ہیڈ کوارٹرز کو ایک مُراسلہ لکھا جس میں اِس مُہم کی مختصر روئداد اور اُس کے نتائج بیان کئے اور ساتھ ہی کئی افسروں اور دوسرے عہدہ داروں کے نام لکھے اور ان کی سفارش کی جنہوں نے اچھا کام کیا تھا۔ مَیں نے اِس امر کا بھی ذکر کیا کہ مَیں نہیں جانتا کہ یہاں پر ان بندیوں کی خرید و فروخت کے سلسلے میں کیا کروں۔

اُسی شام کو عید و واپس آیا۔ وہ سیدھا میرے کمرے میں چلا آیا اور مجھ سے کہا کہ مَیں نے اُس کے بارہا خبردار کرنے کے باوجود کہ جُنید اور خلیل خان پر بھروسہ مت کرو، غیر دانشمندانہ قدم اٹھایا ہے۔ اُس نے مزید کہا کہ اُس کے اپنے بعض جیدہ افراد جو گرد و نواح کی نگرانی کرنے اور ہر ممکنہ اطلاع جمع کرنے پر مامور تھے کچاؤ کو واپسی پر اُس سے مِلے ہیں اور اُسے یہ صحیح اور پریشان کُن اطلاع دی ہے کہ جونہی جُنید اپنے علاقہ میں پہنچا

دوسری صبح کو جبکہ وفاداری و فرماں برداری کے وعدے اُس کے ہونٹوں پر ابھی تک تازہ تھے اُس نے ایک جگہ قیام کر کے چھاپہ مار سرداروں کا ایک اجلاس طلب کیا اور اُن پر دباؤ ڈالا کہ اپنا حلف توڑ دیں اور جتنی جلد ممکن ہو اپنے لڑاکا آدمیوں کو جمع کر کے خواش پر قبضہ کریں اور پھر انگریزوں کی فوج کی طرف جس کے متعلق اب وہ برملا کہتا ہے کہ بالکل کم اور حقیر ہے، متوجہ ہوں۔

بے شک یہ ایک بُری خبر تھی - قدرتی طور پر ہم جانتے تھے کہ وہ خواش پر چند منٹوں میں قبضہ کر لیں گے - ہمارے وہاں پر صرف پانچ آدمی تھے - ہم کو اِس امر کا بھی احساس تھا کہ اگر وہ کسی بھی تعداد میں ہم پر حملہ کر دیں تو اِس سے بھی کم وقت میں ہمیں تباہ کر ڈالیں گے۔

مگر اِس بُری خبر کو معتدل کرنے کے لئے ایک اچھی خبر بھی تھی جو کہ اُسی ذریعے نے پہنچائی تھی - وہ خبر یہ تھی کہ "جمعہ خان نے جُنید کے منصوبے پر اُس کا ساتھ دینے سے صاف انکار کر دیا تھا اور اُس سے کہہ دیا تھا کہ اب تک جرنیل صاحب اُن سے جو وعدے کرتا رہا ہے ان پر قائم رہا ہے۔ اُن کی زندگیاں بچائی ہیں۔ اُن کی فصلوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے، جبکہ وہ اُن کو تباہ کر سکتا تھا۔ اُن کے ساتھ جنگ وجدل کی ابتدا سے ایک باعزت دشمن اور بعد ازاں ایک مخلص دوست جیسا سلوک کرتا رہا ہے اور بالآخر اُن کو بڑی بڑی رقمیں دے کر رخصت کیا ہے۔ جرنیل نے کبھی اپنے قول کی خلاف ورزی نہیں کی اور اب بھی اُس کا کوئی ایسا ارادہ معلوم نہیں ہوتا۔ اِس لئے اب مجھ جمعہ خان کو غداری کے ان منصوبوں سے جو

جنید بنا رہا ہے علیحدہ سمجھا جائے"۔ اپنے خیالات کا اِس طرح اظہار کرنے کے بعد جمعہ خان اپنے آدمیوں کے ساتھ اپنے علاقے کو واپس چلا گیا ہے۔

لیکن جمعہ خان کے علیحدہ ہونے کے باوجود بھی صورتِ حال کافی خطرناک تھی، کیونکہ مجھے کسی بھی طرف سے بروقت کمک پہنچنے کی کوئی ایسی صورت نظر نہیں آتی تھی جو اِس متوقع تباہی سے ہمیں بچا سکتی۔ بہر حال مَیں نے اب فیصلہ کر لیا کہ جو ہو چکا سو ہو چکا۔ اُس پر بیٹھ کر رونے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں حالات کا جس طرح کہ ہمارے سامنے ہیں مقابلہ کرنا چاہیئے۔

بالآخر مَیں نے عیدو سے کہہ دیا کہ جُنید نا ممکن کو ممکن نہیں بنا سکتا۔ وہ اور خلیل خان اپنے منتشر لشکر کو ایک دم میں دوبارہ جمع نہیں کر سکیں گے۔ اِس وقت جو کام ہمارے کرنے کا ہے وہ یہ ہے کہ ہم واپس خواش کی طرف روانہ ہوں اور کوشش کریں کہ جُنید سے پہلے وہاں پہنچ جائیں اور اُس کی آمد سے قبل اپنے دفاع کا مضبوط اِنتظام کریں۔

مجھے اُس وقت سے مدام یہ الزام دیا جاتا تھا کہ مَیں نے چھاپہ ماروں پر زیادہ اعتماد اور زیادہ اِعتبار کر کے اور اُن کو آزادی سے جانے کی اجازت دے کر اعلانیہ حماقت کا مظاہرہ کیا ہے۔ لیکن یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ مَیں چھاپہ ماروں سے لڑنے کو نہیں آیا تھا۔ مَیں اُن سے صرف اُس صورت میں لڑتا جبکہ حالات مجھے اِس کے لئے مجبور کرتے۔ مَیں تو اِس لئے آیا تھا کہ اُن سے دوستانہ تعلقات استوار کروں اور جرمنوں یا اُن کے جاسوسوں کو اُن کے علاقے میں سے گذرنے نہ دُوں۔ مزید برآں میری تحویل میں جو فوج

دی گئی تھی وہ بہت قلیل تھی اور اِس قابل نہیں تھی کہ اگر ہماری دھونس و دھمکی کی پالیسی ناکام ہوتی تو وہ اِن چھاپہ ماروں کو روک سکتی۔ دوسرے لفظوں میں اگر میں ان کو دشمن سمجھنے پر مزید ضد کرتا تو یہ کھیل ہار جاتا۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ سرحد، میرے زیرِ کمان علاقے کا صرف جنوبی حصہ تھا۔ مجھے متواتر ایسی اطلاعات مل رہی تھیں کہ جرمن جو جنوب کی طرف سے افغانستان میں داخل نہیں ہو سکے ہیں اب وہ نہ صرف شمالی سمت میں بیرجند کی طرف جا رہے ہیں بلکہ وہاں سے سرحد کو پار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

میں یہ بھی جانتا تھا کہ بہت جلد میرے لئے یہ بھی ضروری ہو گا کہ شمال کی طرف حرکت کروں تاکہ رُوسیوں کو ترغیب دے کر اِس بات پر آمادہ کروں کہ وہ اِس وقت جتنا کچھ کر رہے ہیں اِس سے زیادہ محتاط رہ کر بیرجند کے شمالی علاقے کی نگرانی کیا کریں جو فارس میں اُن کے زیرِ اثر ہے۔

اور یہ بھی خیال نہ کیا جائے کہ چھاپہ ماروں کو اجازت دے کر میں نے یہ محسوس نہیں کیا کہ جیسی میری خواہش تھی نیک چلنی کی ویسی ضمانت میں اُن سے حاصل نہیں کر سکا مگر اُس وقت جو کچھ میں نے کیا اُس کے علاوہ اور کوئی صورت مجھے نظر نہیں آتی تھی اور اِس وقت بھی وہی حالت ہے۔

بہرحال ایک واضح برتری جو میں نے اُن پر حاصل کی وہ یہ کہ جُمعہ خان کو اُن سے کاٹ کر میں نے اپنے ساتھ ملا لیا اور یہ جمعہ خان کا ہی علاقہ تھا جس میں سے جرمنوں کو سرحد میں سے ہو کر جانے کے لئے پہلے گذرنا پڑتا تھا۔

اگرچہ جمعہ خان نے اپنے حلف پر قائم رہنے کا عملی مظاہرہ کیا تھا پھر بھی

میں اسے مناسب سمجھتا تھا کہ اگر ہماری طرف سے کسی قدر طاقت کا مظاہرہ ہو تو اس کی وفاداری کو تقویت ملے گی۔ اس لئے میرا خیال تھا کہ جُنید کے ہاتھوں سے خواش کا نکل جانا اُس کی کمزوری پر دلالت کرے گا اور جمعہ خان کو تقویت دے گا۔

لینڈون اور سرحد دار نے مجھ سے مکمل اتفاق کیا اور رائے دی کہ واحد دانشمندانہ طریقہ کار یہی ہے کہ کل سُورج کے طلوع ہوتے ہی ان تمام افواج کے ساتھ جو ہمیں میسّر آسکیں یہاں سے نکل پڑیں اور طویل منازل طے کرتے ہُوئے جُنید کے خواش پر قبضہ کرنے سے قبل ہم اُس میں داخل ہوں۔

ساتواں باب

حتمی کامیابی حاصل کرنے کے لئے وقت یقیناً اہم عنصر تھا۔ مجھے یہ عجیب سا خیال آیا کہ کیوں نہ خواہش پر چڑھ دوڑنے کے لئے ہم کار کو استعمال کریں۔

جس زمین پر ہم نے سفر کرنا تھا اُس کی ساخت کے پیشِ نظر گو کہ یہ ایک احمقانہ خیال تھا مگر عیدو نے اُسے اُچک لیا "یہی تو ایک چیز ہے صاحب!" اُس نے جذبات میں آکر کہا۔ "آپ کو یاد ہوگا کہ پہلی بار اُسے دیکھ کر میں خود کس قدر حیران ہُوا تھا۔ اِس سے آپ اندازہ لگالیں کہ جنید کے جاہل آدمیوں کو یہ کس قدر حواس باختہ اور مرعوب کرے گی اور وہ اِسے ایک نئی قسم کا بھوت خیال کریں گے اور ہمارے لئے یہ ایک درجن توپوں سے بھی زیادہ مفید ہوگا۔"

مَیں نے مان لیا کہ عیدو صحیح کہتا ہے۔ "آپ موٹر کار میں کیوں نہیں جاتے جبکہ مَیں فوج کی کمان سنبھال لُوں گا۔" لینڈون نے کہا۔

مزید تفصیلات پر غور کرنے کے بعد بالآخر ہم نے اِس منصوبے پر عمل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ موٹر کار اب تک یہاں سے چوبیس ۲۴ میل کے فاصلے پر ایلن کے چارج میں رباط میں تھی۔ اِس لئے مَیں نے ایک ٹیلگرام بھیجا اور

اُس کی نقل ایک مہاری[1] سوار کے ذریعے بھی بھجوا دی۔ ایلن کو ہدایت کی گئی کہ موٹر کار کو اچھی طرح تیار کرے۔ تمام فالتو ٹائر اور ٹیوب جو اُس کے پاس ہوں ساتھ لے اور دوسرے دن علی الصبح سیاہینڈک کے راستے پر روانہ ہو جائے وہاں ایک مقام پر جہاں تک مہاری سوار اُس کی رہنمائی کرے گا اور جو کجاؤ سے نو میل کے فاصلے پر ہے عیدو اور میں گھوڑوں پر سوار آ کر اُس سے ملیں گے۔

لینڈون کو خواش پہنچنے کے لئے اُس راستے کی نسبت جو ہم کو موٹر کار میں اختیار کرنا پڑے گا زیادہ مختصر اور براہِ راست سفر کرنا تھا۔ وہ فوج کو ساتھ لے کر آئے گا۔ وُہی پرانی فوج جو رسالہ کے سترہ (۱۷) سواروں پلٹن کے چار تربیت یافتہ سپاہیوں (یاد رہے کہ اِن میں سے پانچ ہم نے خواش میں چھوڑ دیئے تھے)، پینسٹھ غیر تربیت یافتہ سپاہیوں، دو پہاڑی توپوں، دو مشین گنوں اور چھ سو اونٹوں پر مشتمل ہے۔ لینڈون کو ہر ممکن کوشش کرنی ہوگی کہ سات منازل میں چھاپہ ماروں کے مضبوط قلعے خواش تک پہنچ جائے۔

ایک ایسی مختصر فوج کے لئے چھ سو اونٹوں کا اجتماع یقیناً غیر متناسب معلوم ہوگا مگر اِس امر کا بھی خیال رہے کہ سامانِ رسد کی نقل و حمل اور اُن دوسری چیزوں کے لئے جو کم از کم ایک مہینے تک ہماری ضروریات کو پورا کر سکیں ہمیں ان کی ضرورت تھی کیونکہ ہم اپنے ذرائع نقل و حرکت اور رسل و

---

[1] وہ اونٹ جو سواری کے کام آتا ہے اور تیز بھاگتا ہے (مترجم)

وسائل کے آزادانہ تسلسل پر زیادہ بھروسہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ جب کبھی ہم کوئی دربار یا کوئی اجلاس طلب کرنا چاہتے تو وہ تمام لوگ جو اُن میں شامل ہوتے ہم سے یہ توقع رکھتے تھے کہ ہم اُن کو کھلائیں گے اور خوب کھلائیں گے۔ لہٰذا ہمارے وجود کا انحصار ہی اس پر تھا کہ ہمارے پاس وافر مقدار میں خوراک کا ذخیرہ موجود ہو۔ مزید برآں اونٹوں کی کثرتِ تعداد ہمارے دھونس و دھمکی کے کھیل میں بھی معاون ثابت ہو رہی تھی۔ ہمارے لئے یہ ضروری تھا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے ہم اس کھیل کو جاری رکھیں۔ چھ سو اونٹوں کا جمگھٹا دُور سے ایک ایسی بہت بڑی فوج کا نظارہ پیش کرتا تھا، جو ہماری اصل تعداد سے بہت بڑی ہو۔

لیڈڈن نے جو مختصر راستہ اختیار کرنا تھا وہ بھی کوہِ تفتان کے مغربی ڈھلوانوں میں سے ہو کر جاتا تھا۔ اس سفر کو وہ سات دنوں سے کم عرصے میں طے نہیں کر سکتا تھا۔

دوسرے دن میں اور عیدو ٹٹوؤں پر جو وہ لایا تھا سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ عیدو نے مجھے یقین دلایا تھا کہ یہ ایک خاص نسل کے ٹٹو ہیں جو نُو میل کے اس کٹھن پہاڑی سفر کو جو ہمارے اور اس مقام کے درمیان پڑتا ہے جہاں ہم نے ایلن اور موٹر کار سے ملنا تھا، بہ آسانی طے کر لیں گے۔

عیدو نے راستے کے دشوار گذار ہونے پر جو تبصرہ کیا تھا اُس میں وہ حق بجانب تھا۔ جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے جاتے، راستے کی چڑھائی

اور تنگی بھی بڑھتی جاتی، یہاں تک کہ ہم ایک ایسے پہاڑی شگاف میں سے ہو کر چڑھنے لگے کہ ہماری کہنیاں پہاڑی کے کناروں کو چھو لیتی تھیں۔

اچانک میرا ٹٹّو جس نے غالباً طے کر لیا تھا کہ بہت سفر کر چکا اب آگے نہیں جائے گا، جم کر ٹھہر گیا۔ اُس کا تمام بدن کانپنے لگا اور پھر وہ کانپ کانپ کر بیٹھ گیا۔ عیدو میرے آگے آگے جا رہا تھا۔ اُس نے جب مُڑ کر پیچھے دیکھا کہ مجھے کیا ہو گیا تو اُس کے ساتھ اُس کا ٹٹّو بھی پیچھے کو پھسل کر ہمارے اُوپر آ گرا۔

مَیں صاف بچ نکلا اور عیدو پر ہنستا رہا جو ٹٹّو کے نیچے آ کر بُری طرح گھبرا گیا تھا اور کوشش کر رہا تھا کہ کسی نہ کسی طرح اپنے کو ٹٹّو کے نیچے سے اور پھر ہمارے درمیان سے باہر نکالے۔ بالآخر اُس نے ٹٹّوؤں کو اُس شگاف سے باہر نکال لیا جس کے ایک کونے میں وہ دُبک چکے تھے۔ اس میں کچھ وقت لگا اور جب ہم اُن کو نکال چکے تو دیکھا کہ بیچارے جانور بہت زیادہ گھبرا گئے ہیں، اِس لیے اُن کو کوتل کر کے راستے کا ایک بڑا حصّہ ہم نے پَیدل طے کیا۔

گیارہ بجے دن کو ہم متعیّنہ مقام پر پہنچ گئے اور ہمیں اُس وقت بڑی تسکین ہوئی جب ہم نے ایلن کو موٹر کار کے ساتھ اپنا منتظر پایا۔ ایلن حسبِ سابق اڈیل، پُرسکون اور ہمیشہ کی طرح قابلِ اعتماد اور مستعد تھا۔ موٹر کار بھی بالکل ٹھیک ٹھاک اور تیار حالت میں تھی۔ ایلن غریب کو اب تک یہ معلوم نہ تھا کہ اُسے کس لئے بُلایا گیا ہے۔ اُس نے ہماری اِس مختصر مہم

سے متعلق بھی کچھ نہیں سُنا تھا کیونکہ وہ پچھلے کئی ہفتوں سے رباط میں ہی پڑا تھا۔ اب اُسے تھوڑی بہت سرگرمی دکھلانے کی خبر سُن کر خوشی ہوئی۔

ہم نے اپنے ٹٹو ان شتر سواروں کے حوالے کئے جنہوں نے ایلن کی رہنمائی کی تھی اور اُن کو ہدایت کی کہ اُن کو واپس کچاؤ لے جائیں۔ ایک دفعہ پھر عیدو اور میں نے مشکوریت کے ساتھ موٹر کار میں اپنی نشستیں سنبھال لیں اور جنوب کی طرف اپنے سفر پر روانہ ہوئے۔

ہم جلد سیاہینڈک سے گزرے۔ ہماری رفتار پہلے دن اتنی خراب نہ تھی جتنی کہ ہم خیال کرتے تھے۔ ہم جہاں تک پہنچنے کی توقع رکھتے تھے وہاں سے آگے گزر گئے۔ ہم اُس پڑاؤ پر پہنچے جو جُوزک کہلاتا ہے۔ وہاں پر ایک ویران سرائے اور پانی کا ایک اچھا چشمہ بھی تھا۔ یہاں پر رات کو ہم باہر سوئے اور دوسرے دن علی الصبح روانہ ہوئے۔

عیدو کار کی طاقت سے بہت متاثر تھا اور خیال کرنے لگا تھا کہ یہ ہر جگہ جا سکتی ہے، ہر بلندی پر چڑھ سکتی ہے، کسی بھی درّے میں سے چاہے گزر سکتی ہے چاہے درّہ کتنا ہی تنگ کیوں نہ ہو۔ ہموار سطح پر اُس کی رفتار دیکھ کر عیدو مبالغے کا شکار ہو چکا تھا۔

ہمارا ارادہ میرجاوا کے راستے سے جانے کا تھا مگر عیدو نے بتلایا کہ ایک اور مختصر راستہ پہاڑوں میں سے ہو کر جاتا ہے جس میں سے اُسے یقین تھا کہ موٹر کار گزر سکتی ہے مگر جیسا کہ بعد میں ہم نے ایک دفعہ پھر یہ ثابت کر کے دکھانا تھا کہ گھر کی طرف جانے کا لمبا راستہ ہی

مختصر راستہ ہوتا ہے۔

موٹر کار پہاڑوں میں ایک ایسی گھاٹی سے داخل ہوئی جو برابر پہاڑ کی چوٹی کی طرف بلند ہوتی جا رہی تھی۔ گو کہ ہمیں بارہا اُتر کر موٹر کو دھکا دینا پڑتا تھا لیکن اُس کے باوجود وہ جس طرح ان چڑھائیوں پر سے گذر رہی تھی وہ واقعی حیرت انگیز حرکت تھی۔ ہماری مشکلات اُس وقت شروع ہوئیں جب ہم نے چڑھائی سے اترنا شروع کیا، کیونکہ اترتے وقت ہم ایک اور ایسی گھاٹی میں داخل ہوئے جو تنگ سے تنگ تر ہوتی جاتی تھی تاآنکہ ایک ایسا مقام آیا کہ ایلن نے موٹر کار روک لی اور کہا کہ اُس سے آگے ہم نہیں جا سکتے اور جب ہم نے مڑکر اپنے راستے کی طرف دیکھا تو ایسا ظاہر ہُوا کہ ہم نے خود کو ایک ناقابلِ گذر اور خطرناک راستے میں پھنسا دیا ہے۔

آگے کی طرف گھاٹی اتنی تنگ تھی کہ اُس میں سے گذرنا ممکن نہ تھا اور پیچھے کی طرف بلندی اتنی تھی کہ موٹر کار واپس پیچھے کو مڑ نہیں سکتی تھی۔ دائیں طرف کو ہم گھاٹی کے بلند کناروں میں محبوس تھے اور بائیں طرف کو ایسی ناقابلِ گذر رکاوٹیں تھیں جہاں سے واپس مڑنا تقریباً ناممکن تھا۔ اب ہمارے لئے اُس کے سوا اور کوئی چارۂ کار باقی نہ تھا کہ ہم ایک نیا راستہ کھود کر بنائیں۔ تب ہم نے کام شروع کیا اور اُس وقت تک کام کرتے رہے جب کہ ہم پسینے سے بالکل شرابور ہو گئے اور بالآخر ہم اِس قابل ہُوئے کہ موٹر کار کو مٹی کی اُس دیوار سے جو بائیں طرف

سے ہمارا راستہ روکے کھڑی تھی، کھلے دامن کوہ میں باہر نکال لائے۔

اب عیدو نے موٹر کار سے متعلق اپنی نفرت اور مایوسی کا برملا اظہار کرنا شروع کیا۔ پہلے وہ اُس کی تعریف کیا کرتا تھا کہ وہ سب کچھ کرنے کے قابل ہے اور ہر جگہ جا سکتی ہے۔ اب اُس کی اِس ناکامی نے کہ وہ سُوئی کے ناکے میں سے نہیں گذر سکی اُس کے لئے اِحترام کے تمام جذبات کا خاتمہ کر دیا۔

اِس کے بعد بھی، پہاڑ کی اترائی سے اُترتے وقت ہمارے سامنے کوئی سموار راستہ نہیں تھا لہٰذا ہمیں مجبوراً اپنے راستے سے کئی میل ہَٹ کر ایک لمبے اور بَل کھاتے ہُوئے راستے سے ایک طویل فاصلہ طَے کرنا پڑا۔ اِس کے بعد ہم کسی قدر آسانی سے چلنے کے قابل ہُوئے۔ جس شخص کو ایک موٹر کار میں اَیسے دشوار گذار پہاڑوں میں بغیر کسی راستے کے، ٹوٹی پھوٹی زمین اور پُرپیچ گھاٹیوں میں سے سفر کرنے کا اِتفاق نہ ہُوا ہو وہ اِن مشکلات کا اندازہ نہیں کر سکتا جو یہاں اور پھر خواشش کی طرف سفر کے دوران ہمیں پیش آتی رہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ہم محض موٹر کار کو کھینچنے، دھکّے دینے اور زمین کھودنے کی اپنی اَن تھک جد و جہد کے بل بوتے پر بصد مشکل شام کے وقت متعینّہ مقام پر لیڈون تک پہنچ سکے۔ وہ ہم سے چند منٹ بعد پہنچ گیا۔ ہمیں دیکھ کر اُسے جتنی خوشی ہُوئی اُسی قدر تعجّب بھی ہُوا۔ وہ اِن ہی پہاڑوں کے ایک اور حِصّے سے ابھی گذر کر آیا تھا اِس لئے اُسے بالکل یہ اُمید نہ تھی کہ ہماری موٹر کار اِن میں سے گذر سکے گی۔

وہ پریشان تھا کہ اب یہ کیسے ممکن ہو سکے گا کہ مَیں پھر کبھی اُن سے ملوں ۔
بہر حال ہم پہنچ گئے اور باہر میدان میں کیمپ لگا دیا ۔ دن کو شدید گرمی پڑتی تھی اِس لئے شام کی ٹھنڈک سے ہماری جان میں کچھ جان آگئی ۔

دوسرے دن صبح کو طلوعِ آفتاب سے قبل لینڈون نے مارچ کیا اور جب وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہُوا عیدو ، ایلن اور مَیں اپنی موٹر کار میں چل پڑے ۔

مَیں نہیں چاہتا کہ اپنے سفر کا تفصیل سے بیان کروں ۔ ہر دن دوسرے دن کی طرح تھا ۔ البتہ سطحِ زمین کی بُرائی کی نوعیت اور کمی بیشی میں فرق تھا ۔ دن کو شدید گرمی پڑتی تھی اور دھوپ میں اِن ریتلے ویرانوں اور پہاڑوں کی چکاچوند نظروں کو خیرہ کر دیتی تھی ۔ اِدھر اُدھر ، بالخصوص گلوگان کی وادی میں ہم نے انسانوں کے کئی ایسے گروہ دیکھے جو انتہائی پست اور خستہ حالت میں تھے اور ہماری موٹر کار کو دیکھ کر ڈر سے بھاگ جاتے تھے ۔

ایک رات کو ہم دیکیوں کی بستی میں ٹھہرے جو عیدو کا اپنا قبیلہ تھا ۔ انہوں نے گرمجوشی سے ہمارا خیر مقدم کیا کیونکہ عیدو کی ایک بیوی وہاں اُن لوگوں میں رہتی تھی ۔ وہ بدمعاش عیدو ہمیشہ وثوق سے یہ کہتا تھا کہ عورتوں سے اُسے کوئی دلچسپی نہیں لیکن مجھے وہ بالکل اُس تمثیلی ملاح کا نمونہ معلوم ہوتا تھا کہ ہر گاؤں اور ہر بستی میں اُس کی ایک بیوی رہتی تھی ۔

عیدو کی یہ مخصوص بیوی اپنے خاوند کے ساتھ اِس غیر متوقع ملاقات سے بہت خوش ہُوئی اور بستی کے وقار کو شاندار طریقے سے بحال رکھا ۔ مروّجہ

رسم کے مطابق میں نے چند بھیڑیں اِن جھگی نشینوں سے خرید لیں اور پھر اُن کے حوالے کیں کہ ضیافت کا اہتمام کریں۔

عیدو کی بیوی جو اگرچہ زیادہ حسین نہ تھی مگر شفقت سے پیش آنے والی ایک سلیقہ شعار عورت تھی، ہماری میزبانی کے فرائض انجام دینے لگی اور ہم سب الاؤ کے گرد پالتی مار کر بیٹھ گئے جب کہ گوشت پکتا رہا۔

اِس وقت ایلن کا چہرہ دیکھنے کے قابل تھا جبکہ وہ قبائلیوں کو اُن کے اپنے حصّے کا گوشت پکاتے اور کھاتے دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے چاقوؤں سے جو وہ ہمیشہ اپنے پاس رکھتے ہیں، دُنبوں کے گوشت سے ٹکڑے کاٹتے، پھر اُن کو اپنی بندوقوں کو صاف کرنے والی سیخوں میں پرو کر آگ پر پکاتے اور نادیدوں کی طرح کھاتے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بہت ہی بھُوکے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اِس علاقے میں خوراک بہت کم اور ایک ہی قسم کی ہوتی ہے۔ بہر حال وہ گوشت کو جبکہ وہ ابھی تک نیم خام ہوتا چٹ کر جاتے تھے۔ یہاں تک کہ عیدو نے بھی اپنے حصّے کا گوشت نیم خام ہی کھا لیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اِس طرح گوشت زیادہ نرم اور لذیذ ہوتا ہے۔

موٹر کار بلا شبہ اُن کے لئے بہت زیادہ دلچسپی اور حیرانی کا ذریعہ ثابت ہوئی۔ اوّل تو قبائلی اُس کے پاس جانے سے بہت ڈرتے تھے۔ مگر جب اُنہوں نے دیکھا کہ وہ ایلن کے حکم پر بالکل خاموش کھڑی رہتی ہے اور کسی کو نہیں کاٹتی تب اُن کا ذوقِ تجسّس حالتِ خوف پر غالب آیا اور وہ ایک ایک کر کے آگے آتے رہے اور ڈر ڈر کر اُسے ہاتھ لگانے لگے۔ اِس

موقع پر ایلن نے ہارن بجادیا۔ ڈر سے چیخ مار کر وہ سب چمپت ہو گئے، مگر عیدو جو پہاڑ پر سے اُس میں آیا تھا اُس لئے اِس عفریت کا ڈر اُس کے دِل سے نکل چکا تھا لہٰذا اُن کو ایک جری شخص لگتا تھا۔ عیدو نے نہایت خوش مزاجی سے ان کو یقین دلایا کہ یہ آواز اُس کی اندرونی گڑگڑاہٹ کی ہے جو اِسے چلاتی ہے۔ اِس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ تب وہ ایک بار پھر اُس کے قریب آئے اور تھوڑی سی ترغیب پر خود ہارن بجانے پر آمادہ ہوئے اور جب ایک دفعہ اُس سے آشنا ہوئے تب ہر دفعہ جب ہارن بجتا تو وہ بچوں کی طرح کھلکھلا کر ہنستے۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ کاش روانگی سے قبل میں اِسے اُتار لیتا تو بہتر تھا۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد عیدو نے میرے کمبل ایک جھاڑی کی اوٹ میں بچھا دیئے۔ مگر اِس سے قبل کہ میں کمبلوں میں گھس جاتا، آخری بار تمباکو پینے کو میں زمین پر بیٹھ گیا اور لالٹین اپنے سامنے کی سخت اور ہموار زمین پر رکھدی۔

قدرتی طور پر ہزاروں حشرات الارض روشنی کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان میں کئی ایسے تھے جو میں نے پہلے کہیں نہیں دیکھے تھے اور مجھے یقین ہے کہ وہ ہندوستان میں بھی ناپید ہیں۔ کئی قسم کی تتلیاں جھنڈ کے جھنڈ زمین پر اور ہوا میں منڈلاتی رہیں جبکہ ایک بچھو، اتنا بڑا کہ میں نے پہلے شاید ہی کبھی دیکھا ہو، اندھیرے سے روشنی کا معائنہ کرنے کو برچھی اٹھائے لپک پڑا۔ وہ بھورے رنگ کا تھا۔ برما میں پیدا ہونے والوں

کی طرح قوسِ قزح رنگ نیلا نہیں تھا مگر بڑا اُتنا ہی تھا۔ اُس کی دُم خم کھائی ہوئی ٹھیک اُس کی پُشت پر اور ڈنگ مارنے کو بالکل تیار تھی۔ وہ بہت ہی خوفناک لگتا تھا۔ اُسے دیکھ کر دوسرے چھوٹے موٹے کیڑے مکوڑے جس تیزی سے اُس کے راستے سے پرے ہٹتے تھے وہ ایک بڑا مضحکہ خیز سماں تھا۔ گو اُس نے کئی بار اپنی خوراک حاصل کرنے کی کوشش کی مگر میں نے اُسے کامیاب ہوتے نہیں دیکھا۔ اُس کے ارادی شکار اپنے خوفناک دشمن سے بہت تیزی سے بچ کر نکل جاتے تھے۔

ہم حسبِ دستور طلوعِ آفتاب سے قبل اُٹھ کر اپنے راستے پر چل پڑے۔ اُس دن ہماری رفتار بہت اچھی رہی۔ بڑی رکاوٹ جو ہمارے سامنے آئی وہ خودرَو کھُردرے گھاس کے بڑے بڑے گچھے تھے، جن کے گِرد پھر کر ہم نکل گئے۔

ابھی ہم کچھ دور ہی گئے تھے کہ عیدو جس کی آنکھیں نہ صرف تاریک راتوں میں دیکھ سکتی ہیں بلکہ پہاڑوں اور کھیتوں میں اِستادہ فصلوں کے اندر بھی دیکھنے کے قابل ہیں، اچانک پکار اُٹھا: "میں اپنے سامنے کچھ آدمیوں کو دیکھ رہا ہوں۔ بہتر ہے کہ ہم ٹھہر جائیں تاکہ میں جا کر یہ معلوم کروں کہ وہ دوست ہیں یا دشمن۔"

ہم نے کار روک لی۔ اب ہم جُنید کے عِلاقے کی حدود میں تھے۔ ممکن ہے یہ آدمی جُنید کے ہوں اور ہم پر چھاپہ مارنا چاہتے ہوں۔ عیدو جھپٹ کر نکلا اور آڑ لیتا ہُوا رینگنے کے انداز میں، جس کے یہ تمام چھاپہ مار مشّاق ہیں، آگے

بڑھتا رہا۔ حالات کا جائزہ لے کر جب واپس ہُوا تو معلوم ہوتا تھا کہ سب کچھ ٹھیک ہے کیونکہ وہ کھُلے میدان میں مٹرگشت کرتا ہُوا آ رہا تھا۔ واپس آ کر اُس نے مجھ سے کہا کہ سب کچھ ٹھیک ہے۔ وہ آدمی ریکی قبیلے کے ہیں جو اب آپ سے بات کرنے کو آ رہے ہیں۔

جلد بعد پندرہ آدمی، پندرہ اچھی طرح مُسلّح اور مضبُوط شتر سوار اپنے اونٹوں کو دوگام دوڑاتے ہُوئے ہمارے پاس پہنچے۔ مَیں نے شُکر ادا کیا کہ وہ جنید کے آدمی نہیں بلکہ ہمارے دوست تھے۔

البتہ وہ موٹر کار سے جس نے اب تک اپنا مُہلک اثر قائم رکھا ہُوا تھا ایک خاص فاصلے پر دُور رہے۔ اُنہوں نے عیدو کے دوست اور محافظ کی حیثیت سے مجھ سے درخواست کی کہ واپس چلا جاؤں۔

اُنہوں نے کہا۔ "صاحب! جنید ایک بڑے لشکر کے ساتھ خواش پر حملہ کر رہا ہے بلکہ وہ اب تک وہاں پہنچ گیا ہے۔ آپ کو اور آپ کے تمام آدمیوں کو مار ڈالے گا اگر آپ اس شیطان پر جو آپ کو یہاں تک لایا ہے سوار ہو کر واپس بھاگ نہ جائیں۔"

مَیں نے اُمید کا سہارا لیتے ہُوئے اُن سے کہا کہ اُن کی اطلاع غلط ہے اور یہ یقینی امر نہیں ہے کہ جنید اس وقت تک خواش پہنچ چکا ہے۔ مجھے اب بھی اُمید ہے کہ مَیں اُس سے پہلے خواش پہنچ جاؤں گا۔ مَیں نے اُن سے یہ بھی کہا کہ اگر ہم پہلے خواش پہنچ جائیں تب اُن کی امداد سے نہ صرف خواش پر اپنا قبضہ قائم رکھ سکیں گے بلکہ دھونس اور دھمکی سے جنید کو

لڑے بغیر ہتھیار ڈالنے پر آمادہ کرلیں گے۔ تھوڑی دیر مزید ترغیب و تحریص کے بعد عیدو نے اُن کو بتلا دیا کہ موٹر کار کیا تعجّب خیز کارنامے دکھا سکتی ہے اور یہ لالچ بھی دیا کہ ہمارا ساتھ دے کر وہ کتنا بڑا انعام حاصل کر سکتے ہیں۔ ازاں بعد تھوڑی دیر آپس میں بحث و مباحثہ اور غور و خوض کر کے انہوں نے ہمارا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔

"ہمیں اُن کی ہر اُس مدد کی ضرورت ہوگی جو موٹر کار کے سلسلے میں وہ ہمیں دے سکتے ہوں"۔ عیدو نے سرگوشی میں مجھ سے کہا۔ "کیونکہ وہ زمین جس پر سے ہم یہاں سے خواشش تک گذریں گے اُس تمام راستے سے بدتر ہے جس پر سے اب تک ہم گُذر کر آئے ہیں۔"

مَیں پہلے دو دِنوں کے سفر سے جو ہم نے پہاڑوں میں کیا تھا، کسی بدتر راستے کا تصوّر ہی نہیں کر سکتا تھا، مگر عیدو جانتا تھا اِس لئے جو کچھ وہ کہہ رہا تھا وہ صحیح تھا اور بعد کے چوبیس گھنٹوں میں خود ہم نے بھی اِس کی صحت دیکھ لی۔

اِس موقع پر مَیں نے اُن میں سے ایک آدمی کو بھیجا کہ وہ جا کر لینڈڈون اور فوج کا پتہ معلوم کرے۔ چونکہ عیدو نے اُن کے لئے ایک اچھے راستے کی نشاندہی کی تھی اِس لئے وہ اِس قابل تھا کہ اُن کی طرف جانے کو ٹھیک سمت میں اِس شخص کی رہنمائی کرتا۔

اِس عرصے میں مَیں نے لینڈڈون کے نام ایک پیغام لکھا اور اُسے تاکید کی کہ وہ ہر ممکن تیز رفتاری سے سفر کرے کیونکہ اب معاملہ ہمارے اور جُنید

کے درمیان ایک دوڑ کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ میں نے اُسے یہ بھی لکھا کہ میں اُمید کرتا ہوں کہ کل شام سے قبل خواشش پہنچ جاؤں گا۔

بلاشبہ میں جانتا تھا کہ سب کچھ اِس پر منحصر ہے کہ کون پہلے خواشش پہنچتا ہے۔ اگر جُنید اپنے آدمیوں کے ساتھ ہم سے پہلے پہنچ گیا تب وہ جب تک چاہے اُسے ہمارے مقابلے میں اپنے قبضے میں رکھ سکتا ہے اور اگر ہم پہلے پہنچے تو صورت دوسری ہوگی۔ یہ واضح تھا کہ خواشش پر قابض شخص سرحد کا مالک ہوگا۔ مزید برآں میں اُن پانچ سپاہیوں کی زندگیوں کی ذمہ داری بھی سخت محسوس کرتا تھا۔ اُن کو ہم نے خواشش میں چھوڑ دیا تھا اور میں جانتا تھا کہ جُنید کے ہاتھوں اُن کا جلد خاتمہ ہوگا۔

پیغام بھجوا دیا گیا اور ہم اپنے نئے شتر سوار دستے کی معیت میں ایک دفعہ پھر روانہ ہوئے۔ ابھی ہم بیس پچیس میل گئے تھے کہ عید دنے پھر ہمیں ٹھہرنے کو کہا۔ اُس نے نہایت یقین کے ساتھ کہا کہ اُسے عین ہمارے سامنے کے چھوٹے نالے میں کچھ آدمی پڑاؤ ڈالے نظر آتے ہیں۔ اگر وہ صحیح کہتا ہے تب وہ آدمی ضرور یار محمد زئی یعنی ہمارے دشمن ہوں گے کیونکہ ہم اِس وقت جُنید کے علاقے کے عین قلب میں تھے۔

ایلن کو ہدایت کی گئی کہ وہ کار کو ندی کے دہانے کے قریب لے جائے اور وہاں پر ایلن کار کو اور ریکی زئی اپنے اونٹوں کو چھپا دیں اور خود بھی چھپ جائیں اور اُس چھوٹے چشمے سے جو درمیان میں بہتا تھا ہم اپنی بوتلوں اور موٹر کار کے ریڈی ایٹر کو پانی سے بھر دیں۔ نالے کے کنارے جو سیلابی پانی کے

بہاؤ سے گھرے کٹے ہوئے تھے کسی حد تک ہمیں سایہ بہم پہنچا سکتے تھے جس کے لئے اِس کھلے ریتلے میدان کی جھلسا دینے والی گرمی سے بچنے کی خاطر ہم ترس رہے تھے۔

تھوڑی دیر آرام کرنے اور پانی پینے کے بعد عیدو موقع کا معائنہ کرنے کو گیا اور جلد ہی ایک افسردہ چہرہ لے کر واپس آیا۔

"وہ عزّت کے آدمی ہیں۔" اُس نے کہا۔" اور عزّت ایک بڑا جنگباز ہے، ہمیں اُس سے ایک جھڑپ لینی ہوگی۔" عزّت سے متعلق یہ یاد رہے کہ وہ حال ہی میں فارس کے علاقے پر چھاپے مارنے والوں کا بڑا سرغنہ تھا جو کئی عورتوں اور بچّوں کو بندی کر کے لایا تھا۔

"اُس کے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟" مَیں نے پوچھا۔

"صرف اٹھارہ"۔ عیدو نے جواب دیا۔

"صرف اٹھارہ"۔ مَیں نے تسلّی سے کہا۔" پھر کیا! ہم برابر تعداد کے ہیں اور موٹر کار اِس کے علاوہ ہے۔ اگر وہ لڑنا چاہیں تو ہم لڑیں گے۔"

عیدو کچھ متذبذب لگتا تھا۔" بہرحال اِس کے معنی یہ ہوں گے کہ مَیں اپنے قبیلے کے کئی آدمی کھو بیٹھوں۔ حالانکہ اگر ہم خواہش کو اپنے قبضے میں رکھنا چاہتے ہیں تو اِن سب کو ہمارے ساتھ ہونا چاہیئے۔ کیا جرنیل صاحب مجھے اجازت دیں گے کہ مَیں جا کر دیکھوں کہ کوئی ایسی صورت ہو سکتی ہے کہ مَیں عزّت کو لڑنے سے باز رکھ سکوں؟"

عیدو کی ترغیبی صلاحیتوں کو جانتے ہوئے مَیں نے اُسے فوراً اجازت

دے دی مگر اُس سے یہ بھی کہا کہ اپنی ذات کو خطرے میں نہ ڈالے کیونکہ علاقے کے متعلق وسیع معلومات رکھنے اور تمام سرحدیوں کی مختلف خصوصیات کی پہچان کی وجہ سے عیدو کا وجود میرے لئے قطعی طور پر ناگزیر تھا۔ مجھے اِس کے تسلیم کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں۔ میرے دل میں اِس شخص کے لیے ایک مخلصانہ شفقت کا جذبہ پیدا ہو چکا تھا۔ جب سے وہ مجھے ملا تھا اُس کے انتہائی خلوص، جاں نثاری اور وفاداری میں ذرّہ بھر بھی لغزش نہیں آئی تھی۔

"کوئی فکر نہ کرو صاحب!" اُس نے ایک کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ "آپ ہمارا قبائلی قانون جانتے ہیں۔ یہی ایک ایسا قانون ہے جس کی ہم کبھی خلاف ورزی نہیں کرتے۔"

عیدو آگے بڑھ گیا۔ اُس نے ایک محفوظ آڑ سے عزّت کو پکارا اور اُسے بتا دیا کہ وہ کون ہے اور پھر اُس سے ملنے کے لیے آنے اور واپس جانے کے لئے اپنے تحفظ کا قول مانگا جو فوری طور پر اُسے دے دیا گیا۔ اِس طرح عیدو بہادرانہ طور پر آگے گیا۔ اُسے یقین تھا کہ اُن کے قبائلی ضابطۂ اخلاق کے مطابق اُس کی زندگی اُس وقت تک محفوظ تھی جب تک کہ وہ اپنے دوستوں میں واپس نہ پہنچے۔

عزّت کے ساتھ اُس کی گفتگو نے بہت طول کھینچا۔ عزّت کو قائل کرنا مشکل تھا۔ مگر حسبِ سابق آخر کار عیدو کی چالاکی اور چرب زبانی اپنا کام کر گئی۔ جب وہ واپس آیا تو اُس نے مجھے بتا دیا کہ اُس نے عزّت اور اُس کے آدمیوں کو اِس بات پر آمادہ کر لیا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ اگر دوست

کی حیثیت سے خواہش نہیں آنا چاہتے تو دشمن کی حیثیت سے بھی نہ آئیں۔ بالآخر وہ غیر جانبدارانہ حیثیت سے ہمارے ساتھ آنے کو آمادہ ہو چکے ہیں۔

عیدو نے پھر مجھ سے اپنے وہ دلائل بیان کئے جو اُس نے وہاں دیئے تھے۔ عیدو، جس کے طریقۂ کار سے میں شناسا ہو چکا تھا، طبعی طور پر یہی دلائل دے سکتا تھا۔ اُن کے درمیان گفتگو تقریباً اِس طرح ہوئی:

"عزت! تم یہاں کیا کر رہے ہو جبکہ تمہارے گھر یہاں سے بہت دُور ہیں۔" عیدو نے پوچھا۔

"میں یہاں انگریز جرنیل سے لڑنے آیا ہوں۔ میں دیکھ بھال کرنے والے ایک دستے کی کمان کر رہا ہوں۔ نیز جُنید کو جو خواہش پر حملہ کر رہا ہے اطلاع بھجوایا کرتا ہوں۔"

"کیا میں آپ کی بات ٹھیک سمجھ سکا ہوں؟" عیدو نے کہا۔ "کیا تمہارا واقعی یہی مطلب ہے کہ تم جرنیل صاحب سے لڑنے کے اِرادے سے آئے ہو؟"

"بے شک۔" عزت نے جواب دیا۔

"پھر۔" عیدو نے اُس کا مضحکہ اُڑاتے ہوئے کہا۔ "میں تم سے بس اِتنا کہہ سکتا ہوں کہ تم چند لمحوں میں ملیامیٹ کر دیئے جاؤ گے۔ اگر تم لڑو گے تو اپنے کو بد قول ثابت کرو گے۔ جرنیل صاحب نے تم کو گرفتار کر لیا۔ تم کو اور تمہارے سب آدمیوں کو جان سے مار سکتا تھا۔ مگر اِس کے برعکس تم سے اچھا سلوک کیا، تمہاری رائفلیں تمہیں واپس دیں، بہت بڑی رقم دی اور تم کو

آزادی سے جانے دیا۔ مزید برآں تم نے کجاؤ کے مقام پر قرآن پر حلف اُٹھایا اور اقرار نامے پر اپنے انگوٹھے کا نشان بھی لگایا۔ تم خود کو اچھا مسلمان سمجھتے ہو کہ قرآن پر اُٹھایا ہُوا اپنا حلف توڑتے ہو۔ اِس کے علاوہ اے بیوقوف! تم یہ نہیں جانتے ہو کہ جرنیل صاحب اپنے ساتھ ایک حیرت انگیز شیطانی آلہ بھی لے آئے ہیں۔ اِدھر آؤ، میرے ساتھ اور اُسے دیکھ لو۔"

تب وہ عزّت کو اُس مقام پر لے گیا جہاں موٹر کار کھڑی تھی اور اُسے موٹر کار دِکھا کر کہا: "تم اُس عجیب چیز کو دیکھ رہے ہو جو وہاں کھڑی ہے، اور تم اُس کے اگلے حِصّے کو بھی دیکھتے ہو جس میں سینکڑوں چھوٹے چھوٹے سوراخ ہیں! جرنیل صاحب کو صرف ایک بٹن دبانا پڑے گا اور اُن سوراخوں میں سے اولوں کی طرح گولیوں کی بوچھاڑ ہونے لگے گی۔ تم اور تمہارے سب آدمی مارے جائیں گے۔ وہ صرف میری واپسی کا اِنتظار کر رہے ہیں۔ مَیں اِس لئے آیا ہُوں کہ تم اور تمہارے آدمیوں کی جان بچاؤں۔ اگر مَیں جا کر اُن سے کہہ دُوں کہ تم لڑنا چاہتے ہو تو وہ اُس بٹن کو دبا دیں گے اور تم میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچے گا۔ تمہارے لئے بس یہی ایک صورت ہے کہ اُس کے پاس جاؤ، اُس کے پاؤں پڑو اور کہہ دو کہ تم کو معاف کر دے۔"

عزّت بہت زیادہ مرعوب ہُوا اور اپنے آدمیوں کے ساتھ صلاح و مشورہ کرنے کے بعد اُس نے عیدو سے کہا کہ وہ اُس کا مشورہ قبول کرتا ہے۔ اگر وہ ابھی جا کر جرنیل صاحب سے درخواست کرے کہ وہ اُن کو اپنی موٹر کار سے

تباہ و برباد نہ کرا دے تو وہ چند منٹ بعد آکر ہتھیار ڈال دیں گے۔

عیدو کی باتیں سُن کر ایلن کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ لیکن پھر تھوڑی دیر بعد سنجیدہ ہو گیا۔ "جناب! کیا آپ اُن کے یہاں آنے کو محفوظ خیال کریں گے۔ وہ تو ایک وحشی گروہ ہیں اور جب وہ یہ معلوم کر لیں گے کہ عیدو نے اُن کو بیوقوف بنایا ہے تو وہ ہم پر حملہ نہ کر دیں اور اِس سے قبل کہ ہم اُن کو کوئی نقصان پہنچا سکیں، وہ ہمارے گلے نہ کاٹ دیں۔"

"مَیں جانتا ہُوں۔" مَیں نے کہا۔ "مگر ہم کو ریڈی ایڑ سے متعلق عیدو کی دھونس سے جہاں تک ممکن ہوگا، کام لینا ہوگا۔ اِس کے علاوہ ہم برابر کی تعداد میں بھی ہیں۔ البتہ ایک بات یاد رکھو! اُن کے سامنے ڈر یا شک کا اظہار نہ ہونے دو۔ اِس سے اُن پر کسی اور چیز سے زیادہ اثر پڑے گا۔"

لہٰذا ایلن اور مَیں ندی کے کناڈو کے سائے میں بیٹھ گئے جبکہ عزّت اور اُس کے آدمی آکر ہمارے سامنے نیم دائرے کی صورت میں بیٹھے۔ مَیں نے عزّت سے متعلق واضح الفاظ میں کہا کہ مَیں اُس سے متعلق کیا خیال کرتا ہُوں۔

اُس کا ذہن واضح طور پر عیدو کی باتوں سے جو کچھ اُس نے اُس سے کہی تھیں، متاثر معلوم ہوتا تھا کیونکہ وہ اپنی حرکت پر نادم اور معافی کا خواستگار تھا۔ اُسے کافی تنبیہ کرنے کے بعد مَیں نے مناسب خیال کیا کہ کچھ عالی ظرفی کا بھی مظاہرہ کروں۔ تب مَیں نے اُس سے کہا کہ مَیں صرف اِس صورت میں اُسے معاف کروں گا کہ وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ میرے پاس آئے اور میری

مدد کرے جب موٹر کار کے لئے مجھے اس کی ضرورت پڑے ۔ مَیں نے اُن کے سامنے وضاحت کر دی کہ اگرچہ یہ ایک شیطانی آلہ ہے مگر کبھی کبھی ریت اس میں رُکاوٹ ڈالتی ہے اور اِسے انسانی اِمداد کی ضرورت پڑتی ہے ۔

جو کچھ مَیں نے کہا اور مطالبہ کیا عزّت نے اُسے پُورا کرنے کا وعدہ کیا ۔ اُس نے ساتھ ہی یہ پیشکش بھی کر دی کہ اگر مَیں چاہُوں تو وہ میرے لئے لڑنے کو بھی تیار ہے ۔

مَیں نے اُس کی یہ آخری پیشکش سختی سے ٹھکرا دی کیونکہ یہ غلط بات تھی کہ وہ میرے لئے اپنے قبیلے کے خلاف لڑے گا اور مَیں جانتا تھا کہ جب تک لینڈون اپنی مختصر فوج کے ساتھ نہ پہنچے ہمیں ہر وقت عزّت کی غدّارانہ حرکتوں کے خلاف چوکنّا رہنا پڑے گا ۔

گو کہ مَیں عزّت سے بچ نکلا لیکن اُس کی حرکتوں سے اب تک مطمئن نہیں تھا ۔ مجھے یہ اِطلاع بھی ملی کہ خواشس پر قبضہ کرنے کے لئے جُنید کی تیاریاں میری توقع سے زیادہ تیز نکلیں اور وہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ خواشس کی طرف روانہ ہو چکا ہے اور یقینی طور پر کل خواشس پہنچ جائے گا ۔

اِس کے معنی یہ تھے کہ ہم کو ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہیئے ۔ مَیں سمجھتا تھا کہ کل شام کو اگر ہم خواشس پہنچ سکیں تو ہماری رسائی بروقت ہوگی مگر اب ہم کو ہر حالت میں کل صبح خواشس پہنچنا تھا اور اِس کے لئے ہمیں سرپٹ دوڑنا ہوگا ۔

شام قریب آ رہی تھی ۔ بجائے اِس کے کہ ہم رات کو قیام کرتے جیسا کہ پہلے میرا خیال تھا اور دن کو اُن پہاڑوں کو جو ہمارے اور اُس وادی کے درمیان جس

میں خواہش واقع ہے پار کرتے، اب یہ ضروری ہو گیا تھا کہ راتوں رات اِن پہاڑوں کو طے کر لیں۔

ایلین سے جب میں نے اپنے فیصلے کا اظہار کیا تو وہ تذبذب میں پڑ گیا۔ "میں اس کی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتا جناب! کہ میں کار کو اِن پہاڑوں سے پار کر سکوں گا۔" اس نے کہا۔ "عید و کہتا ہے کہ یہ پہاڑ اُن پہاڑوں سے بدتر ہیں جو لادِ ز کے قرب و جوار میں تھے اور آپ جانتے ہیں کہ دِن کی روشنی میں اِن کو پار کرتے وقت ہمیں کیا کچھ کرنا پڑا۔ مگر پھر بھی میں اپنی بساط بھر کوشش کروں گا۔"

اگر کسی شخص نے اپنی بساط بھر کوشش کی ہو تو اِتنی ہی کی ہو گی جتنی اُس رات کو ایلین نے کر دکھائی۔

ہمیں پہاڑوں کا یہ طویل سلسلہ راستے کے کسی نشان کے بغیر، پہاڑی ندی نالوں سے کٹی پھٹی سطح زمین، ہوا سے اُڑتی ہوئی ریت کے ٹیلوں سے بھری ہوئی وادیاں اور دلدلی پگڈنڈیاں، اس اندھیری رات میں جو صرف ستاروں اور موٹر کار کی بتیوں سے روشن تھی، طے کرنی تھیں۔

نچلے ڈھلوانوں میں ہم بار بار تنگ کنارے والے گہرے نالوں میں پھنستے رہے اور پھر ریگیوں، عزت کے آدمیوں کی مجموعی کوششوں اور اس مضبوط رسّے کی مدد سے جو ہمیشہ موٹر کار میں ہمارے ساتھ ہوتا تھا ہم موٹر کار کو کھینچ کھینچ کر نکالتے رہے۔ بارہا ہمیں یہ خیال بھی آتا رہا کہ اپنی کوششوں کو ترک کر کے دن کی روشنی کا اِنتظار کریں۔ مگر ایلین جو ایک شریف خاندان سے

تھا یہ جانتا تھا کہ ہمارا پہلے خواہش پہنچا تمام سرحدیں برطانوی وقار کے لئے کتنی اہمیت رکھتا ہے اور ہماری برتری قائم رکھنے کے لئے کتنا ضروری ہے۔

لہٰذا ایلن اپنے کام میں جُٹا رہا اور جب مشکلات ناقابلِ عبور معلوم ہوتیں تو وہ بار بار بڑبڑاتا۔ "میں ایک انگریزی بُل ڈاگ (Bull Dog) ہوں میں ہار نہیں مانوں گا۔" بعد ازاں ایلن کا یہ بیان ہمارے آدمیوں میں جب انہیں کوئی مشکل پیش آتی، ایک مقولہ بن گیا۔

مگر ایک مقام پر جبکہ ہم ایک ایسی بدترین سطح زمین پر سے گذر رہے تھے جس کی مثال میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی تھی، ہماری موٹر کار تقریباً بازی ہار چکی تھی۔ ہم ایک ایسے مقام پر پہنچے تھے جس سے چکر کاٹ کر نکلنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس جگہ زمین کی پرت سلیٹ کے پتھروں اور مُردہ سنگ کی تہہ در تہہ سطحوں پر مشتمل، شاخ در شاخ اوپر کو اُٹھی ہوئی تھی۔ سلیٹ کے ان پتھروں پر موسم بہت آسانی سے اپنا کام کر چکا تھا اور پھر مُردہ سنگ (صوان) کے ایسے نوکیلے پتھر تھے جو سلیٹ کے پتھروں سے بھی زیادہ پتلے اور خنجر کی طرح نوکدار ہر طرف دُور دُور تک اوپر کو اُٹھے ہوئے اور پھیلے ہوئے تھے۔ ان پتھروں نے بلا مبالغہ چند منٹوں میں ہی موٹر کار کے ٹائروں اور ٹیوبوں کی دھجیاں اُڑا دیں۔ اگر ہم یہاں پر ان ٹائروں اور ٹیوبوں کو تبدیل کر دیتے تو نتیجہ تباہ کُن نکلتا۔ اس لئے ہم موٹر کار کو واقعی اُس کی رموں (Rims) پر گھسیٹ کر لے گئے۔ ہماری اس کیفیت کا بخوبی تصور کیا جا سکتا ہے کہ جب ہم اس وحشتناک قطعۂ زمین کو پیچھے چھوڑ گئے تو میری غریب موٹر کار کس قدر قابلِ رحم حالت

میں تھی۔ خوش قسمتی سے ایلین کے پاس کافی تعداد میں فالتو ٹیوب اور چار نئے ٹائر موجود تھے۔ اِن کو ڈال کر ہم پھر روانہ ہو گئے۔ مگر زمین تب بھی اِس قدر خراب تھی کہ ہر میل یا دو میل پر پنکچر ہو جاتا تھا۔ ٹیوب یا تو تبدیل کر دیئے جاتے یا پنکچر لگا دیئے جاتے۔ یہ بھی خیال رہے کہ گرمی رات کو بھی انتہائی شدید تھی۔ مَیں بلا مبالغہ یہ کہتا ہُوں کہ اِس ایک رات کا سفر میرا بدترین سفر تھا جو دُنیا کے کسی حصّے میں مَیں نے کیا ہو۔

صبح کے نمودار ہونے سے قبل ہم سب تھک کر چُور ہو گئے تھے اور انتہائی کوششوں کے باوجود ہماری آنکھیں وقتاً فوقتاً بند ہو جاتیں اور سر لُڑھک جاتے۔ یہاں تک کہ اُس توانا بل ڈاگ ایلین پر بھی فطرت غالب آگئی۔ عین اُس وقت جبکہ سپیدۂ سحر نمودار ہُوا وہ وِیل (Steering Wheel) پر جم کر بیٹھا ہُوا تھا کہ ایک لمحہ کے لیے اُس کی آنکھیں بند ہوئیں اور یہ ایک لمحہ ہمارے لئے تباہ کُن ثابت ہُوا۔ موٹر کار اُس راستے سے جس پر ہم موٹر کی بتّیوں کی روشنی میں جا رہے تھے ذرا سی ہٹ گئی اور آنِ واحد میں اُس نالے کے کنارے سے جس پر ہم جا رہے تھے نالے کی ریتلی تہہ میں جا گری۔ چند منٹ بعد ہمارے نیچے کی وادی میں خواش کی دیواروں کو چمکاتے ہُوئے سُورج طلوع ہُوا، خواش جو یہاں سے بمشکل پانچ میل کے فاصلے پر تھا۔

ایلین، حالات کی موجودہ صورت سے جو اُس کے ایک لمحہ کی غفلت سے پیدا ہُوئی اپنے آپ کو کوستا اور جھنجھلاتا رہا مگر نقصان ہو چکا تھا اور ہم اپنے تجربے سے جانتے تھے کہ موٹر کار کو یہاں سے نکالنے میں کتنا وقت لگے گا

لہٰذا ہم نے اُسے وہاں پر چھوڑ دینے اور خواشش کی طرف پوری رفتار سے چھٹنے کا فیصلہ کیا۔

مَیں نے عزّت کے اپنے اونٹ کو جو زیادہ آرام دہ لگتا تھا اپنے لئے پسند کیا۔ ایلن کو راضی کیا گیا کہ وہ بھی ایک اونٹ پر چڑھے اور رعید دنے دُوسرے بہتر نظر آنیوالے اُونٹ کو اپنے لئے چُن لیا۔

مَیں نے عزّت کو حکم دیا کہ وہ میرے قریب رہ کر ساتھ ساتھ چلے کیونکہ اب مَیں اُس پر ایک لمحہ کے لئے بھی اعتبار نہیں کر سکتا تھا بالخصوص موٹر کار کے ناکام ہونے کے بعد سے مَیں سمجھ گیا تھا کہ اب اُس کا وہ پہلا حیرت انگیز اثر زائل ہو چکا ہے۔ اب ہم جس قدر تیزی سے جانوروں کو دوگامہ دوڑا سکتے تھے اپنے "لکہ" کی طرف دوڑاتے چلے گئے۔ البتہ یہ سوال برابر ہمارے ذہنوں پر سوار تھا کہ "آیا ہم وقت پر پہنچ سکیں گے یا جنید ہم سے پہلے پہنچ چکا ہے"۔

آٹھواں باب

قلعے (خواشس) کے قریب پہنچ کر ہم بدستور شک میں تھے کہ آیا جنید نے اِس پر قبضہ کر لیا ہے یا نہیں! ایلن نے اپنے اونٹ پر سے مُڑ کر کہا: "کس طرف کو بھاگیں جناب؟ اگر ہم کو بھاگنا پڑے۔"

مَیں ہنس پڑا۔ گو کہ مَیں اُس کی پیش بینی کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

"ایلن! اب کہیں بھاگنا نہیں ہے۔ اگر جنید خواشس میں نہیں ہے تو پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اور اگر وہ وہاں پر ہے تب میری اِس بات پر یقین کر لو کہ ہم بازی ہار گئے اور ہم میں سے کسی کے لئے بھاگنے کی گنجائش باقی نہیں ہے۔"

اب ہم قلعے کے اِس قدر قریب تھے کہ ہم نے ایک آدمی کو میناروں میں سے ایک کے اُوپر کھڑا دیکھا۔ کیا وہ ہمارے اُن آدمیوں میں سے ہے جو ہم نے وہاں چھوڑے تھے یا کوئی یار محمد زئی ہے۔ لیکن تھوڑی دیر بعد ہم نے اُس کی وردی پہچان لی۔

ہم بر وقت پہنچ چکے ہیں۔ بالآخر ہم پہلے خواشس کے قلعے میں داخل ہوں گے۔ مَیں نے خوشی سے اپنی فولادی ٹوپی سر سے اُوپر اُٹھا کر ہوا میں لہرائی تاکہ اُس شخص کو معلوم ہو کہ مَیں دشمنوں میں سے نہیں ہوں کیونکہ وہ آسانی سے

ہمیں غلط آدمی خیال کر سکتا تھا۔ یہ دیکھ کر کہ ہم سب اونٹوں پر سوار ہیں اُس نے تھوڑی دیر توقف کیا اور پھر ہمارے اشارے کو سمجھا۔ مینار سے اُترا۔ دیواروں کو خیر باد کہا اور ہم سے ملنے کو دوڑ پڑا۔ وہ پُر تسکین جذبات سے تقریباً آپے سے باہر ہو چکا تھا۔

"آپ بالکل وقت پر پہنچے صاحب!" اُس نے کہا: "شاہسوار ایک بڑے لشکر کے ساتھ پہنچ چکا ہے اور اُس نے قریب ہی پڑاؤ کیا ہے۔ ہم صبح سے اُس کے حملے کی توقع رکھتے رہے ہیں۔ جلدی سے قلعہ کے اندر آجائیں ورنہ اب بھی آپ کو بہت دیر ہو گی۔"

ہمیں مزید دعوت دینے کی ضرورت نہ تھی۔ اُونٹوں کو تیز دوڑاتے ہوئے تھوڑی دیر میں ہم سب قلعے کی کچی مٹی کی مضبوط دیواروں کے اندر محفوظ تھے۔

ایک لمحہ ضائع کئے بغیر ہم نے حفظِ ماتقدّم کے طور پر قلعے کے دفاع کا انتظام کرنا شروع کیا۔ لیڈون کی سپاہ کی آمد سے قبل جس قدر ممکن ہو سکتا تھا ہم نے کیا۔

پلٹن کے وہ پانچ سپاہی جو قلعے کا محافظ دستہ تھا اُن کو قلعے کے سب سے اونچے مینار پر متعیّن کیا اور مَیں نے بھی وہاں قیام کیا۔ اِس برتر مقام سے مَیں نہ صرف تمام وادی کو اچھی طرح سے دیکھ سکتا تھا بلکہ قلعے کے اندر کی اِنچ اِنچ زمین بھی میری نظروں میں تھی۔ عیدو کے آدمیوں نے باقی تینوں میناروں کو سنبھال لیا جبکہ عزّت کے تمام آدمیوں کو مُربّع کے اندر مرکز میں رکھا گیا جہاں سے اُن پر کڑی نگرانی کی جا سکتی تھی۔ خود عزّت کو مَیں نے اپنے قریب

رکھا۔ کیونکہ عیدو نے جو اُسے خوب جانتا تھا اور اُس پر ذرّہ بھر بھروسہ نہیں کرتا تھا مجھے ہدایت کی تھی کہ مَیں ذاتی طور پر اُس پر کڑی نگرانی رکھوں۔

ہماری پوزیشن اب اتنی محفوظ تھی جتنی ہماری مختصر تعداد سے اُس وقت ممکن تھی۔ اب ہم اُس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتے تھے کہ بیٹھ کر حالات کا انتظار کریں۔

عیدو جو مجھ سے کبھی علیحدہ نہیں ہوتا تھا اب اُس نے مجھ سے اجازت مانگی تاکہ قلعے سے باہر جا کر خواشیوں سے معلومات حاصل کرے۔ اُس نے کچھ رقم کا بھی مطالبہ کیا تاکہ اُن کو رشوت دی جا سکے۔

"ایک معمولی رقم اُن کا منہ کھول دے گی صاحب!" اُس نے مجھے ترغیب دیتے ہوئے کہا۔ "اور وہ یقیناً شاہسوار اور جُنید کی نقل و حرکت سے متعلق سب کچھ جانتے ہیں۔"

چونکہ اب تک ہمیں کوئی دشمن نظر نہیں آ رہا تھا مَیں نے اُسے جانے کی اجازت دے دی اور جو کچھ رقم میری جیبوں میں تھی اُس کے حوالے کر دی۔

واپسی پر اُس نے مجھے بتایا کہ اُسے صحیح معلوم ہُوا ہے کہ شاہسوار اور اُس کے آدمی کہاں ٹھہرے ہیں اور پھر اُس نے تجویز کیا کہ وہ جا کر شاہسوار سے گفت و شنید کر کے آئے گا۔

اوّل تو مَیں نے بالکل انکار کر دیا۔ عیدو اپنی سحر انگیز زندگی کو خطرے میں ڈال کر باہر نہیں جا سکتا، کیونکہ شاہسوار ایک غدّار اور چھٹا ہُوا بدمعاش تھا۔ مَیں نے کہا کہ اگر شاہسوار اُسے قتل نہ بھی کرے تو بھی اُسے پکڑ کر بطور یرغمال اپنے

پاس رکھے گا۔ اور مَیں اُس کے بغیر کچھ نہیں کر سکوں گا۔ اس کا نقصان میرے لئے ناقابلِ تلافی ہو گا۔

عیدو میرے اِن تعریفی جملوں سے بہت خوش ہُوا مگر بضد رہا کہ اُس کا منصوبہ بہترین ہے۔

"آپ نے بارہا دیکھا ہے صاحب! کہ جو کچھ مَیں نے آپ سے کہا ہے وہ ہمیشہ صحیح نکلا ہے۔ کوئی سرحدی اپنے دشمن کو تحفّظ کا قول دینے کے بعد اُس کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔"

"مَیں جانتا ہُوں۔" مَیں نے جواب دیا۔ "مگر تم نے شاہسوار سے اب تک ایسا قول حاصل نہیں کیا ہے۔ اُس کے بغیر مَیں تم کو نہیں جانے دُوں گا۔"

عیدو جس کو اپنی ترغیباتی قوّتوں پر پُورا بھروسہ تھا، قائل نہیں ہُوا۔ اُس نے دلیل دی کہ یہ ایک بہت ہی آسان کام ہے۔ خواشیوں میں سے جو باہر پڑاؤ ڈالے پڑے ہیں ایک کو رشوت دے کر شاہسوار کے پاس بھجوا دیا جائے گا جو اُس سے تحفّظ کا مطلوبہ قول لے کر آئے گا۔

بالآخر انتہائی بددلی کے ساتھ مَیں صرف اُس صورت میں اُس کو جانے کی اجازت دینے پر رضامند ہُوا کہ بشرطیکہ شاہسوار پُوری ذمہ داری کے ساتھ یہ اقرار کرے اور ضمانت دے کہ اگر عیدو بطور قاصد اُس کے پاس جائے تو اُس کے ساتھ کسی قسم کا دھوکا اور غداری نہیں کرے گا۔

بہرحال مناسب وقت پر یہ یقین دہانی پہنچ گئی اُس لئے مجھے عیدو سے اپنا وعدہ نبھانا پڑا اور اُسے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ گو کہ اُس

قول و قرار کے باوجود بھی میں شاہسوار پر اعتبار نہیں کرتا تھا۔ بہر حال ایک دفعہ پھر مہمانداری کے اُس مقدس قانون پر عیدو کا اعتماد درست ثابت ہُوا۔

میں اپنے مینار سے اُسے جاتے ہُوئے دیکھتا رہا مگر وہ بہت جلد ریت کے ٹیلوں اور بلند ایستادہ فصیلوں میں جو قلعہ اور شاہسوار کے پڑاؤ کے درمیان تقریباً تین میل تک پھیلی ہُوئی تھیں، نظروں سے غائب ہو گیا۔

عیدو تقریباً تین گھنٹوں تک قلعے سے باہر رہا اور میں اس دوران بیحد پریشان رہا۔ مجھے صرف اس وقت تسلی ہُوئی جب میں نے اُسے اپنی مہاری پر سوار واپس آتے ہُوئے دیکھا۔

عیدو اپنے مشن کی کامیابی پر بہت خوش تھا۔ اُس نے مجھے شاہسوار کے ساتھ اپنی ملاقات کی تفصیلی روئداد سنائی۔ حسب سابق شاہسوار کے پڑاؤ میں پہنچ کر اس نے ایک تحکمانہ لہجہ اختیار کیا اور فوراً ایک نفرت بھرے انداز سے سردار (شاہسوار) کے پاس پہنچ گیا۔

"اس سے مجھے یہ نظر آ رہا ہے کہ تم خود کو بیوقوف ثابت کرنا چاہتے ہو۔ آخر تم یہاں کیا کرنا چاہتے ہو جبکہ جرنیل صاحب خواشش میں تمہارا انتظار کر رہے ہیں"۔ عیدو نے کہا۔

پہلے تو عیدو نے اس کی باتوں پر اعتبار کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ یہ ممکن نہیں کہ جرنیل گجاؤ سے اس وقت خواشش پہنچ سکا ہو۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ عیدو نے جس خواشی کو شاہسوار کے پاس بھیجا تھا اُسے قسم دی تھی کہ وہ شاہسوار کو خواشش میں میری موجودگی اور عیدو کی ملاقات کی خواہش

اور حفظ ما تقدم کے لئے اُس سے وعدہ لینے کی وجوہات سے متعلق کچھ نہیں بتلائے گا۔ وہ خواشی اپنی قسم کا پابند رہا تھا۔

مگر جب عیدو اپنی بات پر بضد رہا اور کہا کہ ممکن ہو یا نہ ہو جرنیل صاحب ایک بڑی فوج کے ساتھ خواش پہنچ چکا ہے اور ایک بڑی امدادی فوج اُس کی کمک کو پیچھے آ رہی ہے اور بہت جلد خواش پہنچ جائے گی، تب شاہسوار نے حیران ہو کر پوچھا کہ آخر یہ کیسے ممکن ہو سکا؟ وہ اِس علاقے کو جو کچاؤ اور خواش کے درمیان واقع ہے بڑی اچھی طرح سے جانتا تھا۔ اِس لئے اُسے یقین نہیں آتا تھا کہ یہ فاصلہ اُس وقت کے بعد کے مختصر عرصے میں جبکہ اُس نے جرنیل کو خود کچاؤ میں دیکھا تھا، طے کیا جا سکتا ہے۔

عیدو نے جواب دیا کہ بہر حال یہ صحیح ہے کہ جرنیل صاحب موٹر کار میں آئے ہیں اور میں خود بھی اِس میں آیا ہوں۔

"موٹر کار کیا ہوتی ہے؟" شاہسوار نے پوچھا۔ "اور وہ پہاڑوں کے اُوپر سے کیسے آ سکتی ہے؟"

"موٹر کار" عیدو نے کہا (اور یہ اُس کا اپنا بیان ہے) "ایک جہنمی مشین ہے جو ہر پہاڑ پر جس تیزی سے تم چاہو چڑھ سکتی ہے، چاروں طرف گولیوں کی بوچھاڑ کر سکتی ہے۔ نہ تم اور نہ کوئی اور جو اُس سے لڑنا چاہے، بچنے کی ذرہ بھر بھی اُمید رکھ سکتا ہے۔"

اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہسوار فیصلہ نہیں کر سکتا تھا کہ آیا عیدو کے اِس عجیب و غریب بیان پر اعتبار کرے یا نہ کرے۔ تب اُس نے ایک

قرآن نکالا جو ہر سرحدی اپنے لباس کے اندر کہیں نہ کہیں چھپائے رکھتا ہے۔

"کیا تم قرآن پر قسم کھا کر کہہ سکتے ہو کہ جرنیل صاحب خواشش میں ہے اور یہ کہ وہ واقعی اُس حیرت انگیز شے میں جس کو تم موٹر کار کہتے ہو پہاڑوں کے اُوپر سے آیا ہے اور وہ موٹر کار خواشش میں ہے۔" شاہسوار نے پوچھا۔

عیدو نے دانت پیستے ہوئے مجھ سے کہا۔ "بے شک جناب! میں نے ان تمام باتوں کی قسم کھائی ہے گو کہ میں جانتا تھا کہ ہم موٹر کار کو بہت دُور ریت کے ٹیلوں میں چھوڑ آئے ہیں لیکن میں جانتا تھا کہ وہ آپ کو کتنی عزیز ہے۔ اِس لئے میں نے قیاس کر لیا تھا کہ آپ نے اُسے لے آنے کو خواشیوں کا ایک گروہ ضرور بھیج دیا ہوگا۔"

واقعی میں نے ایلن کے تقاضے پر ایسا ہی کیا تھا۔ وہ اِس خیال سے بہت دل شکستہ ہو چکا تھا کہ ہم موٹر کار کو لاوارث چھوڑ آئے ہیں۔ فرماں بردار خواشیوں نے تھوڑی دیر پہلے اُسے کھینچ تان کر قلعے کے اندر پہنچا دیا تھا۔

"کیا شاہسوار ہم پر حملہ کرنے کو آ رہا ہے؟" میں نے عیدو سے پوچھا۔

"نہیں صاحب! یہ سچ ہے کہ وہ آ رہا ہے مگر جب وہ آئے گا تو وہ معقول بات کرے گا۔ وہ یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرے گا کہ اُس کا مقصد آپ سے لڑنے کا ہرگز نہیں تھا۔ وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ محض اِس لئے آیا تھا کہ آپ کو خوش آمدید کہے اور آپ کی عزت افزائی ہو۔"

اسی دوران شاہسوار بھی پہنچ گیا۔ جب عیدو نے مجھے اطلاع دی کہ وہ پہنچ رہا ہے تو میں اُس سے ملنے کو قلعے سے باہر گیا کیونکہ میں یہ بالکل نہیں

چاہتا تھا کہ وہ قلعے کے اندر آ کر دیکھ لے کہ یہاں کتنے تھوڑے آدمی ہیں اور نہ ہی
مَیں اُسے یہ موقع دینا چاہتا تھا کہ وہ عزت کے کسی آدمی سے بھی بات کر سکے۔
مَیں نے جس قدر ممکن ہو سکتا تھا شاندار طریقے سے اُس کا استقبال کیا اور مَیں نے بظاہر
اُس کی اِس یقین دہانی کو بھی تسلیم کیا کہ وہ ایک دوستانہ نیت اور اِس غرض سے آیا
ہے کہ میری عزت افزائی کرے البتہ مَیں نے اُس سے کہا کہ فی الوقت وہ میرے
پاس بطور ایک قیدی یا مہمان کے رہے گا جب تک کہ اُس کا سردار اعلیٰ جنید نہ
آئے اور نیک چلن رہنے کی یقین دہانی نہ کرائے۔ پھر مَیں نے دانستہ طور پر اُس سے
پوچھا کہ اُسے جنید کے آنے کی کب تک اُمید ہے۔

اُس نے جواب دیا کہ بڈھا سردار اِسی شام کو قلعے کی دیواروں کے باہر
پہنچ جائے گا۔ اب وہ یہاں سے صرف چند میلوں کے فاصلے پر ہے۔

مَیں نے شاہسوار کو پہرہ داروں کی نگرانی میں رکھ لیا اور عید و کو حکم دیا کہ
اپنے آدمیوں میں سے ایک معتمد شخص کو منتخب کرے اور یہ شخص یہاں کے اونٹوں میں
سے ایک تیز رفتار اونٹ پسند کر کے فوراً روانہ ہو جائے اور ہماری پہنچنے والی
افواج کے پاس جا کر میجر لینڈ ڈون کو میرا خط پہنچا دے۔ اِس خط میں مَیں نے
میجر لینڈ ڈون کو لکھا کہ میرا پیغام ملتے ہی وہ رسالے کو فوراً روانہ کر دے تاکہ
اگر ہمیں حالات پر قابو پانا ہے تو وہ اِسی رات کو یا کل علی الصبح بلا تاخیر قلعے کے
اندر پہنچ جائیں۔ پلٹن اور سامانِ رسد کے لادو اونٹ ان کے پیچھے جہاں تک
جلد ممکن ہو سکے رسالہ کے تحفظ کے بغیر روانہ ہوں۔

مَیں نے یہ حکم اِس لئے دیا کیونکہ مَیں جانتا تھا کہ کسی بھی لمحے، کسی بھی

جاہل خواشی کے ذریعے ہماری صحیح طاقت اور کمزوری ظاہر ہو جائے گی۔ اِس سے بدتر یہ بھی ممکن تھا کہ قلعے کے اندر سے کوئی مشتبہ غدار یہ اطلاع باہر پہنچا دے۔ اِس پر زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ بہت آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اگر ہماری امدادی فوج کے پہنچنے سے قبل ہماری حقیقت کا جُنید کو علم ہو جائے تو وہ اور شاہ سوار کے آدمی مل کر اِس قابل ہوں گے کہ ایک مختصر عرصے میں قلعے کو ہم سے چھین لیں۔

ہمارے چھکے اُس وقت چھوٹ گئے جب شام کو ہمیں معلوم ہُوا کہ جُنید ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ قلعے کے بالکل قریب پہنچ گیا ہے اور ہمارے نزدیک پڑاؤ ڈال کر ہم پر حملہ کرنے کی فوری تیاری کر رہا ہے۔

عیدو نے ایک بار پھر اپنی چال آزمانے کی پیشکش کی۔ اب یہ وقت کے خلاف دوڑ لگانا تھا۔ اگر لیفڈون رات کو ہم تک پہنچ سکا تو ہم جُنید کو ٹھینگا دکھا دیں گے اور اگر وہ نہ پہنچ سکا تو سمجھ لو کہ ہمارا کام تمام ہو گیا۔ اِن حالات میں وقت حاصل کرنا چند گھنٹوں کے لیے ہی سہی، ہمارے لئے سب کچھ تھا۔ لہٰذا پہلے کی طرح اپنے تحفظ کا وعدہ حاصل کرنے کے بعد جُنید سے ملنے اور ایک بار پھر اپنی دھونس دھمکی کا کھیل کھیلنے کو عیدو قلعے سے باہر چلا گیا۔

مگر جب وہ واپس آیا تو اُسے اپنے مشن کی کامیابی پر بڑا شک تھا۔ اُس نے جُنید سے کہا کہ جرنیل اُس سے پہلے خواش کے قلعے میں پہنچ چکا ہے اور یہاں موٹر کار کے ذریعے پہنچا ہے۔ پھر اُس نے موٹر کار کی ماورائی طاقتوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور اُسے بتا دیا کہ جرنیل کی تمام فوج خواش میں ہے

جو سب موٹر کاروں میں آئی ہے۔ جو سب عجوبے ہیں لیکن جرنیل کی موٹر کار کی طرح حیرت انگیز نہیں ہیں (اِس وقت عیدو کی تخیلاتی قوت بلندیوں پر تھی)۔ جنید البتہ اِس حقیقت سے آشنا تھا کہ شاہسوار جرنیل سے لڑنے کی حماقت کا احساس کر چکا ہے اور اُس سے دوستانہ ملاقات کر کے اطاعت پذیر ہو چکا ہے۔ عیدو نے جنید سے مزید کہا کہ جرنیل کو اُس کی غداری، خواش کی طرف روانگی اور وہاں پر اُس سے لڑنے کے ارادے کا علم ہو چکا ہے، اِس وجہ سے جرنیل بہت غصّے میں ہیں اور اُس سے لڑنے کو بالکل تیار ہیں۔ عیدو نے جنید سے کہا کہ میرا تم کو فوری مشورہ یہ ہے کہ کل صبح کے گیارہ بجے تک خود کو قلعے کے سامنے جرنیل کے روبرو پیش کرو اور اُن سے معافی مانگ لو۔"

"کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ اِس وقت تک انتظار کرے گا؟" میں نے عیدو سے پوچھا

"میں نہیں جانتا صاحب!" عیدو نے جواب دیا اور تھوڑی دیر کے لئے اُس کے خوش کن جذبات کی رَو ماند پڑ گئی۔ "مجھے بالکل یقین نہیں آتا کہ جو کچھ میں نے کہا اُس میں سے ایک لفظ پر بھی جنید نے اعتبار کیا ہو۔ اگر اُسے میری باتوں پر یقین نہیں آیا تو آج رات کو وہ ہم پر ہلّہ بول دے گا۔" اور پھر عیدو ایک معنی خیز انداز سے خاموش ہو گیا۔

ہم سب سمجھ گئے کہ کچّی دیواروں کے اِس قلعے میں (جو اگرچہ فریقین کے لئے بہت اہم تھا) ہم مٹھی بھر آدمیوں کا ایک گروہ تھے۔ دشمن کے دو بڑے لشکروں کے درمیان جو باہر پڑاؤ ڈالے پڑے تھے۔ اگر اُن میں سے کسی ایک لشکر کو بھی ایک دفعہ حقیقتِ حال معلوم ہو گئی تو ہم کو چند ہی گھنٹوں میں نیست و نابود کر

ڈالے گا اور اگر اُنہوں نے متفقہ حملہ کر دیا تب ہمیں اتنی مُہلت بھی نہیں مل سکے گی۔

ہمارے لئے یہ ایک انتہائی مایوس کُن اور حیرت انگیز رات تھی۔ ہماری کامیابی یا ناکامی کا دارومدار لینڈون کو میرا پیغام پہنچنے پر تھا۔ اگر کسی حادثے کی وجہ سے یا کسی اور غیر متوقع پیش آمد کی وجہ سے اس نے اپنی فوج روک لی یا اُس کے روانہ کرنے میں تاخیر کر دی، پھر یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ہمارا سب کچھ ختم ہو گیا۔ ہم آنیوالی صبح کے بعد دھونس و دھمکی کے کھیل پر مزید بھروسہ نہیں کر سکیں گے۔ خواشیوں میں سے کچھ لوگوں سے یقینی طور پر، جس طرح کہ کل کے سورج کے طلوع ہونے کا یقین ہے، یار محمد زئی کے آدمی ضرور پوچھ گچھ کر لیں گے۔ اور اگر ایسا کیا گیا تو قلعے کے اندر ہمارے محافظ دستے کی حقیقت اُن سے اُگلوا لی جائے گی۔

مَیں نے پلٹن کے پانچوں آدمیوں کو اس خطرے سے جو ہمیں درپیش تھا خبردار کیا اور اُن سے کہہ دیا کہ اس رات کو کسی کو سونا نہیں ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنی آنکھوں کو رات کی تاریکی میں ہر متحرک شئے پر جمار کھنا چاہیئے۔ ممکن ہے وہ شئے حملہ آوروں کا پیش دستہ ہو۔

مَیں نے خود بھی سونے کی بالکل کوشش نہیں کی بلکہ رات بھر گھومتا اور دیکھتا رہا کہ ہر آدمی اپنی جگہ پر قائم اور بیدار ہے اور یہ کہ عزت کے آدمیوں میں بھی کوئی کھسر پھسر اور حرکت تو نہیں ہو رہی۔

یہ رات جو بالکل ختم نہ ہونیوالی معلوم ہوتی تھی بالآخر ختم ہونے کو آئی اور

جُوں ہی سپیدۂ سحر نمودار ہُوا مَیں سب سے اونچے مینار پر چڑھا تا کہ روایتی "اپنے بہن" (Sister Anne) کی طرح یہ دیکھوں کہ شاید کوئی شخص آرہا ہو۔

اس وقت تک فوج کا جو شمال کی طرف سے آنیوالی تھی، کوئی نشان نہ تھا۔ میرے جذبات ڈوب گئے۔ پھر مَیں نے مضطرب حالت میں مشرق کی طرف دیکھا اور پھر جنوب کی طرف، جن اطراف میں جُنید، شاہسوار اور اُن کے آدمیوں کے پڑاؤ تھے، وہاں بھی کوئی حرکت نظر نہیں آئی۔ لیکن یہ بے سُود تھا۔ کیونکہ مَیں جانتا تھا کہ اُن کے آدمی، جبکہ وہ دیکھے جا سکیں، چھُپتے چھُپاتے اُن خوب اونچی اُگی ہُوئی فصلوں کی آڑ میں قلعے کی دیواروں کے نیچے پہنچ سکتے ہیں۔

ایک دفعہ پھر میری نگاہیں شمال کی طرف اُٹھیں۔ گھنٹے گذرتے رہے اور ہر گھنٹے کے ساتھ میری بے چینی بڑھتی رہی۔ لینڈون کو کیا واقعہ پیش آیا؟ آیا وہ وقت سے پُوری طرح فائدہ اُٹھا سکنے کے قابل رہا ہے اور یا اُسے جیسا کہ آسانی سے پیش آسکتا ہے، کوئی حادثہ پیش آیا ہے اور وہ اب تک ایک دن کی منزل کے فاصلے پر ہم سے دُور ہے۔

اچانک مَیں نے شمال کی طرف سے گرد کا ایک چھوٹا سا بادل اُٹھتے ہُوئے دیکھا اور میرا دِل دھڑکنے لگا۔ گرد کے بادل میں سے ایک واحد شتر سوار اُبھرا۔ اُونٹ نے میدان کو برق رفتاری سے طے کیا اور جب وہ قلعے کی دیواروں کے پاس پہنچا، مَیں بھاگ کر بڑے دروازے کی طرف گیا کہ دیکھوں یہ شتر سوار کون ہو سکتا ہے۔

وہ میرا دوست سرحدار تھا اور جس انداز سے وہ مجھ سے ملا میں اس قدر متاثر ہُوا کہ الفاظ میں اُسے بیان نہیں کر سکتا۔ گو کہ ہم ایک بڑی اُلجھن میں تھے لیکن اس نے اپنے ہاتھ میرے گرد ڈال دیئے اور انتہائی محبت سے مجھ سے بغل گیر ہُوا۔ اُس نے کہا کہ مجھے آپ کو زندہ دیکھنے کی اُمید نہ تھی۔ آپ کا ضروری پیغام لینڈون کو پہنچ چکا ہے اور وہ بساط بھر تیز رفتاری سے چلا آ رہا ہے۔ وہ بھی کئی ذرائع سے اس اطلاع کی تائید و تصدیق کرا چکے ہیں کہ جُنید ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ خواش پر چڑھ دوڑا ہے۔ وہ خواش پر قبضہ اور اس کے محافظوں کو قتل کر دینا چاہتا ہے۔ سرحدار نے فوج سے پہلے اپنی آمد کی وجہ بتلاتے ہوئے کہا کہ اُس نے میجر لینڈون سے کہہ دیا تھا کہ اُسے فوج کی آہستہ رفتار کے ساتھ چلنا دوبھر ہو رہا ہے اس لئے وہ چاہتا ہے کہ تیز رفتار سے آگے چلا جائے اور دیکھے کہ وہ جرنیل کی امداد کے لئے کیا کچھ کر سکتا ہے۔ سرحدار کی یہ حرکت ایک انتہائی بہادرانہ کارنامہ تھا کیونکہ اس نے وہ تمام راستہ اکیلے اس علاقے میں سے طے کیا تھا جس کے متعلق اُسے بخوبی معلوم تھا کہ دشمنوں سے پٹا پڑا ہے اور جو درحقیقت اُس کے راستے سے تھوڑے فاصلے پر تھے۔

جب اُس نے مڑ کر شاہسوار کو دیکھا تو اُسے بہت سخت طعن و تشنیع کی۔ اُس نے کہا کہ وہ ایک جھوٹا، مکّار اور غدّار ہے اور ایک دن وہ اس کا پورا پورا مزہ چکھ لے گا۔

ایک دفعہ پھر میں مینار پر چڑھا۔ اس دفعہ آنیوالے رسالے کی اڑتی ہوئی

گرد صاف نظر آرہی تھی ۔ عیدو نے جو میرے ساتھ کھڑا تھا اور دوسری طرف دیکھ رہا تھا کہا کہ جنید کے پڑاؤ میں بھی نقل وحرکت ہو رہی ہے ۔ گو کہ میری نظر بھی کافی تیز ہے اور جس طرف اُس نے اشارہ کیا مَیں بھی اُس طرف غور سے دیکھتا رہا مگر مجھے کچھ نظر نہیں آیا ۔ عیدو کی نظر غیر معمولی طور پر تیز تھی مگر وہ یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ آیا یہ نقل وحرکت کسی حملے کا پیش خیمہ ہے یا دوستانہ ملاقات کے لئے آنے کی تیاری ہے ۔ جو بھی صورتِ حال ہو ہماری خوش قسمتی سے اب لمینڈون کی امدادی فوج بہت ہی قریب پہنچ چکی تھی ۔

چند منٹوں کے بعد لینڈون خود بھی رسالے کے ساتھ پہنچ گیا ۔ تھکاوٹ سے چُور، گرد و غبار سے آلودہ مگر اِس بات سے خوش کہ بروقت پہنچ سکا ۔ اُونٹوں کا کاروان اور پلٹن کے جوان تھوڑی دُور پیچھے تھے ۔ ہم کو بھی تجربہ ہو چکا تھا کہ منزل کا آخری حصّہ کتنا خراب اور کٹھن ہے ۔ جب تک کہ پانچ میل کے فاصلے پر میدان میں نہ پہنچا جائے رسالہ بھی پیدل فوج کے دستے سے بہتر رفتار اختیار نہیں کر سکتا تھا ۔ لہٰذا اِس پانچ میل کے میدانی علاقے نے رسالے کو پیدل دستے سے آگے بڑھنے کا موقع دیا ۔

بہر حال پیدل فوج بھی تھوڑی دیر بعد پہنچ گئی ۔ سب لڑنے کے لئے مستعد اور اچھی حالت میں تھے گو کہ پورا ایک مہینہ وہ مُسلسل سفر میں رہ چکے تھے ۔ مَیں نے محسوس کیا کہ اب ہم جنید کو ٹھینگا دکھا سکیں گے ۔

اب جیسا کہ قیاس کیا جا سکتا ہے ہمارے لئے وہ ایک دل خوش کُن صبح تھی ۔ اب جبکہ ہماری توپیں بھی پہنچ چکی تھیں ہم جانتے تھے کہ جنید کے لئے

خواہش کے قلعے پر قبضہ کرنے کا اِتنا موقع تھا جتنا چاند کو پکڑنے کا۔ ہم نے اُسے اِسں دوڑ میں صرف ایک یا دو گھنٹوں کی پیش رفت سے شکست دی تھی۔ ہم جیت گئے تھے اور جنید بھی جانتا تھا کہ وہ بازی ہار چکا ہے۔

اِسں دوران وہ بُڈھا بدمعاش جس میں جرأت کی کمی نہ تھی اگرچہ سچائی کا فقدان تھا، مجھ سے ایک رسمی ملاقات کرنے کو، بقول اُس کے اِس غرض سے آیا تھا کہ میری عزّت افزائی ہو۔ اُسں نے کہا کہ اُس نے سُنا ہے جرنیل صاحب سے یہ کہا گیا ہے کہ مَیں اُن سے لڑنے کی نیّت سے آیا ہُوں۔ یہ بالکل افواہ اور غلط ہے۔ وہ اپنے قبیلے کے تقریباً ایک سَو آدمیوں کے ساتھ محض اِسں لئے آیا ہے کہ اُسں یقین دہانی کی، جو اُس نے انگریزی راج کے ساتھ اپنی قطعی وفاداری سے متعلق پہلے کرائی ہے، تائید مزید کرائے۔ اِسں میں شک نہیں کہ اُسں نے اپنے باقی تمام آدمیوں کو اپنے پڑاؤ میں اِسں لئے پیچھے چھوڑ دیا تھا کہ اُسے ڈر تھا کہ مبادا ہم اُن کے ہتھیار لے کر اُن کو غیر مسلّح کرادیں۔

بعد ازاں اُسں نے کہا کہ کیا وہ موٹر کار کو دیکھ سکتا ہے جس کے متعلق اُس نے ایسی عجیب وغریب کہانیاں سُنی ہیں۔ مَیں نے بلا جھجک عیدو کو ترجمان کے طور پر اُسں کے ساتھ کر دیا جو اِسں عجوبۂ روزگار موٹر سے متعلق جھوٹ گھڑنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔

ایلن سنجیدگی سے موٹر کار کو حرکت میں لایا۔ جنید اور اُسں کے آدمی اُس کی طرف یُوں دیکھتے رہے جیسے کہ وہ ایک نیم دیوتا ہو۔ آخر ایک شخص ایسا ہونا چاہیئے جو اِسں دیو پر قابو رکھ سکے اور اسے اونٹوں اور گھوڑوں کی مدد کے بغیر

وادیوں میں گھمائے اور پہاڑوں پر چڑھائے۔ بلاشبہ اُس شخص (ایلن) اور جرنیل صاحب، دونوں کا شیطان سے کسی قدر تعلق ضرور ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد میں نے جنید سے کہا کہ کیا وہ اس میں چڑھ کر تھوڑی دیر گھومنا پسند کرے گا اور میں نے اُسے تسلی دی کہ وہ اس سے بہت لطف اٹھائیں گے۔ مگر اُس نے بلا توقف جواب دیا کہ آج وہ اس خطرے میں پڑنا نہیں چاہتا۔ شاید کسی اور دن وہ اسے آزمائے۔

درحقیقت بڈھا سردار اپنی اس دوسری ناکامی سے قطعی طور پر حواس باختہ ہو چکا تھا اور وہ واضح طور پر دیکھ رہا تھا کہ اس کی حیثیت بطورِ سردارِ اعلیٰ سرحد پھر خطرے میں پڑ چکی تھی۔

جب جنید چلا گیا تو میں نے شاہسوار کو بھی اجازت دے دی کہ وہ بھی چلا جائے لیکن میں نے اُسے خبردار کیا کہ اگر اُس نے بارِ ثانی اپنے قول کی خلاف ورزی کی تو اپنے بچ کر جانے کا اسے آخری موقع خیال کرے۔

شام کے وقت عیدو جو اپنے کسی خفیہ کام پر قلعے سے باہر جا چکا تھا، میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ جب جنید اور شاہسوار واپس اپنے پڑاؤ میں گئے تو شاہسوار کی بیگم گل بی بی نے ان کو خوب کوسا اور لتاڑ کر رکھ دیا۔ یاد رہے کہ گل بی بی وہی خاتون ہے جس کے لئے شاہسوار نے خوامش کا قلعہ اُس کے حق مہر میں اُس کے قریبی نرینہ وارث محمد حسن کو دیا تھا۔

عیدو چہچہاتے ہوئے بیان کرتا رہا کہ کس طرح گل بی بی نے تحکمانہ لہجے میں ان کو بیوقوف کہہ کر ان کی ہنسی اُڑائی اور ان کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہنے

لگی کہ اَب یہ ایک کھُلی حقیقت اور عام بات ہے کہ جرنیل صاحب صرف مُٹھّی بھر آدمیوں کے ساتھ یہاں پہنچے اور محض فریب دے کر اُن سے ہتھیار ڈلوا لئے۔ گُل بی بی نے بات یہیں پر ختم نہیں کی بلکہ اُس نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے جنید سے کہا کہ اگر اُس میں ایک چوہے کا بھی دِل ہوتا تو وہ گذشتہ شب یا دوسرے دن صبح کو حملہ کر کے خواسش پر قبضہ کر لیتا کیونکہ جرنیل کی مختصر سی فوج سورج کے خوب بلند ہونے تک وہاں نہیں پہنچ پائی تھی۔ وہ کہتی رہی کہ جرنیل صاحب کی تعریف کرتی ہے اور اپنی خوشنودی کے اظہار کے طور پر اُن کو دو دُنبوں کی پیشکش کرتی ہے۔

"درحقیقت" عیدو نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے کہا۔" وہ دو نوں دُنبے پہنچ گئے ہیں۔" "مگر مَیں ایسے لوگوں کی جنہوں نے ہمارے ساتھ دشمنانہ رویّہ اختیار کیا ہے، کوئی پیشکش قبول نہیں کر سکتا۔" مَیں نے کہا۔ "اور یہ ایک عجیب بات ہے کہ ایک عورت جو جنید جیسے ایک سردار کو دھتکارنے کی جرأت کر سکتی ہے وہ اپنے خاوند کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہوگی؟"

"آپ اب تک گُل بی بی کو نہیں جانتے۔" عیدو نے ہنس کر کہا۔ "مگر اب آپ جان لیں گے۔ وہ سرحد کی ایک بہت بارسُوخ شخصیت ہے اگرچہ وہ ایک عورت ہے، لیکن دنیا کی خوبصورت ترین عورت بھی ہے۔ اور آپ مجھے معاف کریں صاحب! آپ کو یہ دُنبے جو اُس نے بھیجے ہیں، قبول کرنا ہوں گے، کیونکہ اگر آپ ان کو واپس کر دیں گے تو اُس کی بہت بڑی بے عزتی ہوگی۔"

سرحد دار نے بھی اِس سے اتفاق کرتے ہُوئے کہا کہ اِس میں پسند و ناپسند کی کوئی بات نہیں۔ دُنبوں کو امن کی پیشکش کے طور پر قبول کیا جائے۔

مَیں مان گیا۔ تب مَیں نے کہا کہ اِس کے بدلے میں مجھے کیا کرنا چاہیئے۔

"جا کر اُس سے ملیں صاحب" عیدو نے کہا۔ "گُل بی بی اِس قسم کی عزّت افزائی کرنے والوں کی پذیرائی کی عادی ہے۔"

"بہت اچھا" مَیں نے جواب دیا اور لینڈون جو موجود تھا اور اِس گفتگو سے لطف اندوز ہو رہا تھا، کی طرف رُخ کر کے مَیں نے اضافہ کیا کہ "آپ بھی میرے ساتھ آئیں گے۔ مَیں ایک شادی شدہ آدمی ہُوں اور مَیں اکیلا دُنیا کی خوبصورت ترین عورت سے مِلنے نہیں جاؤں گا۔ اگرچہ میرا خیال ہے وُہ پردے میں ہو گی۔"

"بالکل نہیں۔" عیدو نے مداخلت کی: "گُل بی بی اپنے حُسن کو بہت گرانقدر سمجھتی ہے، اُسے چھپانا نہیں چاہتی۔ مَیں آج رات کو اُسے اطلاع دوں گا کہ آپ اور میجر لینڈون کل صُبح اُن سے مِلنے موٹر کار میں آئیں گے۔ وہ اِس سے بجائے اِس کے کہ اُسے کئی دُنبے بھجوا دیئے جائیں، بہت خوش ہو گی۔"

اُسی شام کو مجھے لینڈون نے ایک بدحواس کر دینے والی خبر سُنائی۔ موجودہ حالات میں بالخصوص وہ ایک پریشان کُن خبر تھی۔ لینڈون نے مجھے اطلاع دی کہ خواشش کی طرف آتے وقت اُس نے شاہسوار کے ایک آدمی کو پکڑ لیا تھا جو جرمنوں کے لئے خطوط لے جا رہا تھا۔ یہ خطوط اُس وقت لکھے گئے تھے جب شاہسوار کو کچاؤ سے رہا کیا گیا تھا۔ ان وعدہ مواعید اور قرآن پر حلف

اُٹھانے کے باوجود اُس نے یہ خط لکھے تھے جن میں جرمنوں سے اُس نے اپنی امداد کے سابقہ وعدے کی تجدید کی تھی اور اُن کو، جب بھی وہ چاہیں اپنے علاقہ سرحد میں سے گذرنے کی اجازت دینے کا وعدہ کیا تھا۔

"وحشی، غدّار" ۔ مَیں چیخ اُٹھا۔ "اب ہمیں اِس کے خلاف کیا کرنا چاہیئے؟ مَیں نے ابھی اُسے واپس اُس کے آدمیوں میں بھیج دیا ہے اور جنید کے ساتھ سمجھوتہ کر چکا ہوں۔ مزید برآں ہم نے گُل بی بی کی امن کی پیشکش بھی قبول کر لی ہے اور کل اُس سے ملنے کو جانے کا وعدہ کیا ہے۔ وہ اِس قدر بااثر ہے کہ اگر ہم اُس کے ساتھ دوستی کر لیں تو شاید اِس دفعہ یہ بدمعاش اپنی بات پر جمے رہیں۔"

الغرض کافی غور و خوض کے بعد ہم نے طے کر لیا کہ شاہسوار کی غدّاری کو فی الوقت نظر انداز کر دیا جائے اور طے شدہ پروگرام کے مطابق عمل کیا جائے۔

شاہسوار اور جنید کے لڑاکا آدمیوں کی بہت بڑی تعداد اُس مقام پر موجود تھی اور خلیل خان کی آمد تیسرے بڑے لشکر کے ساتھ کل متوقع تھی اِس لئے ہم نے فیصلہ کر لیا کہ ہمیں پہلے یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ اِن لُٹیروں کی ایک بڑی تعداد منتشر ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلی جائے۔ زاں بعد ہم اُس چھٹے ہوئے بدمعاش شاہسوار کا کورٹ مارشل کریں۔

دوسرے دن صبح کو لینڈون، سرحددار، عیدہ اور مَیں موٹر کار میں گلابوں کی بیگم (گُل بی بی) اور دنیا کی خوبصورت ترین عورت سے ملنے

کو روانہ ہوئے۔

وہاں سے آدھے راستے پر خود شاہسوار ہمارے استقبال کو آیا اور ایک بہت بڑی جھگی کی طرف ہماری رہنمائی کی۔ جھگی کے اندر ہم نے اُس مشہور حسینہ کو رنگ برنگے گدیلوں پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ میری حیرت کی انتہا نہیں رہی جب مَیں نے دیکھا کہ عیدو نے اُس سے متعلق کوئی مبالغہ نہیں کیا ہے۔ گل بی بی واقعی ایک خوبصورت نوجوان عورت تھی۔ ایک سرحدی کی مناسبت سے بہت حسین، روشن چہرہ، تقریباً یونانی خدوخال، غیر معمولی نگاہوں اور بڑی بڑی آنکھوں والی ایک حسینہ تھی۔ گو بظاہر وہ چھوٹے قد کی تھی لیکن اُس کے اعضا اور ہاتھ بہت خوبصورت تھے۔ اُسے اپنی مسحور کُن دلربائی کا صریحی طور پر علم تھا۔ اُس کا لباس سفید تھا جس پر فارسی طرز کی کشیدہ کاری کی گئی تھی۔ سر پر اُس نے ایک گشتان (دوپٹہ) ڈال رکھا تھا جو خوبصورت تہوں میں تھا، لیکن اُس کے چہرے کو چھپاتا نہیں تھا۔

ہمارے داخل ہونے پر وہ ایک شان سے اُٹھی اور تھوڑی سی جھک گئی۔ شاہسوار نے پھر ہم میں سے ہر ایک کا تعارف کرایا اور ہم تعظیماً سلام کو جھکتے رہے اور پھر اُس کے دعوت دینے پر اُس کے سامنے نیم دائرے کی شکل میں زمین پر بیٹھ گئے۔

تب اُس نے نہایت خوبصورتی سے فارسی میں ہمیں خطاب کیا جو لیڈ ڈون اور مَیں سمجھ لیتے تھے اگرچہ ہم میں سے ایک بھی زیادہ فارسی نہیں بول سکتا تھا۔ اُس کی تقریر ختم ہوئی تو مَیں نے سرحدار کی مدد سے، جو بطور ترجمان بول رہا

اپنی طرف سے بڑی کوشش کی کہ اُس کو معقول جواب دُوں۔

جب یہ افتتاحی رسوم ختم ہُوئیں تو ایک بڑا عُمدہ فارسی قالین میزبان بیگم کی طرف سے لاکر مُجھے پیش کیا گیا۔ اِس سے ایک بڑی اُلجھن پیدا ہو گئی اور مَیں نے سردار سے سرگوشی میں کہا کہ مَیں اِسے بالکل قبول نہیں کر سکتا۔ اُس کا جواب زوردار تھا۔ "آپ اِس سے انکار نہیں کر سکتے۔ آپ کو اِسے قبول کرنا ہوگا جبکہ آپ یہاں اُس کے مہمان کی حیثیت سے آئے ہیں۔"

"مگر" مَیں بضد رہا۔ "مَیں اُس کے خاوند کا کل یا پرسوں کورٹ مارشل کروں گا اور ممکن ہے کہ اُسے گولی مار دُوں۔ اِن حالات میں مَیں اُس کی بیوی سے عطیّہ نہیں لے سکتا۔"

"بعد میں اُس کو گولی مار دو، اگر آپ نے اُس کو ضرور مارنا ہے"۔ سردار نے جواب دیا۔ "اُس کو کئی خاوند ملیں گے مگر قالین کو آپ اِس وقت ضرور قبول کرلیں ورنہ آپ اُس کی بہت سخت توہین کریں گے۔ بہرحال کل قالین کی قیمت کے مساوی رقم، اگر آپ چاہتے ہوں بطور عطیہ اُسے بھجوا دیں۔"

اِس طرح مَیں قالین کو قبول کرنے پر مجبور ہُوا اور پھر ایک نمایاں شان سے اُسے قبول کر لیا اور رسکلاتی فارسی میں تحفہ اور اُس کے دینے والے کی تعریف کی۔

زاں بعد ہماری ملاقات خوش گپیوں میں جاری رہی۔ گُل بی بی علے الاعلان اپنے خاوند کی گوشمالی کرتی رہی۔ اُس نے اپنے خاوند سے کہا کہ اُسے نہایت دانشمندی سے دھوکا دے کر عاجز کر دیا گیا ہے اور وہ ایک ایسا بیوقوف

شخص ہے جس میں دانشمندی کا فقدان ہے۔

مگر شاہسوار صرف ہنستا رہا۔ اپنی بیوی کی باتوں کو دل لگی اور مذاق میں اُڑاتا رہا۔ اِس سے ظاہر ہوتا تھا کہ گل بی بی نے اُسے پوری طرح اپنے انگوٹھے کے نیچے دبا رکھا ہے اور وہ بھی اُس کی بڑی عزّت کرتا ہے۔

مجموعی طور پر یہ ایک دوستانہ ملاقات ثابت ہُوئی۔ پھر ہم موٹر کار کا ملاحظہ کرنے کو اُٹھے۔ یہ بدستور ایک دھاک بٹھانے اور حیرت میں ڈالنے والا سماں تھا۔ ملاحظہ ختم ہُوا۔ ہم نے گُل بی بی کو دعوت دی کہ وہ بھی ایک دن اِس میں سواری کر کے دیکھے۔ اِس کے بعد ہم نے اُن سے اجازت لی اور واپس خواش آ گئے۔

ایک دو دن کے بعد خلیل خان اپنے پچیس آدمیوں کے ساتھ پہنچ گیا۔ اُس نے اپنے لشکر کو چند میل کے فاصلے پر پیچھے چھوڑ دیا تھا کیونکہ اُس نے بلاشبہ جنید اور شاہسوار کے ہتھیار ڈالنے کی خبر سُنی تھی۔ اُس کے پہنچنے کے جلد بعد ہم نے ایک اور دربار منعقد کیا۔ وہی پہلے کے جنگبازوں کی ٹولی اپنے سرداروں جنید، شاہسوار، محمد حسن اور خلیل خان کے ساتھ نیم دائرے کی شکل میں ہمارے سامنے بیٹھ گئی۔ جمعہ خان وہ واحد شخص تھا جو اب تک اپنے قول کا پابند رہ چکا تھا مگر اِس وقت غیر حاضر تھا۔

اُن تمام نے جو حاضر تھے نہایت سنجیدگی سے حلفیہ طور پر یہ کہا کہ وہ محض دوستانہ نیّت سے یہاں آئے ہیں اور اگر مَیں کچھ اور خیال کرتا ہُوں تو مجھے غلط اطلاع دی گئی ہے۔ وہ سب ایک ہی رَٹ لگا رہے تھے کہ اُن کی خواہش صرف

میری عزت افزائی کی رہی ہے۔

مَیں بھی اُن کا کھیل کھیلتا رہا۔ مَیں نے اُن کی حجت مان لی اور اُن سے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو مَیں اس قضیہ کو نپٹانے کی ایک تجویز کرتا ہوں۔ پھر مَیں نے اپنی تجویز اُن کے سامنے رکھ دی۔ میری تجویز یہ تھی کہ تمام سردار اپنے اپنے کچھ آدمیوں کے ساتھ میرے پاس رہیں اور اپنے باقی تمام آدمیوں کو اُن کے گھروں کو واپس بھیج دیں۔ مَیں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ مَیں سرحدیوں میں سے لیویز کا ایک دستہ بھرتی کروں۔ اور مَیں اس کا ذمہ لیتا ہوں کہ اُن کو اچھی تنخواہ ملے گی۔ چونکہ وہ اچھے لڑاکا لوگ ہیں لہٰذا اُن کی سکھلائی آسان ہو گی۔ مَیں نے یہ وعدہ بھی کیا کہ ان کے افسروں کی اکثریت اُن میں سے ہی منتخب کی جائیگی۔

ایک مختصر صلاح مشورے کے بعد اُنہوں نے میرے خیال سے اتفاق کیا اور قبائلیوں میں سے بعض نے تو وہاں پر اور اُسی وقت اپنے ناموں کا اندراج کرایا۔

مگر خلیل خان نے کھڑے ہو کر کہا کہ اُسے معاف کر دیا جائے۔ اُس نے کہا کہ یہ بات نہیں کہ وہ لیویز یا کسی اور محکمہ میں جو مَیں قائم کرنا چاہتا ہوں، ملازمت نہیں کرنا چاہتا لیکن اُسے اپنی بیوی، بچوں اور خاندان کی فکر ہے جو موریشیں کے پہاڑوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور وہ اُن کو دیکھنے کے لئے بے قرار ہے۔ وہ اسے ایک عنایت سمجھیں گے اگر مَیں اُسے جانے کی اجازت دے دوں۔ چونکہ میری تمام سکیم اس طرح تھی کہ وہ رضاکارانہ طور پر اپنا نام درج کرائیں اس لئے مجھے

اُس کی بات ماننی پڑی۔

مگر میں اُس کو خبردار کئے بغیر جانے دینا بھی نہیں چاہتا تھا چنانچہ جوں ہی وہ جانے کے لئے اُٹھ کھڑا ہُوا مَیں نے اُسے واپس بُلا لیا اور اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جتنی سختی سے ممکن ہو سکتا تھا مَیں نے کہا۔ "خلیل خان! اگر تم نے مجھ سے دھوکا کیا یا کبھی میرے خلاف ہاتھ اُٹھایا تو مَیں تمہارا سَر اُڑا دوں گا۔"

اُس نے اطمینان سے میری طرف دیکھتے ہُوئے کہا۔ "صاحب! آپ کی مہربانیوں کا مَیں ممنون ہُوں۔ مَیں قرآن پر قسم کھاتا ہُوں (ایک اُس نے اپنی قبا کے نیچے سے نکالا) کہ مَیں پھر کبھی آپ کے خلاف نہیں لڑوں گا۔"

"بہت اچھا! ایک بار پھر مَیں تمہارے قول پر بھروسہ کرتا ہُوں۔ لیکن اگر اِس دفعہ تم نے اِس کی خلاف ورزی کی، پھر یاد رکھنا!"

اور اِس طرح وہ نیک چلن رہنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد جنید بھی اُٹھا مگر مَیں نے اُسے اُس وقت تک جانے نہیں دیا جب تک کہ یاد دہانی کرا کے اُس سے وعدہ نہیں لیا کہ لُوٹ کا مال، جس کی واپسی کا پچھلی میٹنگ میں اُس نے وعدہ کیا تھا مگر جو اَب تک واپس نہیں مِلا ہے اُسے جلد واپس پہنچا دے گا۔ مَیں نے موٹر کار کے اُن چار ٹائروں کا جو اِس مال میں شامل تھے، خصوصیت کے ساتھ مطالبہ کیا۔ مَیں نے اُس سے یہ بھی کہا کہ گورنمنٹ کے اُن تمام اُونٹوں کو بھی واپس پہنچا دے جو اُس نے برطانوی ذرائع رسل و رسائل پر حملہ کرتے وقت لُوٹ لئے تھے اور افغانوں کے اُن چار سو اُونٹوں کا بھی مطالبہ کیا جن کے متعلق مجھے حال ہی میں معلوم ہُوا تھا کہ نوشکی اور رباط کے درمیان اُن کے کاروان کو لُوٹ لیا گیا تھا۔

جنید نے دیانتدارانہ وعدہ کیا کہ خواش سے جانے کے بعد چند دنوں کے اندر اندر تمام اُونٹ واپس کر دیئے جائیں گے۔ اُس نے اپنا یہ وعدہ قطعی طور پر پُورا کیا۔ اُونٹ اور لُوٹ کا مال مقررّہ دنوں کے اندر پہنچ گیا۔

ظاہر ہے کہ ٹائروں کی واپسی کو ہم نے خصوصیت کے ساتھ خوش آمدید کہا کیونکہ جو موٹر کاریں لگے تھے وہ گھس کر بالکل ناکارہ ہو چکے تھے اور دوسرے ٹائر حاصل کرنے کا کوئی ممکن ذریعہ نہیں تھا۔

وقتی طور پر سب کچھ پُرامن نظر آنے لگا تھا۔ اِس قدر پُرامن کہ ہم نے خواش میں چند ہفتے بالکل خاموشی سے گذارے البتہ اِس دوران اپنی بساط بھر یہ کوشش بھی کرتے رہے کہ خواش کے قلعے کو ہر حملے کے مقابلے میں مضبوط اور مستحکم کریں۔

نواں باب

خواش میں اپنے قیام کے دوران میں اِس قابل ہُوا کہ اپنی زیرِ کمان فوج میں کچھ اضافہ کروں۔ مَیں نے اٹھائیسویں لائیٹ کیولری کا ایک پُورا دستہ کرنل کلیرج (Claridge) کی زیرِ کمان اور دو مشین گنیں نصرت آباد سے حاصل کر لیں۔ مزید برآں کچاؤ سے مَیں نے کافی مقدار میں گن کاٹن (Gun-cotton) بمع فیوزوں (fuses) وغیرہ کے اور کافی مقدار میں خار دار تار حاصل کئے، خوش قسمتی سے جن کی بڑی مقدار کچاؤ میں پڑی ہُوئی تھی۔

سپاہیوں کو مَیں نے بندوق چلانے کی مشق کرنے اور قلعہ کے اندر اور باہر ترقیاتی تنصیبات میں مصروف رکھا۔ اِس دوران ہم واقعی ایک اچھا خاصا اور مفید باغیچہ مقامی باغبانوں کی مدد سے جن کو مَیں نے کچاؤ سے بلوایا تھا، قلعے کی دیواروں سے باہر لگانے میں کامیاب ہُوئے۔ باغبان کچاؤ سے اپنے ساتھ بہت سارے بیج لائے تھے اور یہ حیرت انگیز بات تھی کہ ہم کیسے ایک مختصر عرصے میں اِس قابل ہُوئے کہ اچھی طرح پکے ہُوئے گھیا کدو، کھیرے، کدو، مکئی، گاجر، کاہُو اور پالک حاصل کر سکیں۔ یہ تازہ سبزیاں ہماری ایک جیسی خوراک میں تبدیلی لا کر ہمارے لئے بیش بہا نعمت

ثابت ہوئیں۔ ہم نے ایک خاص قسم کا جَو بھی کاشت کیا جس کی فصل تین مہینوں میں پک کر تیار ہوتی ہے۔

میرے آدمی اپنی باغبانی میں خوب دلچسپی لیتے تھے لیکن اِس سے زیادہ محنت وہ اپنے دفاع کو مضبوط کرنے کے ضروری کام اور بُرجوں کی تعمیر میں کرتے تھے تاکہ دُھوپ سے پناہ حاصل کر سکیں۔

جو افواج میرے زیرِ اختیار تھیں، بہتر حالت میں بھی اُن لشکروں کے مقابلے میں جو چھاپہ مار جمع کر سکتے تھے اِنتہائی طور پر کمزور تھیں۔ البتہ اِس میں شک نہیں کہ ثانی الذکر پہاڑی توپوں اور مشین گنوں سے محروم تھے۔ اِس لحاظ سے ہمارے مقابلے میں وہ گھاٹے میں تھے۔ لیکن فرض کریں کہ یہ ضروری ہو کہ میں اپنی فوج کو تقسیم کروں جس کی کسی بھی لمحے ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اِس کا ایک حصّہ کسی مہم پر چلا جائے اور ایک حصّہ خواش کے دفاع کے لئے رہ جائے تب چھاپہ مار اگر ایک خاصی تعداد میں حملہ کرنا چاہیں تو بلا محابہ اپنے صدر مقام (خواش) پر قبضہ کر لیں گے۔

اِس لئے مَیں نے فیصلہ کیا کہ قلعے کے گرد و نواح کی دیواروں کو اور ساتھ ہی ساتھ اُن تین چھوٹے میناروں کو اُڑا دوں۔ صرف بلند ترین مینار کو کھڑا رہنے دوں۔ اِن تینوں میناروں کی بجائے، دیوار کے اِس حصّے سے باہر کی طرف مَیں نے خندقیں کھُدوا دیں۔ زمین کے اندر کے یہ مخصوص گوشے مجھے اِس قابل بنا سکے کہ اِن کے اُوپر مَیں نے اپنی دفاعی لائن قائم کر دی جس سے قلعے کا اندرونی حصّہ اچھی طرح نظروں سے پوشیدہ رہا۔

اونچے مینار میں بھی کچھ ترمیم کی گئی۔ اُسے مضبوط بنا دیا گیا اور ایک مشین گن اُس کے اُوپر رکھ لی گئی جو تمام زیرِ زمین مورچوں کو تحفظ دے سکتی تھی۔

وہ چھاپہ مار جو گرد و نواح کے علاقوں میں رہتے تھے اِن تبدیلیوں میں بڑی دلچسپی لیتے رہے۔ وہ اِس غلط فہمی میں مُبتلا تھے کہ ان دیواروں کو گرا کر اُن کی بجائے ہم زیادہ مضبوط اور اُونچی دیواریں تعمیر کریں گے۔ اِس لئے وہ مجھ سے پوچھتے تھے کہ مَیں اِن دیواروں کو کتنا اُونچا تعمیر کرنے کا اِرادہ رکھتا ہُوں۔

چونکہ مَیں نہیں چاہتا تھا کہ اُن کے شوقِ تجسّس کو ختم کر دوں، مَیں نے جواب دیا کہ جب یہ مکمّل ہو جائیں گی تو یہ ممکن ہو گا کہ ان کی اُوپری سطح دیکھی جا سکے۔ میرے اِس جواب سے یہ افواہ پھیل گئی کہ مَیں ایک وسیع قلعہ تعمیر کرنا چاہتا ہُوں۔ زاں بعد حکومتِ فارس نے بھی ہم سے تاکیدی جواب طلب کیا کہ مَیں نے کیوں اُس کی اجازت کے بغیر فارس میں ایک بڑا قلعہ تعمیر کیا ہے۔ نتیجتاً ہمارے لئے یہ بہت مشکل ثابت ہُوا کہ ان کو یقین دلایا جا سکے کہ مَیں نے کوئی قلعہ تعمیر نہیں کیا ہے بلکہ اِس کے برعکس قلعے کی بعض دیواروں کو گرا دیا ہے اور زمین کے اندر ایک خندق کھود دی ہے۔ اِس سے زیادہ مَیں نے کچھ نہیں کیا ہے۔

اگرچہ ہمارا وقت اِن مختلف تنظیمی مصروفیات میں پُرامن طور پر گذر رہا تھا لیکن اپنے آدمیوں اور جانوروں کے لئے خوراک حاصل کرنے کی غرض سے میری پریشانی بڑھ رہی تھی۔

اب یہ مئی کے آخری دن تھے اور گرمی شدّت کی پڑ رہی تھی۔ اُن

اُونٹوں کو جو ہندوستان سے سپلائی لانے والے کاروانوں میں استعمال ہوتے تھے راستے میں منازل کے درمیان، نہ تو کوئی چارہ ملتا تھا اور نہ چرنے کو گھاس ملتی تھی۔ وہ راستے میں درجنوں کے حساب سے مرکھپ جاتے تھے۔ نتیجتاً جو سامانِ رسد ہندوستان سے ہمیں بھجوایا جاتا تھا وہ کبھی ہم تک پہنچنے نہیں پاتا تھا۔

ہمارے گھوڑے بھی ہولناک تعداد میں مر رہے تھے۔ خواشش کے گردونواح کے پہاڑوں کے ڈھلوانوں میں جو گھاس ملتی تھی اُسے بلاشبہ بہت جلد چٹ کر دیا گیا تھا اور ہم عملی طور پر بالکل لاچار ہو گئے تھے۔ ہمارے پاس گھاس کا ایک تنکا بھی باقی نہیں بچا تھا۔ حالات کو مزید بد سے بدتر ہونے سے بچانے کے لئے ہمیں تین مہینے اور انتظار کرنا تھا جبکہ ہمیں اُس جَو سے چارہ حاصل کرنے کی اُمید ہو سکتی تھی جو ہم نے کاشت کئے تھے ہماری حالت مجموعی طور پر خطرناک حد تک خراب ہونا شروع ہوئی تھی۔ میں تعجب کرتا تھا کہ اگر جنید اور اُس کے تمام آدمی ہمیں خواشش سے نکالنے کی کوشش نہ بھی کریں تب بھی کیا بھوک کی آہستہ آہستہ بڑھنے والی گرفت ہم کو خود نکلنے پر مجبور نہیں کرے گی؟

کچھ کرنا چاہیئے اور جلد کرنا چاہیئے۔ وقت ضائع کئے بغیر کوئی ایسی صورت نکالنی چاہیئے تاکہ اِس نازک حالت سے خود کو بچایا جا سکے۔ میں اپنے جانوروں کو کھلانے کے لئے چارہ پیدا کرنے کی کوشش کو اُس سے زیادہ اہمیت دیتا تھا جتنی اہمیت ہندوستان سے سامانِ رسد کے نہ پہنچنے کو

دی جانی چاہیئے تھی۔ اِس وقت اچانک مجھے کمال آباد میں جُنید کی فصلوں کا خیال آیا۔ پہلی بار جبکہ جنیدؔ نے ہتھیار ڈال دیئے تھے مَیں نے نہ صرف اُس کی اور اُس کے آدمیوں کی جان بچائی تھی بلکہ اُس کی فصلوں کو بچا دیا تھا۔ اب مَیں اُس سے یہ مطالبہ کروں گا کہ اِن فصلوں کو ہمارے ساتھ بانٹ لے۔

لہٰذا ماہِ جون کے اوائل میں مَیں نے اُسے طلب کیا۔ چند دنوں میں اُس نے ہمارے بُلاوے کی تعمیل کی مگر اِس دفعہ وہ بددِل اور بہت زیادہ رُو کھا تیکھا لگتا تھا۔ مَیں نے اُس سے صاف طور پر اپنے جانوروں کی حالت بیان کی اور کہا کہ مَیں جانتا ہُوں کہ اُس کے پاس بھُوسے کا ایک بہت بڑا ذخیرہ فصلوں کی صورت میں موجود ہے جو اُس کے مصرف کا نہیں، اِس لئے مَیں نے کہا کہ وہ اُن کو ہم پر بیچ دے۔ بُڈّھے بدمعاش نے صاف اِنکار کر دیا۔ اِس پر جس طرح آسانی سے ممکن ہو سکتا تھا مَیں اپنا غصّہ پی گیا اور اُس سے کہا کہ مارکیٹ سے جو گنی قیمت اُسے دیدوں گا وہ ان کو جلد از جلد بھجوا دے۔ مگر وہ میری تمام پیشکشوں کے باوجود بضد ہو کر اپنے اِنکار پر سختی سے قائم رہا۔

درحقیقت مجھ سے یہ بارہا کہا گیا تھا کہ جنیدؔ کی یہی ایک خواہش تھی اور وہ چاہتا تھا کہ مَیں اُس کے ساتھ معاملات کو اُس کے اپنے علاقے میں طے کروں جہاں اُس کے چھپ جانے کے پوشیدہ اور دفاعی مقامات ان پہاڑوں میں تھے جن سے اُس کے قبائلیوں کے علاوہ اور کوئی شخص واقف نہیں تھا۔ مزید برآں خلیل خان بھی اُس پر مسلسل دباؤ ڈال رہا تھا کہ وہ مجھے لڑنے پر مجبور کرے تاکہ اُس ندامت اور تذلیل کے داغ کو دھو ڈالے جو اُن دونوں کو دو دفعہ محض

میری دھونس اور دھمکیوں سے اٹھانا پڑا تھا۔ حالانکہ اُس وقت اگر وہ چاہتے تو مجھے واقعی تباہ کر سکتے تھے۔

گو کہ مَیں سخت برہم ہو چکا تھا مگر چُونکہ مَیں نے اُسے آنے اور سلامت واپس جانے کی زبان دی تھی اِس لئے میرے پاس اِس وقت اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ اُسے سلامت واپس جانے دُوں۔

مجھے ایک اور سنگِ گراں بھی اپنے راستے سے ہٹانا تھا۔ کمال آباد کی وادی سے پانچ میل کے فاصلے پر ایک اور زرخیز وادی کریسیم آباد کی تھی جو مراد نامی ایک بڈّھے سردار کی ملکیت تھی۔ یہ بڈّھا سردار کسی وقت سرحد کا لیڈر تھا لیکن جنید خان اُسے لیڈری سے معزُول کر کے خود لیڈر بن بیٹھا تھا۔ مُراد اگرچہ جنید کے ساتھ دوستانہ رویّہ رکھتا تھا کیونکہ وہ اب اِس قابل نہیں رہا تھا کہ اُس کی مخالفت کرتا مگر دل میں وہ اُس کے خلاف حسد رکھتا تھا اور مجھے بارہا اِس بڈّھے سردار کے جنید کے خلاف بُغض اور حسد رکھنے کے اشارے ہو چکے تھے۔

اِس لئے مَیں نے مُراد کو بُلا بھیجا اور اُس سے دریافت کیا کہ آیا وہ اپنا بھُوسا بیچنا چاہتا ہے اور مَیں نے اُس سے یہ بھی کہہ دیا کہ جنید نے مجھ سے بھُوسے کا سَودا کرنے سے اِنکار کیا ہے۔ اِس بڈّھے نے مجھے یقین دِلایا کہ مجھے جس قدر بھُوسے کی ضرورت ہو گی بلا کسی معاوضے کے سب اُٹھا لے جاؤں۔ لیکن مَیں نے اُس کی دہش کو قبول نہیں کیا اور اُس کو کہا کہ مَیں اُسے بھی بھُوسے کی وہی قیمت دُوں گا جو مَیں نے جنید کو دینے کا فیصلہ کیا تھا اور

مَیں نے اُسے ہدایت کر دی کہ جتنی جلد ممکن ہو سکے وہ اِس بھوسے کو تیار رکھے اور مَیں اُن کو لانے کے لئے اپنے اونٹ بھیج دُوں گا۔

اِس سے قبل کہ مُراد جو اِس سودے سے بہت خوش تھا، واپس جاتا اُس نے مجھے خبردار کرتے ہُوئے بعض ایسی باتیں بتلائیں جو اُن تمام باتوں کی تصدیق کرتی تھیں جو مَیں نے اب تک خلیل خان اور جُنید کی اندرونی سازشوں اور دشمنانہ حرکتوں سے متعلق سُنی تھیں۔ مُراد نے مجھے خبردار کرتے ہُوئے کہا۔ "وہ اگر آپ کو قتل کر سکیں تو کر دیں گے۔ وہ آپ کے خلاف ضرور لڑیں گے اور چند ہی ہفتوں میں آپ کو قتل کر دیں گے۔"

اِن ہی دنوں مجھے شاہسوار کی غدّارانہ حرکتوں سے متعلق پَے در پَے اطلاعات ملتی رہیں۔ اب تک مَیں جرمنوں کے ساتھ اُس کی خط و کتابت کے واقعے کو جان بُوجھ کر نظر انداز کرتا رہا کیونکہ وہ خطوط اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکے تھے اِس لئے اب تک اُن سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اُن متعدد اطلاعات کے باوجود جو اِس ضمن میں مجھے ملتی رہتی تھیں، میری متواتر کوشش یہی رہی تھی کہ یار محمد زئیوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کروں۔ مگر اب مَیں نے خیال کیا کہ وہ وقت آگیا ہے کہ شاہسوار کی سرگرمیوں کا نوٹس لیا جائے اور یہ ایک موزوں موقع ہے کہ اُسے جرمنوں کے ساتھ رابطہ رکھنے کا مُجرم قرار دیا جائے۔

لہٰذا اُسے طلب کیا گیا کہ وہ ایک ڈرم ہیڈ (Drum-head) کورٹ مارشل کے سامنے جو میرے علاوہ دو اور افسروں پر مشتمل ہوگا پیش ہو، اور اُن الزامات کی جواب دہی کرے جو اُس کی متواتر غدّارانہ حرکتوں، بالخصوص

جرمنوں کے ساتھ اُس کی خط و کتابت اور جرمنوں کو یہ اطلاع بہم پہنچانے سے متعلق کہ میرے (جرنیل) پاس ایک مختصر سی فوج ہے اور اگر وہ (جرمن) سرحد آجائیں تو میری (شاہسوار) امداد سے جرنیل کی ساری فوج پر غلبہ پانا نہایت آسان ہوگا، اپنی صفائی پیش کرے۔

شاہسوار نے حسبِ دستور قسم کھائی کہ وہ ان تمام الزامات سے بالکل بری الذمّہ ہے۔ اُس نے کہا کہ وہ مُلزم نہیں ہو سکتا کیونکہ اُسے لکھنا نہیں آتا۔ پھر مَیں نے اپنا ترپ کا پتّا استعمال کیا۔ مَیں نے اُس ملّا کو پیش کیا جس نے اُس کے کہنے پر یہ خطوط لکھے تھے اور جو ایک دو دن قبل ہمارے کیمپ میں چلا آیا تھا۔

جب شاہسوار نے مُلّا کو دیکھا تو اپنے کندھوں کو جُنبش دیتے ہُوئے کہا "قسمت"۔ وہ سمجھ گیا کہ کھیل ختم ہُوا اور فوراً تسلیم کر لیا کہ اُس نے یہ خطوط لکھوائے اور اُن پر اپنی مُہر لگادی ہے۔

قدرتی طور پر اس کے لئے صرف ایک سزا تھی جو اُسے دی جا سکتی تھی اور جسے وہ بخوبی جانتا تھا۔ وہ مُجرم ثابت ہُوا اور اُسے گولی مار دینے کا فیصلہ سُنا دیا گیا۔ اُس نے مجھ سے ایک اور موقع دینے کی درخواست کی مگر مَیں اُس کی بار بار کی عہد شکنیوں سے عاجز آچکا تھا۔ مَیں نے اُسے صاف جواب دیا کہ وہ بارہا عہد شکنی کر چکا ہے۔ اُسے ایک باضابطہ ترتیب دیئے ہُوئے کورٹ مارشل نے مُجرم ثابت کیا ہے لہٰذا کورٹ مارشل کا فیصلہ بحال رہے گا۔ مَیں نے اُس سے کہا کہ اُس کا وقت بہت کم رہ گیا ہے اس لئے اگر وہ کوئی الوداعی پیغام لکھوانا چاہے یا وصیّت کرنی چاہے تو جلد کرے۔ ملّا کو اجازت دی گئی کہ جو

کچھ شاہسوار لکھوانا چاہے وہ لکھے۔

جب مَیں خیمے کے پاس سے گزرا، مَیں نے شاہسوار پر ایک سخت نظر ڈالی۔ اُس کے چہرے پر پسینہ بہہ رہا تھا۔ بہت کم آدمی فوری موت کا فیصلہ سُن کر کسی قسم کے جذبات کا اظہار کئے بغیر رہ سکتے ہیں مگر اُس نے اُف تک نہیں کی۔ یہ ماننا پڑے گا کہ اُس نے ایک بہادر انسان کے کردار کا مظاہرہ کیا اور ایک ایسے اشارے سے جس سے صبر و شکر کا اظہار ہوتا تھا اُس نے ملّا سے کہا کہ جلدی لکھنا شروع کرے۔

جبکہ وہ اپنی آخری خواہشات لکھواتا رہا، مَیں دربار کے خیمے میں گیا اور اُس وقت تک انتظار کیا جبکہ اُس نے بیان ختم کیا۔ راستے میں مجھے عیدو ملا اور مَیں نے کورٹ مارشل کا فیصلہ اُسے سُنا دیا۔ عیدو کو حالات کے ادراک کا ایک پُراسرار کمال حاصل ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اُس نے اندازہ لگا لیا کہ مَیں کس قدر واضح طور پر اپنی طبیعت کے خلاف اِس فرض کو نبھانے پر مجبور رہوں۔ اُس نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور پھر اچانک غائب ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد جبکہ مَیں خیمے سے باہر آ رہا تھا مَیں نے شاہسوار کی بیوی گُل بی بی کو بہترین لباس میں ملبوس اپنی طرف آتے دیکھا۔ وہ سیدھی مجھ تک پہنچ گئی اور گھٹنوں کے بل گر کر اور میرے پاؤں پر ہاتھ رکھ کر آہ و بکا کرنے لگی۔

"یہ کیا ہے؟" مَیں نے درشت لہجے میں بولنے کی کوشش کی۔ "تم کیا کہنا چاہتی ہو؟" گُل بی بی کو بہت کچھ کہنا تھا۔ اُس نے کہا کہ عیدو نے اُس کے پاس جا کر اُسے اِس فیصلے کی اطلاع دی ہے جو اُس کے خاوند کے خلاف کیا

گیا ہے۔ مَیں اُس کی زندگی بچانے کی درخواست لے کر آئی ہوں۔ اُس نے ہر وہ دلیل استعمال کی جو وہ سمجھتی تھی کہ مجھے کورٹ مارشل کا فیصلہ تبدیل کرنے پر آمادہ کر سکے گی اور بالآخر اس خوبصورت بدمعاش کے آئندہ کے لئے نیک چلن رہنے کی خاطر اپنی ذات کی ضمانت پیش کر دی اور درخواست کی کہ اُسے ایک دفعہ اور موقع دیا جائے۔

"مَیں آپ کے سامنے قسم کھاتی ہوں۔" اُس نے جذباتی انداز سے کہا۔ "اگر میرے بیوقوف خاوند نے پھر کبھی آپ کے خلاف ہاتھ اُٹھایا، یا آپ کے ساتھ کیا ہُوا اپنا وعدہ توڑا، مَیں اُسے اپنے ہاتھوں سے گولی مار دوں گی۔ مَیں گُل بی بی اِس کی قسم کھاتی ہوں۔"

مجھے خیال آیا کہ انصاف کو رحم سے نرم کر دینا بھی سیاست ہے۔ شاہسوار بلاشبہ بڑا اثر رکھتا تھا۔ اُس کو زندگی کی رعایت دینے سے ممکن ہے حالات ایسا تغیّر کھائیں کہ اُس کا قبیلہ برطانوی مفادات کا تحفّظ کرنے میں ہمارے ساتھ وفادار ثابت ہو۔

مَیں نے گُل بی بی سے کہا کہ اُس نے ایک ایسا کام سر انجام دیا ہے جو کوئی اور نہیں دے سکتا تھا اور یہ کہ اُس کی خطابت نے مجھے قائل کیا ہے کہ اس کے خاوند کی زندگی اُسے بخش دُوں۔ مگر یہ آخری بار ہے کہ مَیں اُس پر رحم کھا رہا ہوں۔ شاہسوار نے خود کو غدّار ثابت کیا ہے اور بار بار اپنے وعدوں کی خلاف ورزی کی ہے۔ اب مَیں تمہاری ضمانت پر جو تم نے اُس کے آئندہ کے لئے نیک چلن رہنے سے متعلق دی ہے اُسے چھوڑ دیتا ہوں۔ اگر پھر کبھی اُس نے ہمارے اعتماد کو

ٹھیس پہنچائی تو یہ اُس کا آخری موقع ہو گا۔ تم اب جا کر اُس سے یہ ساری باتیں کہہ دو اور یہ بھی کہہ دو کہ اُس کی زندگی تمہاری وجہ سے ہی بچی ہے۔"

مَیں نے اُس خیمے کی طرف گل بی بی کی رہنمائی کی تا کہ وہاں پر وہ شاہسوار کو موت کا منتظر دیکھ سکے۔ پھر وہ اپنے خاوند کو ساتھ لے کر باہر آئی۔ وہ بہت ہی مغلوب اور متاثر تھا۔ اُس کا اظہارِ تشکر حقیقی تھا۔ بہرحال وقتی طور پر ایک بار پھر اُس نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ ہمارے خلاف کبھی ہتھیار نہیں اُٹھائے گا۔

دوسرے دن مُراد کا پیغام آیا کہ اُس نے بھُوسے کی ایک بہت بڑی مقدار جمع کر رکھی ہے جو چودہ بڑے بڑے ڈھیروں میں، لے جانے کے لئے تیار پڑی ہے۔ اسے لے جانے کے لئے اونٹ بھجوا دیئے جائیں۔

مُراد کو اطلاع بھجوا دی گئی کہ کل مَیں خود ایک مختصر سا محافظ دستہ لے کر اونٹوں کے ساتھ کرسیم آباد پہنچ جاؤں گا تا کہ مَیں ذاتی طور پر تمہارا شکریہ ادا کر کے بھُوسے کی قیمت چُکا دوں۔

لہٰذا احکام جاری کر دیئے گئے کہ حفاظتی دستہ اور اونٹ کل علی الصبح روانگی کے لئے تیار ہوں۔ مگر اسی رات کو لینڈون کے ایک جاسوس نے خبر پہنچا دی جس سے اس پروگرام میں کچھ تبدیلی کی گئی۔

یہاں پر یہ ذکر کرنا مناسب ہو گا کہ کچھ دن پہلے لینڈون مجھے مجبوراً چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ یاد رہے کہ اس وقت فارس میں صرف تین انٹیلی جنس افسر تھے، لینڈون جن میں سے ایک تھا۔ اس لئے اُسے واپس اپنی ڈیوٹی پر جانا پڑا۔ اس کی جگہ پر میرے برگیڈ میجر کی حیثیت سے چھتیسویں (۳۶) سکھ کا ایک بہت ہی قابل سٹاف

آفیسر میجر سینڈرز آچکا تھا۔

جاسوس نے جو خبر ہمیں پہنچائی وہ یہ تھی کہ جُنید میرے کرسیم آباد کی طرف جانے کے تمام مجوزّہ پروگرام سے واقف ہے اور تجویز کر چکا ہے کہ اپنی پوری طاقت سے حملہ کرکے مجھے گرفتار کرے۔ اب تک وہ ایک ایسے اچھے موقعے کے اِنتظار میں تھا کہ مَیں کسی ترغیب سے خواہش کے قلعے سے باہر نکلوں اور اب اُس نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ وقت آگیا ہے۔

"بہت اچھا۔ وہ اِسے پالے گا۔" مَیں نے جواب دیا۔ "البتہ ہم اُسے مایوس کر دیں گے۔ ایک مختصر دستہ کے ساتھ جانے کی بجائے ہم اپنی فوج کا ایک بہت بڑا حصّہ اور توپیں بھی ساتھ لے کر جائیں گے۔ تب وہ اپنے کام کا انجام دیکھ لے گا۔"

الغرض دوسرے دن صبح جب ہم نے مارچ کیا تو ہماری روانگی ایک متاثر کُن نظارہ پیش کر رہی تھی۔ مَیں نے طے کر لیا تھا کہ سب کچھ نہایت عمدگی سے ہو اور بھرپُور ہو۔ اِس لئے مَیں نے پلٹن کی ایک کافی بڑی تعداد، رسالہ، توپیں اور اونٹوں کا ایک بڑا کانوائے ساتھ لیا تھا۔

ہم بہت دُور نہیں گئے تھے کہ ایک اور جاسوس نے آکر اطلاع دی کہ کرسیم آباد میں جمع کیا ہُوا تمام بھوسہ جلا دیا گیا ہے۔ پہلے تو مجھے اپنے کانوں پر بمشکل یقین آیا۔ مَیں نے اُس سے کہا کہ اُسے غلط فہمی ہُوئی ہے۔ ممکن ہے اِس کا کچھ حصّہ اتفاقیہ جل گیا ہو، کیونکہ بھُوسے کے وہ تمام چودہ کے چودہ ڈھیر جو مُراد نے جمع کئے ہیں اِس طرح نہیں جلائے جا سکتے۔ مگر اُس شخص نے کہا کہ

کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہُوا ہے۔ اُس نے خود جاکر وہ جلی ہُوئی زمین دیکھی ہے جن پر بھُوسے کے یہ ڈھیر لگے تھے۔ وہ ایک دُوسرے سے کافی فاصلے پر جمع کیے گئے تھے تاکہ اگر ایک کو آگ لگے تو دوسرے اُس آگ سے بچ جائیں۔ لیکن اُن میں سے ہر ڈھیر کو علیحدہ علیحدہ اور ایک ایک کر کے آگ لگادی گئی ہے۔ مُراد کے پاس ثبوت موجود ہے کہ یہ کارروائی جنید کے آدمیوں نے کی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ خبر سُن کر مَیں غصّے میں آپے سے باہر ہوگیا۔ اِس سے ہمارے بدقسمت جانوروں پر جو پہلے سے ہی نیم فاقہ کر رہے تھے بہت بڑی مصیبت گذرے گی۔ یہ ایک ناقابلِ معافی حرکت تھی، بالخصوص جبکہ ہم یہ اُمید کیے بیٹھے تھے کہ اِس بھُوسے سے ہم سال کے آئندہ آنے والے بُرے مہینوں میں اپنا گذارہ کر سکیں گے۔

مَیں نے دستے کو تیز تر مارچ کرنے کا حکم دیا۔ اب ہمارے کرنے کی صرف ایک چیز باقی رہ گئی تھی اور وہ یہ کہ ہم آگے بڑھیں اور اِس خبر کی حقیقت معلوم کریں۔ اور اگر جنید واقعی اِس حرکت کا مجرم ہے تب اسے اعلانِ جنگ کے مترادف قرار دیا جائے۔ اب تک، جس قدر ممکن ہو سکا ہم اُس کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اِس تمام عرصے میں اِس کے ساتھ نرم برتاؤ اور فیاضانہ سلوک کرتے رہے۔ لیکن برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ اب مزید تحمّل نہیں ہوگا۔

جھُلستی دھوپ پڑنے کے باوجود ہم نے اِس فاصلے کو بُہت کم وقت میں طے کیا۔ ہم کریسیم آباد سے اب تک پانچ میل کے فاصلے پر تھے کہ

ہمارے ہراول دستے نے دشمن کے بہت بڑی تعداد میں نظر آنے کی اطلاع دی۔

"میرا خیال ہے کہ وہ مجھے گرفتار کرنے کو آئے ہیں۔" مَیں نے سینڈرز سے کہا۔ "جنید غالباً اب تک اِس خیال میں ہے کہ ہم ایک مختصر دستے کے ساتھ آ رہے ہیں۔ مَیں یہ دیکھنے کا مشتاق ہُوں کہ جب وہ فوج اور توپوں کو دیکھے گا تو کیا کرے گا؟"

اس نے جو کچھ کرنا تھا ہمیں جلد معلوم ہو گیا۔ اُس بڈّھے بدمعاش نے ایک ہی نظر ڈال کر بھانپ لیا کہ ایک بار پھر اُسے اپنے چاؤ میں ناکامی کا مُنہ دیکھنا پڑا ہے۔ مجھے مسلسل رواں افواہوں سے یہ معلوم ہو گیا کہ توپوں کو دیکھ کر اُس پر خوف طاری ہو چکا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ کیا آفت ڈھا سکتی ہیں؟ اِس میں شک نہیں کہ اُس نے اب تک توپوں کو چلتے نہیں دیکھا تھا مگر کوہِ تفتان پر پہاڑی توپوں کی گھن گرج سُن چکا تھا اور اُن کے ہمہ گیر تباہی پھیلانے کا خوف اُسے دامنگیر ہو چکا تھا۔ اِس لئے جُوں ہی رسالہ اور توپیں ظاہر ہُوئیں، حملہ کرنے کی بجائے اُس نے مُجھ سے ملنے کو ایک پیغام رساں بھیجا اور درخواست کی کہ کیا وہ میری عزّت افزائی کے لئے مُجھ سے ملنے کو آ سکتا ہے؟

"اُس سے کہہ دو۔" مَیں نے غصّے سے بدستور بے قابو ہو کر جواب دیا۔ "اُس کے آ سکنے کی بات نہیں، وہ ضرور آئے اور اپنی ذمہ داری پر فوراً پہنچے۔ مَیں اب مذاق کی کیفیت میں نہیں ہُوں، وہ خود آ کر دیکھ لے گا۔"

چند لمحے بعد ہم نے جُنید کو اپنے اُونٹ پر سوار دو تین آدمیوں کے ساتھ اپنی طرف آتے دیکھا۔ پہنچتے ہی مجھے اُس نے یقین دلانا چاہا کہ جب اُس نے

سُنا کہ مَیں یہاں آ رہا ہُوں تو میری عزت افزائی کے لیے وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ چلا آیا۔

"عزت افزائی پر لعنت بھیجو" مَیں نے غصّے سے جواب دیا۔ "اُس بھُوسے کو جو مَیں نے مُراد سے خریدا تھا، جلانے کا تمہارا مقصد کیا تھا؟ کیا وہ بھی میری عزت افزائی کے لئے تھا؟"

جنید نے اپنی بے گُناہی جتلانے کو احتجاج کیا: "کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز جو جرنیل صاحب کی ملکیت ہو، اُسے کوئی جلا دے۔ جرنیل صاحب کیسے اِس پر شک کر کے اُسے بدنام کرتے ہیں کہ اُس نے یہ جُرم کیا ہے۔ اگر بھُوسہ واقعی جلا دیا گیا ہے تو وہ قسم کھاتا ہے کہ اِس سے اُس کا کوئی تعلق نہیں۔ وہ بے گناہ ہے۔"

"بہت اچھا، ہم بہت جلد یہ ثابت کر دیں گے کہ آیا بھُوسہ تم نے جلایا ہے یا نہیں۔" مَیں نے جواب دیا۔ "مَیں کرسیم آباد جا رہا ہُوں تحقیقات کے لئے، تم بھی اُدھر چلو گے اور اگر یہ ثابت ہو گیا کہ اِس میں تمہارا ہاتھ ہے، گو کہ مجھے یقین ہے تمہارا ہاتھ ہے، تم اپنی موت کے دن تک اِس کے لئے افسوس کرو گے۔ میرے آگے آگے چلے جاؤ اور کرسیم آباد میں میرا انتظار کرو۔"

جنید نے اگرچہ حکم کی تعمیل کی مگر اُس کا چہرہ اُتر گیا اور ہماری فوج نے اپنا مارچ جاری رکھا۔

کرسیم آباد سے تین چوتھائی میل کے فاصلے پر پہنچ کر ہم نے ایک موزوں جگہ دیکھ کر قیام کیا۔ یہ ہموار اور سخت زمین کا ایک قطعہ تھا جو ایک چھوٹی سی

پہاڑی کے نیچے واقع تھا۔ اِس پہاڑی پر سے گردونواح کے تمام علاقے پر نظر رکھی جاسکتی تھی اور اِس طرح کسی اچانک حملے کو روکا جاسکتا تھا۔

فوج کی اکثریت کو یہاں چھوڑ کر میں بلٹن کے ایک درجن سپاہیوں اور رسالہ کے تقریباً پندرہ سواروں کے محافظ دستہ کے ساتھ آگے بڑھا۔

کرسیم آباد میں داخل ہو کر میں نے ایک بہت بڑا درخت دیکھا جس کے نیچے کچی مٹی کا ایک چبوترہ بنا ہُوا تھا جو اُس چھوٹے سے ویران قلعے کے قریب تھا۔ تحقیقاتی اجلاس کے لئے یہ مجھے ایک موزوں مقام معلوم ہُوا کیونکہ درخت کا سایہ ایک وسیع دائرے میں پھیلا ہُوا تھا جو جلا دینے والی دھوپ سے ہمیں بچاؤ کی صورت بہم پہنچاتا تھا۔

لہٰذا میں بیٹھ گیا۔ سینڈرز اور سرحد دار میرے دائیں بائیں بیٹھ گئے جبکہ رسالے کے سوار اپنے گھوڑوں سے اُتر کر درخت کے پیچھے کھڑے رہے۔ بلٹن کا محافظ دستہ ہماری دائیں طرف کو قطار باندھے کھڑا رہا۔

مُراد جو بہت مغموم تھا، آگے آیا اور کہا کہ تمام بھُوسہ جو اُس نے میرے لئے جمع کیا تھا، جلا دیا گیا ہے۔ اِس طرح اُس نے اس اطلاع کی تصدیق کر دی جو مجھے پہلے مل چکی تھی۔

"کِس نے جلایا؟" میں نے گرج کر پُوچھا۔ "کیا تم اُس آدمی کو پیش کر سکتے ہو جس نے میرے مال کو جلانے کی جُرأت کی ہے؟"

میری حیرت کی انتہا نہیں رہی جب مُراد نے کہا کہ وہ اسے پیش کر سکتا ہے۔ اُس نے اس شخص کو جو ایک یار محمد زئی تھا، پکڑ لیا تھا۔ بمشکل اُس

آدمی کو سامنے لایا گیا تھا کہ ہر طرف سے مسلح افراد نے سر اُٹھایا۔ ایک لمحہ پہلے ہمارے بغیر یہاں پر کوئی نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ یہ مسلح افراد زمین کے اندر سے اُچھل کر باہر آ ئے مگر درحقیقت وہ متصلہ کھیتوں میں چھپے بیٹھے تھے۔ ایک دم میں سمجھ گیا کہ وہ جنید کے لشکر کے چُنے ہوئے آدمی ہیں۔ وہ تقریباً ڈیڑھ یا دو سو تھے۔ وہ آگے بڑھ کر آئے اور ایک دائرے کی صورت میں ہمارے قریب سامنے آ کر بیٹھ گئے۔ جنید، اُس کے رشتے دار اور نور محمد نامی ایک شخص جو ایک چالاک بدمعاش تھا، اُن سے آگے آ کر بیٹھ گئے۔

دفعتاً مجھے اپنی سپاہیانہ بے اصُولی کرنے کی غلطی کا احساس ہُوا جو میں نے اصل سپاہ کو تین چوتھائی میل کے فاصلے پر پیچھے چھوڑنے میں کی تھی اور وہ بھی یہ تحقیق کئے بغیر کہ آیا جنید کے آدمیوں نے کریم آباد پر بھی قبضہ کر لیا ہے یا نہیں۔ یہ لوگ میگزینی رائفلیں، جو ہمیشہ بھری ہُوئی ہوتی تھیں اپنے گھٹنوں پر رکھے بیٹھے تھے۔ جہاں ہم بیٹھے تھے میں نے محسوس کر لیا مگر بہت دیر بعد کہ میں اپنے اُن فوجیوں کو بھی جو میرے ساتھ تھے نہ تو وہاں سے دیکھ سکتا ہوں اور نہ اُنہیں کوئی اشارہ کر سکتا ہوں، لہٰذا اب کوئی معجزہ ہی ہمیں بچا سکے گا۔ میں نے جلد پیچھے مُڑ کر رسالے کے اُن پندرہ یا سولہ سواروں کی طرف دیکھا جو میں اپنے ساتھ لایا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اپنے گھوڑوں سے اُترے ہُوئے اور نیزے ہاتھوں میں سنبھالے کھڑے ہیں اور اُن کی رائفلیں اُن تھیلوں میں گھوڑوں کے پہلوؤں میں لٹکی ہُوئی ہیں۔ یہ ایک بہت بُری صورت تھی۔ اُن پر اس صورت میں قبضہ کرنا جبکہ وہ گھوڑوں سے اُترے ہُوئے تھے ایک لمحے کا کام تھا۔

ظاہر ہے کہ مَیں نے اپنے آپ کو خود دام میں پھنسا دیا تھا۔ ہم سب اسے جانتے تھے لیکن میرے آدمیوں میں سے کسی نے آنکھ کے اِشارے سے بھی اِس کا اظہار نہیں ہونے دیا۔

مَیں نے اُس آدمی کی طرف رُخ کیا جسے مُراد نے میرے سامنے یہ کہہ کر پیش کیا تھا کہ اِس شخص نے بھُوسے کے ڈھیر جلا دیئے ہیں۔

"تم کو یہ ہمت کیسے ہُوئی کہ میرے بھُوسے کو جلا دو۔ ایسا کرنے کی تمہارے پاس کیا وجوہات ہیں اور کِس نے تم کو ایسا کرنے کو کہا؟"

اِس سے پہلے کہ وہ شخص کچھ کہتا، نور محمد اُچھل کر کھڑا ہو گیا اور پھر چیخ کر کہا۔ "یہ ملک اور جو کچھ اِس میں ہے، ہمارا ہے۔ ہم بھُوسے کو جلا دیں یا کوئی اور چیز، جو ہم چاہیں گے، جلا دیں گے۔" اور پھر اُس نے سینڈرز اور میری طرف جس انداز سے دیکھا، اُس سے کوئی شک باقی نہیں رہا کہ اُس کا مقصد کیا ہے؟

مَیں نے غصّے میں اُس سے کہا کہ وہ بیٹھ جائے، مَیں اُس سے بات نہیں کرتا۔ جواب میں اُس نے ایک دھمکی آمیز رویّہ اختیار کیا اور میری ہنسی اُڑاتے ہُوئے کہا کہ مَیں ایک ایسا حکم دے رہا ہُوں جس کی تعمیل نہیں کرا سکتا۔

مَیں نے ایک سپاہی کو حکم دیا کہ اسے گرفتار کرے۔ سپاہی اب تک بمشکل اپنی جگہ سے ہِل سکا تھا کہ جنید کے آدمی اُچھل کر کھڑے ہو گئے، اور اپنی رائفلیں سیدھی کر دیں۔ مجھے ماننا پڑے گا کہ اُس وقت میں نے برجستہ اقدام

گیا۔ بے شک اب سوچنے یا کچھ اور کرنے کا موقع نہیں تھا۔ میں نے چیخ کر اُن سے کہا: "تم کُتّوں کو یہ جرأت کیسے ہُوئی؟ فوراً بیٹھ جاؤ۔" ساتھ ہی میں نے جنید کی طرف اپنے ہاتھ بڑھائے جو میرے قریب سامنے بیٹھا تھا۔ غصّے سے بے قابو ہو کر میں نے اُسے پکڑ لیا اور کھینچ کر اپنے پاس بٹھا دیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" میں پھر اُن لوگوں کے جو ہمیں گھیرے ہُوئے تھے، کالے چہروں کی طرف دیکھ کر چیخ اُٹھا۔

ہچکچاہٹ اور شکوک نے ہمیں دھمکیاں دینے والے اس گروہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اُن کی اکثریت بیٹھ گئی۔ سینڈرز اور محافظ دستے کو میں نے حکم دیا کہ اُن کو جو کھڑے ہیں، غیر مسلّح کر دیں۔

بجلی کے کوندے کی طرح میرے آدمی جھپٹے۔ وہ مشکور ہُوئے کہ بجائے اس کے کہ ہم بیٹھ کر انتظار کرتے اور وہ ہمیں گولیوں سے اُڑا دیتے، ہم نے پہل کر کے عملی قدم اُٹھایا اور پلک جھپکتے ہی اُن وحشیوں کو جو اب تک ہچکچا رہے تھے کہ گولی چلائیں یا ہتھیار ڈال دیں، دبوچ لیا اور اُن کی بندوقیں چھین لیں۔ وہ اب تک اپنے سردار کی طرف رہنمائی کے لئے دیکھ رہے تھے، مگر جنید جو کسی وقت ایک ناقابلِ تسخیر لڑاکا مشہور تھا، اپنے حواس کھو بیٹھا اور آنکھیں نیچی کئے بیٹھا رہا۔ نہ تو کوئی فیصلہ کرنے کے قابل رہا اور نہ ہی اپنے آدمیوں پر حاوی رہا۔ لہٰذا جب وہ غضبناک مگر متزلزل حالت میں کھڑے تھے، میرے آدمیوں نے اُن کو غیر مسلّح کر کے لاچار کر دیا۔

"اب" میں اُن لوگوں کی طرف جو بیٹھے ہُوئے تھے دیکھ کر چیخا۔ "اُٹھو

اور اپنی رائفلیں اُس دیوار کے پاس رکھ دو۔" قلعے کی کچی دیوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مَیں نے کہا۔" اور اگر تم میں سے کسی میں غدّاری کا ذرا سا شائبہ بھی پایا گیا تو مَیں تم کو کتّوں کی طرح، جو تم ہو، گولی مار دوں گا۔" بھیڑوں کے ایک ہانکے ہوئے گلّے کی طرح وہ اُٹھے اور حکم کی تعمیل کی۔

قبل اِس کے کہ ہم اس کا پوری طرح سے احساس کرتے، خطرہ ٹل گیا۔ اب مَیں نے اُن چھاپہ ماروں سے ایک ہیجان انگیز زبان میں مخاطب ہو کر کہا کہ میں اُن سے متعلق کیا خیال کرتا ہُوں۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ اُن کی زندگیاں، اُن کی جائدادیں اور اُن کے مال و متاع بار بار بچائے گئے ہیں۔ ہر دفعہ اُن کی آزادی اُن کو بخش دی گئی ہے، جبکہ اُن کو جیل خانے میں ہونا چاہیئے تھا۔ مگر اِس دفعہ اُن کا جُرم ناقابلِ معافی ہے اور اب اُن کو اُس سلوک کا مزا چکھا دیا جائے گا جس کے وہ مستحق ہیں۔

مَیں نے اپنے محافظ دستے کو حکم دیا کہ ان آدمیوں کو پکڑ کر ایک ساتھ باندھ دیا جائے اور پھر اُن کو کیمپ میں لے جایا جائے۔ یار محمد زئیوں کی ایک خاصی تعداد یہ سُنتے ہی اُچھل پڑی اور قبل اِس کے کہ اُن کو روکا جا سکے، بھاگ کر اُونچی اُگی ہُوئی فصلوں میں غائب ہو گئی۔ مگر باقی میں سے ہم نے ساٹھ ۶۰ کو پکڑ لیا اور اُن میں سے تین تین کو ایک ساتھ اُن کی پگڑیوں سے باندھ دیا گیا اور اِس طرح ان کو فوج کے بڑے دستے کی طرف لے جایا گیا جو اب تک اِس واقعے سے جو ان سے تقریباً تین چوتھائی میل کے فاصلے پر وقوع پذیر ہُوا تھا، بالکل بے خبر تھے۔

سینڈرز اور میں جہاں پر تھے وہیں بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر بعد سرحد دار بھی اپنے چہرے سے پسینہ پونچھتے ہوئے واپس آیا۔

"اُن کا خوب صفایا کر دیا گیا، صاحب!" اُس نے کہا، اور میں نے دیکھا کہ اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے، اِس کے باوجود کہ اِس نازک صورتِ حالات میں اُس نے نہایت بہادرانہ کردار ادا کیا تھا۔ "اگرچہ ان میں سے کئی بچ کر نکل گئے لیکن جن کو ہم نے گرفتار کر لیا ہے، یار محمد زئی قبیلے کے تقریباً تمام سر برآوردہ افراد ان میں شامل ہیں۔ اُن کے بغیر اِس قبیلے کی حیثیت اب ایک ایسے گروہ کی رہ گئی ہے جس کا کوئی لیڈر نہ ہو۔ اب ہمیں ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے اُن میں سے کئی ایک کی تلاشی لی ہے اور ان سے پوچھ گچھ کی ہے اور میرے پاس ناقابلِ تردید ثبوت موجود ہے کہ وہ آپ کو گرفتار کرنے آئے تھے۔ وہ آپ کو زندہ پکڑنا چاہتے تھے، مارنا نہیں چاہتے تھے تاکہ وہ آپ سے اپنی شرائط منوا سکیں۔" سرحد دار نے کہا۔

"بہت اچھا۔" میں نے نفرت سے کہا۔ "میں اُن کے ساتھ دوستی کرنے کی کوشش میں بھر پایا۔ میں مانتا ہوں کہ آپ اور عیدو ہر وقت مجھے ہدایت کرتے رہے کہ یہ سعیٔ لاحاصل ہے لیکن میں اُمید پر اُمید کرتا رہا۔ اب حکومتِ ہند ان سے نپٹ لے گی۔ اور میں حکومتِ ہند کو مشورہ دوں گا کہ بہتر فیصلہ یہی ہوگا کہ ان کو ہندوستان منتقل کر کے وہاں پر قید رکھا جائے۔"

سرحد دار نے دلی تسکین پا کر جواب دیا۔ "میں شکرگذار ہوں کہ بالآخر آپ اِس نتیجے پر پہنچ گئے۔ سرحد میں امن قائم رکھنے کا یہی واحد طریقہ ہے۔

جمعہ خان نے اپنی وفاداری کا کافی ثبوت دیا ہے اور خلیل خان جو کہ ناقابلِ اعتبار ہے سرکار سے اکیلے لڑنے کا خواب نہیں دیکھے گا۔ اگر میرا مشورہ لیا جائے تو میرا مشورہ یہ ہوگا کہ بالآخر جس کسی کو بھی رہا کیا جائے مجھے اعتراض نہیں ہوگا لیکن نور محمد کو کبھی رہائی نصیب نہ ہو۔ وہ جنید کا چالاک شرارتی مشیر ہے۔ اگر وہ نہ ہوتا تو آپ جنید کو صحیح معنوں میں وفادار رہنے کا قائل کر دیتے۔ مگر جب تک نور محمد جو ایک شیطان ہے اُس کے کانوں میں سرگوشی کرتا رہے گا، آپ کبھی جنید پر بھروسہ نہیں کر سکیں گے کہ وہ اپنے حلف کا پابند رہے گا۔"

کریسم آباد سے روانہ ہونے سے قبل مَیں نے مُراد کو اُس کے بھوسے کا معاوضہ دیا کیونکہ اُس کی نیّت نیک تھی۔

جب ہم بڑے دستے میں واپس پہنچے جو اَب مُشتاقانہ طور پر متجسّس تھا تو مَیں نے ایک دفعہ پھر اپنے قیدیوں کو چھانٹا۔ ان میں سے تینتالیس (۴۳) کو رکھ کر باقیوں کو جانے دیا۔ یہ یاد رہے کہ ہم خوراک میں خود کفیل نہ تھے، اِس لئے مَیں کسی ایک بھی غیر ضروری شخص کو کھِلانا نہیں چاہتا تھا۔ مگر مَیں اپنے جانوروں کے لئے چارہ حاصل کئے بغیر بھی واپس خواش نہیں جانا چاہتا تھا۔ اِس لئے مَیں نے جنیدؔ سے کہا کہ چُونکہ اُس نے وہ بھوسہ جو ہم نے خریدا تھا جلا دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک اچھی قیمت پر بھی بھُوسہ بیچنے پر راضی نہیں ہُوا ہے اِس لئے مَیں اب اُس کا بھوسہ کوئی معاوضہ ادا کئے بغیر لے جاؤں گا۔

لہٰذا ہم نے براستہ کمال آباد ایک چکّر لگایا۔ جہاں میرے آدمیوں

نے گندم اور بھوسہ کی تلاش شروع کر دی۔ بالآخر ہم نے معلوم کر لیا کہ یہ اشیائ جنید نے بڑی احتیاط مگر بڑے سادہ طریقے سے چھپا رکھی ہیں۔ گندم کو بوریوں میں ڈال کر ریت کے ٹیلوں میں دبا دیا گیا تھا اور ریت کو پھر احتیاط سے ہموار کر دیا گیا تھا تاکہ کوئی ایسا نشان باقی نہ رہے جس سے یہ اندازہ ہو کہ اسے کھودا گیا ہے۔

تلاش شروع کرنے سے پہلے مَیں نے سرحدار سے پوچھا کہ "یہ کیسے ممکن ہو گا کہ ہمارے آدمی اُن بوریوں کو ڈھونڈھ نکالیں"۔ مجھے ڈر تھا کہ جنید نے مجھے بھٹکا دیا ہے۔ "وہ جانتے ہیں کہ کس طرح اُن کو ڈھونڈھ نکالیں"۔ سرحدار نے جواب دیا۔ "آپ اُن کو تلاش کا حکم دیں اور پھر دیکھیں کہ وہ کیا کریں گے۔ وہ اِس چالبازی کو بخوبی جانتے ہیں"۔

لہٰذا حکم دیا گیا کہ تلاش شروع کی جائے اور گندم کی جتنی بھی بوریاں ملیں اور تمام بھوسہ جو ہاتھ لگے سب کو اُٹھا لائیں۔ ایک ہی لمحہ میں اُنہوں نے ریت کے ٹیلوں میں اپنی تلاش شروع کر دی۔ اپنی بندوقوں کو صاف کرنے کی سیخوں کو اُنہوں نے ریت میں چبھونا شروع کیا۔ وقفہ وقفہ کے بعد اُن میں سے ایک چیختا رہا۔ "یہاں"۔ اور پھر تھوڑی دیر کھودنے کے بعد ایک بوری کھینچ کر باہر نکال دی جاتی رہی۔

لُوٹ کے مال کو کھود کر نکالنا واقعی ایک دلچسپ نظارہ پیش کرتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد مَیں نے کہا۔ "لاؤ، ایک سیخ مجھے دے دو تاکہ مَیں بھی کوشش کروں"۔

لیکن مَیں اِس کھیل کا ایک ناکام کھلاڑی ثابت ہُوا۔ گو کہ مَیں بھی ریت چھوتا رہا لیکن مجھے کچھ نہیں مِلا، حالانکہ مجھ پر ہنستے ہُوئے ریکیوں نے اُسی جگہ سے جہاں سے مجھے کچھ نہیں ملا تھا کئی بوریاں نکال دیں۔ اِس گندم کو پالینا ایک بڑے دفینے کی دریافت کے برابر تھا، اسے نہایت احتیاط سے اونٹوں پر لادا گیا۔

کمال آباد سے مَیں نے دو آدمی اپنے سے پہلے پیغام دے کر کرنل کلیرج (Claridge) کے پاس روانہ کئے جن کو خواش کا انچارج بناکر پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا۔ جو کچھ واقع ہُوا تھا اُس سے متعلق اجمالاً اُسے اطلاع دے دی گئی اور ساتھ ہی اُسے ہدایت کی گئی کہ اُن قیدیوں کے لئے جو لائے جائیں گے، خار دار تاروں کا ایک جنگلہ تیار کرے۔ کرنل کلیرج اِس مستعدی سے اپنے کام میں لگ گیا تھا کہ دوسرے دن جب ہم وہاں داخل ہُوئے تو ہمیں ایک ایسا جنگلہ تیار ملا جو کوئی بھی کمانڈر بنانا پسند کرتا ہے۔

قلعے کے محافظ دستے نے ہمارا شاندار استقبال کیا۔ لُوٹ کا جو مال ہم لائے تھے اِس سے وہ بہت خوش ہوئے۔ بھُوسے کے معنی تھے کہ ہمارے جانوروں کی جان بچ گئی اور گندم ہمارے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ تھی جبکہ ہمارا آٹے کا ذخیرہ قریب الاختتام تھا۔

گندم، خواش کی عورتوں کو کیمپ سے باہر پیسنے کے لئے دیا گیا۔ اِن جفاکش عورتوں میں سے ہر ایک کے پاس پتھر کی ایک ہتھ چکی ہوتی تھی۔ اِس کے بعد کئی دنوں تک فضا اِن ہتھ چکیوں کی آواز سے گونجتی رہی۔ اِن عورتوں نے ذاتی طور پر مجھ سے درخواست کی کہ اُن کی اُجرت اُن کے اپنے ہاتھوں میں دی

جائے کیونکہ انہوں نے کہا کہ وہ اپنے مَردوں پر بھروسہ نہیں کرتیں۔

تحقیقات پر معلوم ہُوا کہ جب اُن کی اُجرت مَردوں کو دی جاتی تو وہ اپنی بیویوں کی محنت کی کمائی کو اپنی جیبوں میں ڈال لیتے اور اُن کو کچھ نہ دیتے۔ لہٰذا کچھ دنوں تک ہر بعد دوپہر ہم خواتین کی عورتوں کی پریڈ لگاتے تاکہ اپنی اُجرت جو انہوں نے دیانتدارانہ محنت سے کمائی تھی نقدی کی صورت میں وصُول کریں۔

اِس دوران جبکہ مجھے یار محمد زئی قیدیوں کو حکومتِ ہند کے سپرد کرنے کے احکام کا انتظار تھا، مَیں نے اُن سے کیمپ کو مزید مستحکم کرنے کا کام لیا۔ اُن سے کام لینا آسان نہ تھا کیونکہ وہ کام کرنے سے شدّت سے انکار کرتے تھے۔ اِسے وہ اپنی بے عزّتی سمجھتے تھے اور صریحاً ذلّت خیال کرتے تھے کہ ایک جنگجو شخص کو اپنے ہاتھوں سے کام کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔ وہ دلیل دیتے تھے کہ ہاتھوں کا ایسا محنت طلب کام خواشیوں جیسے کمتر طبقے کے لوگوں سے لیا جائے۔ دیانتداری سے اگر دیکھا جائے تو اِس کام سے اُن کو کوئی تکلیف نہیں ہُوئی بلکہ قید کے دوران اُن کی صحت نمایاں طور پر بہتر ہُوئی۔ یہ غالباً اُن کی خوراک میں اَدل بدل اور اضافہ کا نتیجہ تھا اور اُن سبزیوں کا جو ہمارے نئے باغیچے میں پیدا ہُوئی تھیں اور جن میں وہ محافظ دستے کے ساتھ کھانے میں برابر کے شریک تھے۔

دسواں باب

اس دوران جبکہ سرحدی قیدیوں سے متعلق مجھے حکومت ہند کی ہدایات کا انتظار تھا میں فارسی بندیوں کے سوال کی طرف متوجہ ہُوا۔ یہ سوال بڑے عرصے سے میرے زیر غور تھا۔ اس میں بڑی تکلیف دہ حقیقت یہ تھی کہ نہ صرف یار محمد زئی اور گلستاد زئی قبائل اس میں ملوث تھے بلکہ ہمارے دوست قبائل ریکی یعنی عیدو کے اپنے قبیلہ کے آدمی بھی ان بدقسمت عورتوں اور بچوں کی بہت بڑی تعداد اپنے پاس رکھے ہوئے تھے۔ میں نے اعلان کیا کہ عنقریب میں ایک ایسا حکم جاری کر دوں گا کہ سرحد کے تمام بندیوں کو ہمارے حوالے کیا جائے۔ اس کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ عیدو بھی علی الاعلان اس کے خلاف بڑبڑانے لگا۔

عیدو نے کہا کہ یہ کارروائی اُس کے اپنے قبائلی ساتھیوں کے لئے بڑی مصیبت ہو گی۔ ان میں سے کئی نے اگرچہ خود چھاپے مارنے میں حصّہ نہیں لیا ہے تاہم انہوں نے جائز طور پر ان عورتوں کو اُن کے لانے والوں سے قیمت دے کر خریدا ہے۔ اس کارروائی سے وہ نہ صرف اس رقم سے محروم ہوں گے جو انہوں نے ان کے لئے دی ہے بلکہ اپنے ان خدمتگاروں سے بھی محروم ہوں گے جو اُن کے لئے ادنیٰ کام کیا کرتے ہیں۔

عیدو کا نقطۂ نظر بالکل واضح تھا لیکن "اُن بدقسمت بندیوں کا کیا ہو گا؟

میں نے دریافت کیا۔ سرحدار نے میری حمایت کی۔ جس کے وہ لائق تھا۔ بالآخر ہمارے درمیان ایک سمجھوتہ ہوگیا۔ لہٰذا ہم نے یہ حکم جاری کر دیا کہ تمام بندی آزاد کر دیئے جائیں البتہ چونکہ ریگیوں نے ہماری ہر ممکن امداد کی ہے اس لئے گورنمنٹ اُن کے بندیوں کو خرید لے گی۔ تین سو ایک عورت کے لئے، پچھتر روپے ایک لڑکی کے لیے اور پچیس روپے ایک لڑکے کے لیے اُن کو قیمت ادا کر دی جائے گی۔

مقرّرہ وقت پر ہر طرف سے بندیوں کی آمد شروع ہوئی۔ البتہ اِس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں تک ممکن ہو سکتا تھا، حکم کو نظر انداز بھی کیا گیا۔ آخر کار بندیوں کی واپسی کو تیز تر کرنے کے لئے یہ ضروری ہوا کہ ایک دُوسرا اعلان کر دیا جائے اور اُس میں یہ کہہ دیا جائے کہ حکومت تمام بندیوں کو خرید کرے گی چاہے اُن کا مالک کوئی بھی ہو۔ اِس اعلان کے بعد حیرت انگیز طور پر اُن کی تعداد میں اضافہ ہُوا۔ کچھ اونٹوں پر سوار اور کچھ پیدل پہنچتے رہے۔ اِن بدبخت عورتوں اور بچّوں کی حالت انتہائی قابلِ رحم تھی۔ اِن میں سے کچھ وہ تھے جو عزّت اپنے حالیہ بڑے چھاپے میں پکڑ لایا تھا مگر اکثریت اُن بندیوں کی تھی جو کئی سالوں سے اِن لوگوں کے قبضے میں چلے آ رہے تھے۔ وہ سب بھُوک سے نیم جان، بدن سے نیم برہنہ اور ڈر سے سہمے ہُوئے تھے جس سے اُن کے ساتھ بُرا سلوک ہونے کا اظہار ہوتا تھا۔ اِن میں سے کئی ایسا لگتا تھا کہ اپنی زندگیوں سے نااُمید تھے۔

اِن غریبوں کو خواشیوں میں رہنے کی جگہ دی گئی۔ اِن کے لئے علیحدہ

جھگیاں مخصوص کی گئیں۔ رفتہ رفتہ اُن میں مہذبانہ زندگی کے کسی قدر آثار نظر آنے لگے۔ سفید موٹے سُوتی کپڑے اور چھینٹ کجاوٴ سے منگوائے گئے۔ اِن کپڑوں سے خواتین کی عورتوں نے ہمارے اِن آزاد کئے ہوئے بندیوں کے لئے پیرہن تیار کئے۔ جب اُن سے یہ کہا گیا کہ وہ اب آزاد ہیں اور بہت جلد اُن کو واپس اُن کے گھروں میں بھیج دیا جائے گا تو اُن کی خوشی قابلِ دید تھی۔ اُن پر ترس آتا تھا۔

اُن میں سے ہمارا ایک نیا مہمان آیا جو ہمارے لئے ایک مسلسل حیرت و استعجاب کا باعث بنا رہا۔ یہ مہمان ایک خوبصورت، تنومند، کم سِن اور پُرکشش اُنیس یا بیس سال کی عورت تھی۔ وہ ایک گماشتہ ذی معتبر کے قبضے میں تھی۔ جب اُس نے یہ حکم سُنا کہ تمام بندی رہا کر دیئے جائیں گے تو اُس نے بھی اپنی رہائی کا مطالبہ کیا کہ وہ بھی انگریز جرنیل کے پاس خواش جانا چاہتی ہے جہاں فارسی بندیوں کو تحفظ دیا جاتا ہے۔ اُس کے گماشتہ ذی مالک کا بالکل ارادہ نہیں تھا کہ اُسے جانے دے کیونکہ وہ اُس کے لئے بڑی کارآمد عورت تھی۔

یہ فارسی لڑکی جو صلاحیت اور قوّتِ برداشت دونوں رکھتی تھی، ایک رات کو تاریکی میں وہاں سے بھاگ نکلی۔ اگرچہ اُس کے مالک نے بڑی دُور تک اُس کا تعاقب کیا مگر وہ اُن کو دھوکا دینے میں کامیاب ہوئی اور اُن سے بچ کر نکل گئی۔ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تمام رات بھاگتی رہی اور پُورے چالیس میل کی یہ دشوار گذار پہاڑی اور ریتلی وادی طے کر لی۔ یہ اگرچہ ایک ناقابلِ یقین بات تھی بلکہ ایک ایسا کرشمہ تھا جس پر پہلے پہل تو ہم میں سے کسی نے یقین نہیں کیا مگر

جب اُس نے ایسی قابلِ یقین شہادتیں پیش کیں تب ہم کو اُس کی باتوں پر یقین کرنا پڑا۔

یہ بے چاری بہت ہی غلیظ تھی۔ اُس کے پاؤں ننگے اور بدن پر چیتھڑوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ مگر اس کے باوجود آزادی پانے کی خوشی اور گھمنڈ میں وہ ایک چلتی پھرتی مورتی لگتی تھی۔

اِن بندیوں کی خستہ حالت نے ہمارے دلوں میں اُن کے لئے درد مندی کے جذبات پیدا کئے اور جب ہم آپس میں بیٹھ کر اُن پر تبصرہ کرنے لگے تو سرحد دار نے متاسفانہ انداز سے کہا: "آپ نے اُن کی مقامی خوراک نہیں دیکھی، اگر آپ دیکھتے تب اُن کی خستہ حالت پر تعجب نہ کرتے۔ جو خوراک اُن کو ملتی رہی ہے وہ اِن چھوٹے چھوٹے تھیلوں میں اُسے اپنے ساتھ لائے ہیں اور جسے وہ اب لئے لئے پھرتے ہیں"۔

اِس سے میرا شوقِ تجسّس بھڑک اٹھا اور میں نے اُن میں سے چند عورتوں کو بُلا کر کہا کہ وہ مجھے دکھائیں کہ اُن کے اِن تھیلوں میں کیا ہے۔ اُنہوں نے بلا جھجک جواب دیا کہ اُن میں وہ خوراک ہے جو اُن کے مالک اُن کو کھانے کو دیتے رہے ہیں۔ اِس کے علاوہ کوئی جنگلی سبزی ہے جو وہ خود دامنِ کوہ سے جمع کر لیتی ہیں۔ جب اُن میں سے کچھ تھیلے خالی کرا دیئے گئے تو اُن میں سے خشک ٹڈیوں کی ایک قلیل مقدار زمین پر گری۔ گو کہ یہ ہمیں ناقابلِ یقین معلوم ہوتا تھا لیکن دقیق تحقیقات کرنے پر اُن کے بیان کی تصدیق ہو گئی کہ یہی خشک ٹڈیاں اکثر اُن کی خوراک کا ایک خاص حصہ ہُوا کرتی تھیں۔ اِن شہادتوں کے بعد کسی شخص کو بھی تعجب نہیں ہوگا

کہ یہ غریب لوگ کیوں ایک ایسی بدحال، خوف زدہ اور مایوس کُن حالت میں تھے۔

جب ہمارے پاس اِس قدر بندی جمع ہو گئے جتنے ہم رکھ سکتے تھے تب یہ ضروری ہُوا کہ ان کو اِن کے گھروں کو بھجوا کر دوسروں کے لئے جگہ خالی کرا دیں اور اِن کی خوراک کی بہم رسانی سے بچا جائے۔ چونکہ یہ گروہ اب اپنی انسانی حالت میں واپس آ چکا تھا اِس لئے وہ بھی اب اپنے گھروں کو واپس جانے کے لئے بے تاب تھے۔ اور جب یہ اعلان کیا گیا کہ ہم اُن کو پہرہ داروں کی حفاظت میں بھجوا رہے ہیں تو اُنہوں نے خوشی سے رونا اور ہنسنا شروع کیا۔ مگر جب اُن سے کہا گیا کہ اُن کی واپسی عزّت یار محمد زئی کی نگرانی میں ہو گی جو اُن میں سے بعضوں کو گرفتار کر کے لایا تھا تو اُن کی خوشی مایوسی میں بدل گئی اور انہوں نے مجھ سے درخواست کی کہ اُن پر رحم کیا جائے، عزّت کے ساتھ ان کو واپس نہ بھجوایا جائے بلکہ اُن کو کسی اور کے سپرد کیا جائے، کیونکہ عزّت اُن کو پھر بندی بنا دے گا۔

"مَیں نے عزّت کا فیصلہ کیا ہے"۔ مَیں نے جواب دیا۔ "کیونکہ ایک سردار کی حیثیت سے اُس کے پاس تم لوگوں کو لے جانے کے لئے اپنے کئی اونٹ ہیں اور چونکہ اُس نے ہی تم میں سے بہت سوں کو اغواء کیا ہے اِس لئے وہی جانتا ہے کہ تم کو کہاں پہنچا دیا جائے۔ تم ڈرو نہیں، خود یہاں آ کر سُن لو جو کچھ مَیں اُس سے کہوں گا اور اگر اِس کے باوجود بھی تمہاری تسلّی نہیں ہوئی تو پھر مَیں کسی اور کا انتخاب کروں گا۔ اِس کا تم لوگ خود فیصلہ کرو"۔

لہٰذا عزت کو بُلوایا گیا اور اِس حکم سے اُسے مطلع کیا گیا۔ مَیں اسے ایک شاعرانہ انصاف خیال کرتا تھا کہ وہ ہی ان کو واپس لے جائے جس نے ان کو اغوا کیا تھا اور ان کی زندگیاں تباہ کر ڈالی تھیں۔ عزت میری باتوں کو ناگواری سے سُنتا رہا اور مَیں نے اُس کی کالی آنکھوں کی چمک سے یہ قیاس کر لیا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔ یہ عورتیں اگر ایک بار پھر اُس کے سپرد ہوں تو وہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔

"اور" مَیں نے آہستہ سے اضافہ کیا: "تم اِن میں سے ہر ایک عورت سے متعلق، جو مَیں تمہارے سپرد کروں گا، اُس کے بحفاظت پہنچنے کی رسید لاکر میرے ہاتھ میں دوگے۔ مَیں نے ان سب کے نام لکھ لئے ہیں۔ یہ رسیدیں ہر ایک عورت کی طرف سے جب وہ اپنے گھر پہنچے، انفرادی طور پر لکھی جائیں، جس میں یہ تحریر بھی ہو کہ اثناء راہ میں اُس کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک عورت کی رسید جب تم واپس خواش پہنچے، تمہارے پاس نہ ہُوئی تو میں تمہارے خاندان کے ہر شخص کو اِس درخت کی شاخوں سے لٹکا دوں گا جس کے نیچے اِس وقت مَیں بیٹھا ہُوں اور پھر تم اِس قابل ہو جاؤ گے کہ ان کے مردہ جسموں کو اپنے لیے اُن کے حساب میں شمار کرو۔ تمہاری غیر حاضری میں تمہارا خاندان میری تحویل میں رہے گا۔

عزت یہ جانتا تھا کہ جو کچھ مَیں کہتا ہُوں ویسا ہی کر دکھاتا ہُوں۔ "صاحب! مَیں آپ کے ہاتھ میں ہُوں۔ مَیں ویسا ہی کروں گا، جیسا آپ کہیں گے۔" عزت نے جواب دیا۔ اب مَیں ان مُشتاق فارسی عورتوں سے مخاطب ہُوا، "تم نے

سُن لیا جو کچھ کہا گیا اور وہ شرائط بھی سُن لیں جن کو عزّت نے قبول کیا۔ کیا اب تم اُس کے ساتھ جانے کو رضامند ہو؟

اُن سب نے مجھے یقین دلایا کہ اب وہ راضی ہیں۔ ایک دو دنوں کے بعد سواروں کا یہ پورا دستہ روانہ ہوگیا۔ عزّت نے کافی اُونٹوں کا بندوبست کیا تھا تاکہ وہ بندی جو کمزور اور بیمار تھیں اُن کو سوار کیا جائے اور جو تندرست تھیں، اُن کے لئے بھی باری باری سواری کا انتظام کیا تھا۔ اس کے علاوہ اِس طویل راستے کے لئے جو یہاں سے نرماشیر تک تقریباً ڈیڑھ سو میل کا فاصلہ تھا، خوراک کا بھی پورا انتظام کیا تھا۔

قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ہمیں اُس وقت کتنا اطمینان حاصل ہُوا جب ہم نے اُن کو حفاظت سے یہاں سے روانہ ہوتے دیکھا۔ میں یہاں اِس حقیقت کا بھی اظہار کرنا چاہتا ہُوں کہ کچھ دنوں کے بعد جب عزّت واپس آیا تو وہ ہر بندی کی طرف سے رسید لایا تھا کہ وہ خیریت سے اپنے گھر پہنچ گئی ہے۔ عزّت کو جرأت نہیں ہوسکی تھی کہ وہ اُس خطرناک سزا کو دعوت دے۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اُس نے میرے اعتماد کے خلاف کیا تو اُسے یقیناً متذکرہ سزا برداشت کرنا پڑے گی۔

بالآخر کچھ تاخیر کے بعد کوئٹہ سے سرحدی قیدیوں سے متعلق ہدایات حاصل کرنے کی میری درخواست کا جواب آگیا جس میں مجھے ہدایت کی گئی تھی کہ ان تمام قیدیوں کو کوئٹہ بھجوا دُوں جو یہاں سے چار سو پچاس میل کے فاصلے پر ہے۔

قدرتی طور پر میرے پاس اتنی فوج نہ تھی کہ مَیں اِس طویل سفر کے لئے ایک معقول محافظ دستے کا انتظام کر سکتا۔ لہٰذا مَیں نے ایسا ہی جواب بھیج دیا مگر ساتھ ہی یہ رائے بھی دی کہ اگر حکومت اُن ہندوستانی افواج میں سے جو خواشش سے نو منازل کے فاصلے پر سیاہینڈک کے مقام پر موجود ہیں، حفاظتی دستے کا انتظام کر سکے تب مَیں خواشش سے سیاہینڈک تک ان کو پہنچانے کا انتظام کر سکوں گا۔

مزید دو ہفتوں کے انتظار کے بعد جواب آیا کہ ایک سو چھ (۱۰۶) ہزارہ پوائنیئر کے تین سو سپاہی سیاہینڈک بھجوا دیئے جائیں گے جو وہاں پر اُن قیدیوں کو سنبھال لیں گے اور مجھ سے درخواست کی گئی کہ مَیں اُن قیدیوں کو بلا تاخیر ایک نگران دستہ کے تحفظ میں سیاہینڈک بھجوا دُوں اور مجھے یہ بھی اطلاع دی گئی کہ وائرلیس والوں کا ایک دستہ بھی فوری طور پر خواشش روانہ کر دیا گیا ہے تاکہ وہ ہندوستان کے ساتھ رسل و رسایل کو آسان تر بنا دیں۔ اس وقت رسل و رسایل کا واحد ذریعہ رباط یا گجادُ سے تارِ برقی کے ذریعے کوئٹہ سے تھا جو عموماً ایک ناقابلِ بھروسہ اور زیادہ وقت طلب سلسلہ تھا۔

لہٰذا جب مجھے ہزارہ پائنیر کے سیاہینڈک پہنچنے کی صحیح تاریخ معلوم ہُوئی تب مَیں نے سرحدی قیدیوں کو وہاں بھیجنے کی تیاری کر لی۔ اِسے واضح طور پر ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ یہ تمام ناہموار اور بے راہ علاقہ جو اِن دو مقاموں کے درمیان واقع ہے دشمنوں کی تاخت و تاراج کی زد میں تھا اور دشمن بھی وہ جو اِس اُفتاد سے جو اُس پر آ پڑی تھی کہ اُس کے اِس قدر زیادہ

معتبرین اور سردار ہماری قید میں تھے ۔ انتہائی طور پر مشتعل تھا۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ ان کے مقابلے میں ہماری تعداد نسبتاً بہت تھوڑی تھی۔ بہرحال، ہم نے میرا خیال ہے کہ نہایت احتیاط سے یہ اندازہ لگا لیا کہ یار محمد زئی اس خیال سے کہ اُن کی اِس قدر مشہور ہستیاں ہماری قید میں ہیں، ہم پر حملہ کر کے اُن کی زندگیوں کو خطرے میں ڈالنے کی جرأت نہیں کریں گے ۔ اِس لئے ہم اُن کو خاطر میں نہیں لائے اور اپنے کو اُن سے بالکل محفوظ خیال کیا۔

لہٰذا ہم نے فیصلہ کیا کہ ایک طرف سے وائرلیس والے جن کی نگرانی کو بھی ایک محافظ دستہ ہو گا ہماری طرف روانہ ہوں جبکہ دوسری طرف سے قیدیوں کو لے کر ہمارا محافظ دستہ اُن کے متوازی راستے پر اگرچہ مخالف سمت میں چلا جائے۔ وائرلیس والوں کو حکم دیا گیا کہ وہ جنوب کی سمت سے کوہِ تفتان کی مشرقی ڈھلوانوں کی طرف سے آئیں اور قیدیوں کو شمال کی طرف سے کوہِ تفتان کی مغربی ڈھلوانوں سے لے جایا جائے۔

مَیں نے فیصلہ کیا کہ ایک بڑے سے بڑا محافظ دستہ جو ممکن ہو قیدیوں کے ساتھ بھجوا دیا جائے۔ میرا مقصد یہ تھا کہ ایسا مضبوط اور مناسب اِنتظام ہو کہ اِن قیدیوں کو ہزارہ پائینیر کے جوانوں کے جو بڑے اچھے لڑاکا آدمی ہیں، سپرد کر دینے سے قبل کوئی غیر متوقع حادثہ نہ ہونے پائے ۔ میرے پاس اِس کی ایک اور وجہ بھی تھی۔ مجھے متعدد ذرائع سے خبردار کیا گیا تھا کہ خلیل خان اپنے تمام قبائلی لشکر کو جمع کرنے میں مصروف ہے تاکہ جنید اور اُس کے آدمیوں کو، جب اُنہیں شمال کی طرف سیاہ مینڈک کو لے جایا جا رہا ہو، رہائی دِلا سکے ۔

خواہش میں ہمارے محافظ دستے کا صرف ڈھانچہ باقی رہ گیا جبکہ خاص فوج، دو انگریز افسروں کے زیرِ کمان، جو رسالے کے تین دستوں، پلٹن کے پچھتّر (۷۵) سپاہیوں (جو ہماری کُل تعداد کا تین چوتھائی تھا) اور دو مشین گنوں پر مشتمل تھی، محافظ دستے کے طور پر قیدیوں کے ساتھ بھجوا دی گئی۔

جولائی کے مہینے میں ایک دن علی الصبح یہ دستہ روانہ ہُوا۔ اُسے پہلے دن اٹھارہ میل مارچ کرنا تھا۔ اُسی رات کو یا دوسرے دن علی الصبح جبکہ دو بجے کا وقت تھا، مجھے میرے خیمے میں جگا کر اطلاع دی گئی کہ ایک سوار میرے لئے ضروری پیغام لے کر ابھی پہنچا ہے۔ ایک لمحے کے بعد رسالے کا ایک سوار جو چوبیس گھنٹے پہلے خوشی خوشی یہاں سے محافظ دستے کے ساتھ گیا تھا، ہانپتا ہُوا اندر داخل ہُوا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کس تیز رفتار سے گھوڑا دوڑا کر آیا ہے۔ اُس نے کہا کہ اُس نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی اتنا تیز گھوڑا نہیں دوڑایا ہے۔ اُسے قیدیوں کے محافظ دستے کے کمانڈر کا ایک ضروری پیغام پہنچانا ہے اور وہ پیغام یہ ہے کہ جنید اور اُس کے بیٹے کے ماسوا تمام قیدی رات کی تاریکی میں بھاگ گئے ہیں۔ ان حالات میں کمانڈر کو آئندہ اقدام کے لئے حکم کا انتظار ہے۔

تھوڑی دیر کے لئے مَیں نے ایسا محسوس کیا کہ مَیں سویا ہُوا ہُوں اور خواب دیکھ رہا ہُوں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ پینتالیس (۴۵) غیر مسلح آدمی، ایک پوری طرح مسلح اور تعداد میں بھی زیادہ محافظ دستے سے بھاگ کر نکل جانے میں کامیاب ہوں۔ مگر حقیقت نے بالآخر مجھ پر غلبہ پا لیا۔ حقیقت جو ہماری بالکل تباہی سے کمتر نہ تھی۔

میرے چار مہینوں کا تمام کام صرف چند گھنٹوں میں ملیامیٹ ہو کر رہ گیا۔ اب مجھے یہ حقیقت تسلیم کر لینی چاہیئے کہ جس کام کے لئے مجھے بھجوایا گیا تھا اور جسے مَیں نے اِس قدر کامیابی سے اختتام کے قریب پہنچا دیا تھا اچانک اُس کی یوں کایا پلٹ گئی اور مجھے مضحکہ خیز طور پر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

حالات نے اب نہ صرف یہ صورت اختیار کر لی کہ ہم اپنے دشمنوں اور اُن کے سرغنوں کو اُس بڑے محافظ دستے کے جو محض اُن کا قبضہ حاصل کرنے کے لئے آ رہا ہے سپرد نہیں کر سکتے بلکہ اِس واقعہ کے بعد وہ مفرور سردار بھی اِس قابل ہوں گے کہ اپنی از سرِ نو تنظیم کر کے اپنے اُن آدمیوں کی ہمت افزائی کریں جو گذشتہ کئی مہینوں سے محض اِس لئے خاموش تھے کہ اُن کا کوئی قائد نہ تھا۔

یہ سردار اب ہماری طاقت اور ہمارے ایک ایک آدمی کو جانتے ہیں اور قدرتی طور پر وہ اپنی حالیہ گرفتاری سے نہایت تلخ اور مشتعل بھی ہیں۔ مَیں جانتا تھا کہ وہ اب اپنی کوششوں میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے کہ ہمیں ختم کر ڈالیں۔ میرے خیالات بیان کرنے سے زیادہ محسوس کئے جا سکتے ہیں۔ اِس تباہ کُن معاملے کے متعلق مَیں نے اُس سوار سے زیادہ باریک بینی سے تفصیل دریافت کی۔ حفاظتی دستے نے غروبِ آفتاب سے قبل پہاڑ کے ایک کھلے دامن میں اپنا کیمپ لگایا۔ ایک جنگلے یا خاردار تاروں سے ایک معمولی قسم کا زریبہ[1] لگایا گیا اور قیدیوں کو ماسوائے جُنید اور اُس کے بیٹے کے اُس کے اندر رکھا گیا اور اُن پر پہرہ دار

---

[1] پڑاؤ یا گاؤں کی حفاظت کے لئے جھاڑیوں یا نوکدار لکڑیوں کا احاطہ۔

کھڑے کر دیئے گئے۔ جنید اور اُس کے بیٹے کو ایک علیحدہ جھگی میں رکھا گیا اور اُن کے سامنے بھی پہرہ لگا دیا گیا۔ یہ ایک تاریک اور خاموش رات تھی۔ کیمپ کے باسی بہت جلد سونے اور آرام کرنے کو لیٹ گئے۔

اچانک کچھ عجیب سی سرسراہٹ کی آواز زریبہ کے قریب سے آنے لگی۔ پہرہ داروں نے تاریکی میں اندھا دُھند گولیاں چلانا شروع کیں اور پھر فوراً تمام کیمپ بیدار ہو گیا اور افسر قیدیوں کی قیام گاہ کی طرف دوڑے۔ چراغ روشن کئے گئے، تب یہ نظر آیا کہ زریبہ بالکل خالی ہے۔ یہ سب کچھ کیسے ہُوا تھا، صاف نظر آرہا تھا۔ قیدیوں نے اپنے تمام کپڑے اُتار لئے تھے اور اُن میں سے موٹے موٹوں کو خاردار تاروں پر ڈال دیا تھا اور پھر تاروں پر اپنا پُورا وزن ڈال کر اُن کو توڑا یا نیچے گرا دیا تھا۔ بہرحال جس طرح بھی ممکن ہو سکا اُنھوں نے کیا اور پھر سب کے سب وہاں سے بالکل برہنہ، اپنے کپڑوں کو خاردار تاروں پر چھوڑ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

بلاشبہ فوری طور پر اُن کی تلاش شروع کر دی گئی مگر چھاپہ مار اُن غیر ہموار اور ٹوٹے پھُوٹے پہاڑوں میں خطرے کا بگل بجنے سے چند لمحے پہلے ہی جا پہنچے تھے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی پھر ہاتھ نہیں آیا۔ اب صرف جنید اور اُس کا بیٹا ہمارے پاس قیدی رہ گئے تھے۔

ایک ایسی پسپائی کے بعد اگر کسی شخص کی بدحواسی اِنتہا کو پہنچے تو اُسے معاف کر دیا جائے۔ ہماری اِس ناکامی سے نہ صرف حکومت ہند کا اعتبار ہم سے اُٹھ گیا کہ ہم قیدیوں کو بحفاظت نہیں پہنچا سکے بلکہ یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ وائرلیس والوں کو حفاظت سے پہنچانے کی جو ذمہ داری ہم نے قبول کی تھی وہ بھی خطرے میں پڑ گئی۔

کیونکہ اب اُن پر بلاشبہ حملہ کر دیا جائے گا جبکہ اِس وقت وہ اُس دشمن کے علاقے کے عین درمیان میں ہوں گے جس کے اپنے آدمی اِس کامیاب اقدام پر اب خوشی سے پھُولے نہیں سماتے ہونگے۔

مَیں نے محسوس کر لیا کہ اب ہمیں ایک لمحہ ضائع کئے بغیر کوئی قدم اُٹھانا چاہیئے۔ ہم کو سب سے پہلے وائرلیس والوں کو اُن کے محافظ دستے کے ساتھ بچانا چاہیئے. اِس کے لئے بہتر طریقۂ کار یہ ہوگا کہ قیدیوں کے محافظ دستے کو جن کے پاس اب جُنید اور اُس کے بیٹے کے علاوہ اور کوئی قیدی نہ تھا، حُکم دیا جائے کہ وہ فوری طور پر اُس سمت میں مارچ کریں جہاں سے وائرلیس والے آ رہے تھے۔ جبکہ سینڈرز اور مَیں، جتنے بھی آدمی ہم اِس وقت جمع کر سکیں اُن میں سے ایک برائے نام سا دستہ خواتین کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر، در آں حالیکہ ہم پہلے سے ہی بہت کم تعداد میں تھے، اُس دستے کے ساتھ شامل ہونے کو روانہ ہوں جو آج ہی مشرقی سمت میں روانہ ہونے والا تھا۔

زاں بعد، مَیں وہاں سے اُس محافظ دستے میں سے کچھ آدمیوں کو ساتھ لے کر اِس غرض سے کمال آباد کی طرف چلا جاؤں تاکہ خلیل خان کے زیرِ اقتدار گمشاوزئیوں کو روک سکوں۔ مجھے یقین ہو چکا تھا کہ اب وہ بلاتاخیر اپنی اُس دھمکی کو جو وہ جُنید کو رہائی دلانے کے لئے بارہا ہمیں دے چکا تھا، ضرور زیرِ عمل لائے گا۔ لہٰذا میری منزلِ مقصود کمال آباد کی وادی تھی جہاں سے مجھے کم از کم کسی اور جگہ کی بہ نسبت ان کو روکنے کا بہتر موقع مِل

سکتا تھا۔

لہٰذا قاصد کو ہدایت کر دی گئی کہ وہ فوراً محافظ دستہ کے کمانڈر کے پاس ہمارا خط لے کر واپس چلا جائے، جس میں اُسے اپنے نئے اقدام سے متعلق اطلاع دیتے ہوئے بتلایا گیا کہ کس مقام پر آج شام کو مَیں اُن سے ملوں گا۔

قاصد کو روانہ کر دینے کے بعد مَیں نے ایک نوکر بھجوا کر سینڈرز، سرحدار اور عیدو کو جگایا اور اُن کو فوراً اپنے خیمے میں طلب کیا۔ جب اُن کو یہ بُری خبر سُنا دی گئی تو اُن کی پریشانی بھی مجھ سے کچھ کم نہ تھی۔ سرحدار کے لئے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دُنیا ختم ہو گئی۔ صورتِ حال یقیناً بہت ہی خراب تھی مگر ہماری انتہائی افسردہ اور دل شکستہ مختصر سی پارٹی بہرحال ایک گھنٹہ بعد کیمپ سے روانہ ہو گئی۔

شام کو بہت دیر بعد قیدیوں کا محافظ دستہ متعینہ مقام پر ہم سے ملا۔ اُن کے پہنچتے ہی مَیں نے بلاتاخیر یونٹوں کو ترتیب دینے کا کام شروع کیا۔ مَیں نے رسالہ کے پچیس سوار، پلٹن کے پچاس سپاہی اور دونوں مشین گنیں کمانڈنگ آفیسر کے حوالے کیں جو اِس تباہ کُن افتاد سے بُری طرح حواس باختہ ہو چکا تھا اور اُسے حُکم دیا کہ وہ اِس دستہ کو لے کر نہایت تیز رفتار سے اُس سمت میں مارچ کرے جس سمت سے وائرلیس والوں کا دستہ اب آ رہا ہوگا۔ اُس کو مزید یہ حکم بھی دیا گیا کہ جونہی وہ اُس دستے سے ملے، اُن کو بتلا دے کہ کیا واقعہ پیش آیا ہے اور یہ کہ مَیں اُن کے لئے اسے اب محفوظ

خیال نہیں کرتا کہ وہ اِس وقت خواش چلے جائیں، لہٰذا کمانڈنگ افسر اُن کو ساتھ لے کر واپس بیاہیند کہ چلا جائے جہاں پر وہ جُنید اور اُس کے بیٹے کو ہزارہ پائنیر والوں کے سپرد کر دے جو وہاں پر اُن کو حاصل کرنے کے منتظر ہیں۔ اُسے مزید ہدایت کی گئی کہ میں ایک اور سمت میں کمال آباد کی طرف مارچ کروں گا اور کوشش کروں گا کہ خلیل خان اور اُس کے گمشادزئیوں کو روکے رکھوں جو اِن افواہوں کے مطابق جو اُس شام کو ہم تک پہنچی ہیں ایک بڑے لشکر کے ساتھ گشت کی طرف بڑھے چلے جا رہے ہیں۔ گشت کمال آباد کی وادی کے آخری سرے پر واقع ہے۔

میرا مختصر سا دستہ وہاں سے اُسی وقت روانہ ہُوا۔ رات کو تقریباً بارہ میل سفر کرنے کے بعد طلوعِ آفتاب سے قبل کمال آباد پہنچ گیا۔ یہ ضرور یاد رہے کہ سرحد جیسے ایک علاقے میں اور ایسے حالات میں جو ہمیں درپیش تھے، مُہم جُوئی دوسری قسم کی لڑائیوں سے قطعی طور پر مختلف ہے۔

میری اپنی مختصر سی فوج میں اور بالخصوص کیمپ کے خدمتگاروں میں دوستوں، احتمالی دشمنوں، غداروں اور جاسوسوں کی بھی کمی نہ تھی۔ مزید برآں علاقے کی تمام آبادی لڑنے والی ایک ایسی طاقت تھی جس کا تقریباً ہر آدمی مسلّح اور لڑائی کا تربیت یافتہ تھا۔ یہاں پر قاصدوں کے ذریعے جو افواہیں اور خبریں پہنچائی جاتی تھیں وہ مغرب کی ترسیل ڈاک اور اخباروں کا نعم البدل تھیں۔ اِس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کسی شخص کی کوئی بھی حرکت، قبل اِس کے کہ وہ سرزد ہو، پوشیدہ نہیں رہ سکتی اور زبانی زبانی اِس کی اطلاع ایک سے دوسرے تک پہنچ

جاتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اِس طرح ہمیں بھی دشمن کی حرکتوں اور ارادوں کی متواتر اطلاع بروقت پہنچتی رہتی ہے، البتہ اِس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔

جب ہم کمال آباد پہنچے، ہمیں اطلاع مل گئی کہ خلیل خان ابھی وہاں پر تھا لیکن ہمارے قریب پہنچنے کی اطلاع پا کر مورشیں کے پہاڑوں کی طرف نکل گیا ہے۔ بہر حال اُس کا ارادہ ہم سے لڑنے کا ہے لیکن وہ اپنی پسند کے مقام پر ہم سے لڑنا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ کھلے میدان میں ہم سے لڑنا نہیں چاہتا جہاں ہماری مشین گنیں اُس پر ہمیں زیادہ برتری دے سکتی ہیں۔

یہ اطلاع پا کر ہمیں بڑی تسلی ہوئی کیونکہ اِس کے معنی یہ تھے کہ ہم نے اس کا راستہ قطع کر لیا۔ اب ہم اُس کے اور اُس حفاظتی دستے کے درمیان میں تھے جو جینڈ کو لئے جا رہا تھا۔ اِس کے معنی یہ بھی تھے کہ اب وہ ہم سے لڑے اور ہمیں شکست دیئے بغیر اُس دستے پر حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ اب جینڈ جو بہر حال سرحد کا سردارِ اعلیٰ تھا، اور اُس کے بیٹے کو بحفاظت سیاہینڈک پہنچا کر حوالے کر دیا جائے گا۔

مگر یہاں بھی میری تسکین دیرپا ثابت نہیں ہوئی۔ ہمارے کمال آباد پہنچنے کے بہت جلد بعد ایک دوسرا قاصد پہنچا، جسے اُس دستے کے انچارج کمانڈنگ آفیسر نے جو جینڈ اور اُس کے بیٹے کو لے جا رہا تھا، برق رفتاری سے بھیجا تھا۔ اُس نے اطلاع دی کہ دشمن نے اُن پر ایک بڑی طاقت سے حملہ کیا اور جینڈ اور اُس کے بیٹے کو چھڑا کر لے گئے۔

مَیں نے اُس قاصد سے باریک بینی سے دریافت کیا کہ یہ واقعہ کیسے

پیش آیا۔ تب معلوم ہُوا کہ جُنید اور اُس کے بیٹے کو فی الواقع ہمارے آدمیوں کے ہاتھوں سے چھین لیا گیا۔ ایک طویل اور سخت لڑائی ہُوئی، ہماری طرف سے کئی آدمی مارے گئے۔ دونوں انگریز افسر زخمی ہُوئے اور بہت سی رائفلیں اور گولہ بارود ہمارے آدمیوں سے چھین لئے گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے اِس دستے کو کلیتاً ختم کر دیا جائے گا کہ خوش قسمتی سے وائرلیس والے اپنے محافظ دستے کے ساتھ عین وقت پر پہنچ گئے۔ یار محمد زئیوں نے اِس دستے کو امدادی فوج کا ہراول خیال کیا لہٰذا جنید اور اُس کے بیٹے کو ساتھ لے کر پسپا ہو گئے۔

بعد ازاں مجھے معلوم ہُوا کہ جُنید کو بچا لے جانیوالی پارٹی صرف اُن اُنیس[19] آدمیوں پر مشتمل تھی جو گذشتہ شب کو قیدیوں کو لے جانیوالے دستے سے بچ کر نکل گئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام رات برہنہ تن بھاگ بھاگ کر کمال آباد پہنچے اور یہاں پر اپنے تن ڈھانپ کر اور مسلّح ہو کر اپنے سردار کو بچانے کے لیے چل پڑے۔

ایسی نمایاں بہادری، جرأت اور شاندار قوّتِ برداشت کے لئے کوئی شخص بھی ان کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا، اگرچہ اِس سے ہماری مشکلات اور تکالیف میں بہت اضافہ ہوا۔

گمشاد زئی، ممکن ہے کہ اِس واقعہ سے جو وقوع پذیر ہُوا، واقف ہوں وہ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ ایک مختصر سا دستہ لے کر مَیں کمال آباد آیا ہُوں اور یہ کہ کوہِ تفتان کے ڈھلوانوں میں اِس محافظ دستے کے کچھ بچے کھچے آدمی بغیر کسی انگریز افسر کے رہ گئے ہیں اور یہ کہ خواش میں اِس سے بھی ایک قلیل تعداد کی فوج رہ

گئی ہے۔

یہ بالکل واضح تھا کہ ہم جہاں پر اب تھے یہاں سے اُن سے لڑنے کی کوشش کرنا لاحاصل تھا اور یہ بھی واضح تھا کہ اب ہمارے لئے بہتر صورت یہی ہوگی کہ جلد از جلد واپس خواش پہنچ جائیں۔ خواش جو اُب تک ایک غالب حیثیت رکھتا تھا، ہمارے قبضے میں تھا۔ اِس برتر حیثیت کے پیشِ نظر یہ ممکن تھا کہ ہم ایک بار پھر اپنی منتشر طاقت کو جمع کر سکیں اور مزید کمک بھی حاصل کریں۔

ظاہر ہے کہ اِس فتح کی خوشی سے پھُولے نہ سما کر اور اپنی رہائی سے مغرور ہو کر جنید کو بھی خواش کی اہمیت کا ضرور خیال آیا ہوگا اور بلاشبہ اگر وہ اِس وقت تک خواش کو روانہ نہیں ہُوا ہے تو اب فوری طور پر روانہ ہو جائے گا۔ لہٰذا ایک بار پھر ہمارے درمیان سرحد کے صدر مقام کی طرف دوڑ شروع ہُوئی اور جیسا کہ سابقہ موقع پر چند ماہ قبل ہم یہ دَوڑ جیت گئے، اِس دفعہ بھی ہم جیت گئے، مگر اِس دفعہ ہماری جیت پہلے کی شاندار جیت کی بہ نسبت ایک مختلف انداز سے ہُوئی :

گیارھواں باب

خواشس میں داخلے کے فوراً بعد کرنل کلیرج کو اُن تمام آدمیوں کے ساتھ جو فارغ کئے جا سکتے تھے باہر بھیج دیا گیا تاکہ وہ تلاش کر کے قیدیوں کے سابقہ محافظ دستے کے بچے کھچے اور منتشر آدمیوں کو واپس لائیں۔ اسی دوران ایک شتر سوار کو پیغام دے کر ہزارہ پائنیر کے کمانڈنگ افسر کے پاس بیابینیدک روانہ کیا گیا تاکہ وہ ہماری مدد کو فوراً روانہ ہو اور جنوب کی طرف کا وہ راستہ اختیار کرے جس پر چل کر اگر قسمت نے یاوری کی تو وہ کرنل کلیرج سے مل سکے گا۔ ایک قاصد کرنل ڈیل (Dale) کے پاس جو کچاؤ کا کمانڈر تھا بھیج دیا گیا اور اُس سے درخواست کی گئی کہ تمام سامانِ رسد اور گولہ بارود جو وہ مہیا کر سکتا ہے ہمیں بھجوا دے اور ذاتی طور پر بھی ہزارہ پائنیر والوں کو جو اُس کے دائرہ اختیار میں ہیں، روانہ کرنے کا بندوبست کرے۔

کرنل کلیرج اپنے مختصر دستے کے ساتھ بمشکل خواشس سے روانہ ہوا تھا کہ جنیدؔ نے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ، اُن پہاڑیوں میں جو شہر کے شمال مشرق میں تقریباً تین میل کے فاصلے پر واقع ہیں، پوزیشن سنبھال لی۔ اور شاہسوار جیساکہ مجھے توقع تھی اب پوری طرح اور علی الاعلان باغی ہو چکا تھا اور جنوب مغربی پہاڑوں کی طرف سے ہمیں پریشان کر رہا تھا۔

مگر اس کے باوجود ہم یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھے کہ ہمیں شکست ہوئی ہے۔ ہم روزانہ کیمپ سے باہر کھلے میدان میں نکل جاتے اور اس طرح جنید کو چیلنج کرتے کہ وہ پہاڑوں سے نکل آئے اور ہم سے لڑے۔ حالانکہ یہ ماننا پڑے گا کہ ہم جانتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ وہ ہمارے اس چیلنج کو قبول نہیں کریگا۔

بالآخر ایک طویل لیت و لعل کے بعد دونوں سرداروں نے ہم پر رات کے وقت حملہ کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔

مَیں یہاں پر یہ وضاحت کردوں کہ دشمن کو دھوکے میں رکھنے اور اپنی تعداد کی کمی کو چھپانے کے لئے دن کے وقت ہم اپنے تمام آدمیوں کو نئی کھودی ہوئی خندقوں میں جمع رکھتے تھے۔ اس طرح دشمن کو اپنی کثرتِ تعداد سے متعلق غلط فہمی میں مبتلا کرنے سے متعلق ہم کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے تھے۔ مگر رات کو ہم اپنے آدمیوں کو وہاں سے اٹھا دیتے اور کیمپ کے ایک مضبوط قلعہ بند حصے میں رکھتے تھے تاکہ ہماری طاقت مجتمع رہے۔ ہماری ایک مشین گن اس حصے میں ہوتی تھی اور دوسری اس واحد مینار میں جسے گرایا نہیں گیا تھا۔ وہاں سے وہ تمام کیمپ کو تحفظ دے سکتی تھی۔

چونکہ ہم ہر وقت شبخون کی توقع رکھتے تھے اس لئے جب وہ آئے تو ہم ان کے لئے بالکل تیار تھے۔ جنید نے کیمپ کے شمال مشرقی اور شاہسوار نے جنوب مغربی زاویوں سے حملہ کر دیا۔ اور جب دشمن کی بہت بڑی تعداد ان حدود میں ظاہر ہوئی تو ہمارے آدمیوں نے ان پر اندھا دھند گولیاں چلانی شروع کر دیں مگر مَیں نے بہت جلد اُن کو روک دیا اور حکم دیا

کہ فائرنگ بند کر دیں۔ ہمارا طریقہ کار اور مقصد یہ تھا کہ دشمن اگر رات کو حملہ کرے تو اُسے اجازت دی جائے کہ کیمپ کے اندر داخل ہو تاکہ ہمیں اُس سے مجتمع طور پر لڑنے کا موقع مل جائے۔

وہ ہماری بیرونی دفاعی لائن تک پہنچ گئے۔ ہماری اِس عارضی خاموشی سے اور کوئی دفاعی انتظام نہ پانے سے انہوں نے اندازہ لگالیا کہ ہم گھبرا گئے ہیں۔ یہی وہ نہایت اہم وقت تھا کہ ہم اُن کو بتلادیں کہ ہم زندہ ہیں۔

مَیں اپنے مقام سے جو دفاعی حصّے میں تھا، ٹیلیفون کے ذریعے اونچے میناز سے رابطہ رکھتا تھا۔ اِس لئے یہ ممکن تھا کہ دونوں شین گنوں کو بیک وقت فائر شروع کرنے کا حکم دے دُوں۔ لہٰذا مَیں نے فائر کا حکم دے دیا اور ساتھ ہی ساتھ اُن غیر محفوظ حصّوں کے عین درمیان بھی رائفلوں سے گولیوں کی بوچھاڑ کرادی۔

دشمن سمجھ گیا کہ اُن کا شبخون ناکام ہو گیا۔ اِس لئے وہ اس پر تیار نہیں ہُوئے کہ ایسے حالات میں جو اُن کے لئے قطعاً ناموزوں تھے، لڑائی کو جاری رکھیں لہٰذا اُنہوں نے جلد پسپائی اختیار کی۔ رات بہت تاریک تھی، اِس لئے ہماری فائرنگ کے نتائج دکھائی نہ دے سکے۔ لیکن بعد میں افواہوں سے معلوم ہُوا کہ دشمن کو شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ اُس کے کئی آدمی مارے گئے اور زخمی ہُوئے۔ مگر انہوں نے اپنے مقتولین و مجروحین کو اُٹھالیا تھا کیونکہ صبح کو ہمیں وہاں پر کچھ نظر نہیں آیا۔ نتیجہ وہی نکلا جو مَیں چاہتا تھا۔ کیونکہ اِس کے بعد اُنہوں نے پھر کبھی حملے کی جُرأت نہیں کی۔

تین چار دنوں کے بعد ہمیں یہ دل خوش کن اطلاع ملی کہ کرنل کلیرج اور قیدیوں کے بچے کھچے دستے کا ملاپ ہو چکا ہے اور وہ ایک سو چھ (۱۰۶) ہزارہ پائنیرز کے تین سو جوانوں کے ساتھ جو میجر لینگ (Lang) کی زیر کمان ہیں، مل چکے ہیں۔ اُسی ذریعے نے یہ اطلاع بھی دی کہ اب وہ ایک ساتھ، جس قدر تیزی سے ممکن ہو سکتا ہے خواکش کی طرف مارچ کرتے چلے آ رہے ہیں اور ممکن ہے کہ آج یہاں پہنچ جائیں۔ بیشک یہ ایک بڑی اچھی خبر تھی۔

جب وہ پہنچ گئے تو میرے حوصلے اور زیادہ بلند ہوئے۔ ہزارے، لڑاکوں کا ایک اچھا گروہ تھا۔ وہ سب لڑائی کے مشتاق تھے اور پہنچتے ہی دشمن سے لڑنے کے انتظام میں بلا تاخیر لگ گئے۔ یہ یاد رہے کہ ہزارے شیعہ فرقے سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے وہ مشتاق تھے کہ سرحدی سُنیوں میں سے فی کس کے حساب سے جتنے زیادہ مار سکیں، ماریں۔

جنید کو بھی اُن کی آمد کی براہ راست اطلاع مل چکی تھی۔ تب اُس نے محسوس کر لیا تھا کہ اب زیادہ عرصہ اُس کا خواکش کے قرب و جوار میں رہنا محض وقت ضائع کرنا اور بے سود ہے۔ اُسے اب خواکش پر دوبارہ قبضہ کرنے کی ذرہ بھر اُمید نہ تھی لہٰذا وہ اپنے تمام لشکر کے ساتھ واپس سری دُرگان کی وادی میں چلا گیا جو اُس کا گرمائی صدر مقام تھا۔ یہ وادی، کمال آباد کی وادی کے متوازی واقع ہے لیکن مور پشین کے پہاڑوں کی دوسری طرف ہے اور شمال کی طرف سے سری دُرگان کے سلسلۂ کوہ سے بند ہے۔

اب ہمیں اُمید پیدا ہو چکی تھی کہ جنید کے ساتھ یقینی طور پر کامیابی سے

لڑنے کا اچھا موقع آچکا ہے اور اب ہمیں مزید عرصہ کے لئے صرف دھونس اور دھمکیوں سے کام لینے کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔ اگر ہم اُسے ایک کھلی لڑائی میں صحیح طور پر شکست دیدیں تو ہماری گذشتہ تمام ناکامیوں کا پوری طرح اِزالہ ہو سکے گا اور علاقے میں برطانیہ کا وقار پھر بحال ہو جائے گا۔

لہٰذا اِس مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر مَیں نے اُسے پیغام بھجوا دیا کہ اب اپنا خیال رکھے، ہم آرہے ہیں۔ نہ صرف اُس سے لڑنے کے لئے بلکہ اُس کے تمام گلّوں کو لُوٹ کر لے جانے کے لئے۔ جُنید نے ہمارے پیغام کا گستاخانہ جواب دیا کہ وہ بھی ہمارے لئے بالکل تیار ہے اور جانتا ہے کہ اپنے گلّوں کا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے آدمیوں کا حملہ آوروں سے دفاع کس طرح کرے۔

ہزاروں کو اُن کے کئی دنوں کے طویل اور تیز مارچ کے بعد دو چار دِن آرام کے دیئے گئے اور پھر ہم چل پڑے۔ ہماری مشترکہ فوج اب تین سو ہزاروں، ایک دستہ رسالہ، دو پہاڑی توپوں، دو مشین گنوں اور کچھ ریکیوں پر مشتمل تھی۔ ہماری اصل فوج کے باقی بچے کھُچے سپاہی اور دو مشین گنیں کرنل کلیرج کے زیرِ کمان خواش میں چھوڑ دی گئیں۔

میرے ساتھ انگریز افسروں میں سے میجر سینڈرز (بریگیڈ میجر)، میجر لینگ، کپتان مُور لین (Moore Lane)، لفٹیننٹ بریم (Bream) ہزارہ پائنیر کا، لفٹیننٹ انگلش (English) توپ خانہ کے اور کپتان براؤن لو (Brown Low) رسالہ کے کماندار تھے۔ ہم اٹھائیس[۲۸] جولائی کے جُھلسا دینے والے گرم دن کو روانہ ہُوئے جبکہ سری دُرگان میں جُنید کے گلّوں کو لُوٹنا ہمارا

اصل مدعا تھا۔

اِس وادی میں جو کم و بیش پچھتر میل لمبی اور دونوں جانب سے بوتل گردن نما پہاڑوں کے سلسلے سے بند ہے اور جو دونوں طرف اُس کی لمبائی کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں، جیسا کہ پہلے مورپشیں اور سری دُرگان کے سلسلوں سے متعلق بیان ہو چکا ہے اِس میں داخل ہونے کے صرف دو راستے ہیں۔

ہم بخوبی جانتے تھے کہ اِس وادی میں داخلہ یقیناً ایک سخت مرحلہ ہوگا کیونکہ اِس میں داخلہ کے دہانوں کا بڑی آسانی سے دفاع کیا جا سکے گا، اور مدافعین کو وہاں سے ہٹا دینا بہت مشکل ہوگا۔ شمال مغربی درّے کا دہانہ دستِ گیرد کہلاتا تھا اور بہت ہی تنگ تھا اِس لئے جنید یہاں پر ہم کو آسانی سے روک سکتا تھا کیونکہ اِس پر حملہ کے وقت رسالہ کام نہیں دے سکتا تھا اور توپیں بھی وہاں پر اچھی طرح کارگر ثابت نہیں ہو سکتی تھیں کیونکہ گھاٹی کے عمودی کنارے اور پہاڑوں کی عجیب طرح کی محدّب سطحیں تپنچے نے اُنہیں نظروں سے پوشیدہ رکھتی تھیں۔ اِس کے باوجود ہمارے لئے وادی میں اِس درّے سے داخل ہونا ضروری تھا یا پھر اِس کے متبادل جنوب مشرقی سمت سے داخل ہوتے جو اُس مقام کے قریب ہے جو گُشت کہلاتا ہے۔ مگر اِس درّے کا دہانہ بھی اگر اُس کا دفاع کیا جائے، داخلے کے لئے اُتنا ہی مشکل ثابت ہوگا جتنا کہ دستِ گیرد ہو سکتا ہے۔

یہاں پر بہتر ہوگا کہ اِس امر کی بھی وضاحت کی جائے کہ یہاں سرحد میں فتح اِس کو خیال کیا جاتا ہے کہ دشمن کے کتنے رَموں یعنی بھیڑ بکریوں کے گلوں

پر قبضہ کیا گیا، نہ کہ اُس کے کتنے آدمی مارے گئے۔ اِس لئے ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ اگر ہم جُنید پر فتح حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اُسے تسلیم کرانا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ اُس کے تمام گلّوں یا گلّوں کے ایک بہت بڑے حصّے پر قبضہ کریں۔

ہم جانتے تھے کہ یہ ایک مشکل کام ہوگا مگر ہمیں ایسا کرنا ہی پڑے گا۔ اگرچہ عیدو کو ہماری کامیابی پر شک تھا۔ اُس نے کہا۔ "صاحب! اگر آپ دشتِ کیر دے داخل ہونے کی کوشش کریں گے تو جُنید اپنے گلّوں کو گُشت سے باہر بھیج دے گا اور اگر آپ دوسری طرف سے داخل ہونے کی کوشش کریں گے تو یہ آپ کے لئے غالباً تباہ کُن ہوگا، کیونکہ نہ صرف جُنید اپنے گلّوں کو دستِ کیر دے سے باہر بھیج دے گا بلکہ گُشت جو خلیل خان کے علاقے کی سرحد پر واقع ہے وہ بھی بلاشبہ آپ پر ٹوٹ پڑے گا اور جُنید کے لئے بھی کم فاصلہ ہونے کے لحاظ سے نسبتاً آسان ہوگا کہ دستِ کیر دے سے جھپٹ کر خواش پر ہلّہ بول دے جبکہ اُس وقت آپ گُشت میں رہ جائیں گے اور خلیل خان اُس تنگ گھاٹی کو روکے ہوئے ہوگا اور جُنید اُن محدود سے چند آدمیوں کو جو آپ نے خواش میں چھوڑے ہیں، تہس نہس کر رہا ہوگا"۔

ایک بار تو عیدو ہمیں ایک بد فال معلوم ہوا، لیکن اِس وقت ہم اُس کو سُننے کے موڈ میں نہیں تھے۔

بہرحال ہم نے مورپیش پہاڑوں کے باہر سبزہ زار میں اپنا کیمپ لگایا گو کہ ہم جانتے تھے کہ اُن پہاڑوں میں سے سینکڑوں آنکھیں ہماری ہر

حرکت کا مشاہدہ کر رہی ہوں گی۔

اِس مقام پر مَیں نے کپتان براؤن لو کو بلایا اور اُسے حکم دیا کہ رسالہ کو ساتھ لے کر روانہ ہو جائے اور اُس وقت تک دستِ گِرد کی سمت میں کئی میلوں تک چلا جائے جب تک کہ دن کی روشنی رہے اور اِس دوران ساتھ ہی ساتھ اپنی کثرتِ تعداد دکھلانے کی جتنی بڑی نمائش ممکن ہو کرتا جائے لیکن جُوں ہی رات پڑ جائے خاموشی سے جس قدر جلد ممکن ہو واپس آکر ہم سے مِلے۔

ہماری یہ بظاہر معمولی سی جنگی چال قارئین پر نہایت آسانی سے واضح ہو گی جبکہ دشمن ہمارے رسالے کو بظاہر دستِ گِرد کی طرف جاتے دیکھے گا تو وہ اِس سے یہ نتیجہ اخذ کرے گا کہ ہم اُس مقام سے حملہ آور ہوں گے۔ اِس لئے جنید اُس درّے کا دفاع کرنے پر اپنی توجہ مرکوز کرے گا اور ہم سے کل کی لڑائی کے لئے تیاری کرے گا جبکہ ہم اپنی پُوری رفتار سے اُس وقت مخالف سمت میں گشت کی طرف مارچ کریں گے۔

لہٰذا کپتان براؤن لو نے اپنے رسالے کے ساتھ بڑا اچھا مظاہرہ کیا۔ دستِ گِرد کی طرف روانہ ہو کر رات پڑنے تک اُس طرف کو چلتا رہا مگر اُس نے میری ہدایات سے بھی بہتر ایک کام کیا۔ اُس نے وہاں پر بہت سے خشک جھاڑ جھنکاڑ دیکھ کر اُن کو جگہ بہ جگہ جمع کر دیا اور اُن میں آگ لگا دی تاکہ دشمن یہ خیال کرے کہ ہماری تمام فوج نے دستِ گِرد جاتے ہوئے رات کو وہاں کیمپ کیا ہے۔ بعد ازاں وہ تاریک رات کے پردے میں نہایت خاموشی سے واپس ہمارے

کیمپ میں پہنچ گیا۔

جنید دام میں پھنس گیا۔ اُس کے جاسوسوں نے جو کچھ دیکھا تھا اُس کی اُسے جاکر اطلاع دے دی۔ اِس اطلاع کے ملتے ہی وہ اپنے لشکر کے ساتھ جو تقریباً ایک ہزار یا پندرہ سو لڑاکا افراد پر مشتمل تھا اُس طرف کو روانہ ہوا اور واقعی تمام رات دستِ گِرد کی طرف سفر کرتا رہا اور اپنے گلّوں کو ہماری دستبرُد سے بچانے کے لئے مخالف سمت میں گُشت کی طرف بھیج دیا۔ صورتِ حال اب اِس طرح تھی کہ موربِیش کے پہاڑ ہمارے درمیان میں تھے۔ جنیدؔ کے گلّے موربِیش کے پہاڑوں سے دُور اُس طرف سے اور ہم اُن سے قریب اِس طرف سے نہایت تیزی سے گُشت کی گھاٹی کی طرف بڑھ رہے تھے جبکہ جنیدؔ اور اُس کے آدمی مخالف سمت میں دستِ گِرد کی طرف اپنی تیز رفتاری دکھلا رہے تھے۔ لہٰذا اُس وقت تک جبکہ جنید کو ہماری چال کا، جو ہم نے اُس سے چلی تھی، احساس ہو، ہم گھاٹی کی طرف دوڑ میں پوری دو منزلوں کے فاصلے سے اُس سے آگے تھے۔

گُشت نام کی بستی، اِسی نام کی گھاٹی سے قریب باہر کی طرف تھی جو ایک چھاپہ مار سردار کی ملکیت تھی جس کے نام کا تلفّظ کرنا اِتنا مشکل تھا کہ مَیں اُسے کبھی صحیح نہیں بول سکا اِس لئے مجبوراً مَیں اُسے گُشتی کہنے لگا۔ میرا خیال ہے کہ بعد میں یہ نام اُس سے چمٹ گیا۔ یہ چھاپہ مار سردار تقریباً دو سو لڑاکا آدمیوں کا سردار اور اپنی مکمّل آزادی کا دعویدار تھا۔ نہ تو وہ جنیدؔ اور خلیل خان کی اطاعت کرتا تھا اور نہ کسی اور سردار کی۔ گُشت کی بستی گارے کے بنے ہوئے ایک قلعے پر

فخر کرتی تھی اور گُشتی اپنے اسی مضبوط مُستقر سے جب چاہتا، چھاپے مارتا رہتا تھا۔

مجھ سے یہ کہا گیا تھا کہ گُشتی کسی بھی طاقت سے جو ایک ایسی مُہم سر کرنے کو جاتی ہو جو اُس کی پسند کے مطابق ہو، آزادانہ طور پر ملنے کو تیار رہتا تھا۔ اس لحاظ سے ہم اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے خلاف نہ تھے کہ اگر جُنید ہم سے پہلے گُشت پہنچے تو گُشتی کو بلا شُبہ اپنا ساتھ دینے کی ترغیب دے گا۔ بصورتِ دیگر اگر ہم پہلے پہنچے تو یہ ممکن ہو سکے گا کہ گُشتی کو رشوت دے کر اس بات پر آمادہ کریں کہ ہمارے ساتھ شامل ہو۔

کمال آباد، جہاں پر ہم نے پہلے کیمپ کیا اور گُشت کے درمیان تقریباً ساٹھ میل کا فاصلہ ہے اور کمال آباد اور دستِ کِرد کے درمیان تقریباً پندرہ میل کا فاصلہ ہے۔ یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ جب جُنید کمال آباد اور دستِ کِرد کے درمیان پندرہ میل کا فاصلہ طے کر رہا تھا ہم مخالف سمت میں پندرہ میل کا سفر طے کر چکے تھے اور پھر جب اُسے حقیقت معلوم ہوئی تو ہم اُس سے تیس (۳۰) میل آگے تھے۔ ہمارے لئے یہ ایک مفید ابتدا تھی۔ اپنی غلطی کو محسوس کر کے جُنید واپس مُڑا اور بڑی تیز رفتاری سے پہاڑ کی دوسری طرف کے ڈھلوانوں سے ہمارے پیچھے آتا رہا اور ہمارے تعاقب میں اُس نے ایسی تیز رفتاری کا مظاہرہ کیا کہ سطحِ زمین کی مشکلات کے باوجود وہ تقریباً ہمیں پہنچ ہی گیا تھا، لیکن بدقسمتی سے نہیں پہنچ سکا۔ اس دوڑ کو جیتنے کا بہت بڑا انعام ہمارے لئے گُشتی کی متحرک یا غیر متحرک امداد کے ساتھ گُشت کی گھاٹی سے بلا مزاحمت گذرنا تھا۔

تیسرے دن کے مارچ میں ہم نے اپنی فوج کو جتنا ممکن ہو سکتا تھا، پھیلا دیا اور یہ محض اِس لئے کیا گیا کہ گُشتی پہ اثر پڑے۔ ہم نے حسبِ دستور گُشتی کے پاس قاصد بھی روانہ کر دیئے تھے جنہوں نے اُسے دعوت دی تھی کہ وہ ہم سے آکر ملے اور اُسے یہ بات بھی ذہن نشین کرا دی گئی تھی کہ ہماری مخالفت کرنا بے سُود ہے کیونکہ جنید ایک مایوس کُن حد تک ہم سے پیچھے رہ گیا ہے۔ مزید برآں اُس سے یہ وعدہ بھی کیا گیا تھا کہ اگر وہ اپنی مرضی سے ہمارا ساتھ دینے کا فیصلہ کرے تو اُسے بہت بڑا انعام بھی دیا جائے گا۔

جب ہم وہاں پہنچے تو گُشتی ہنستا ہُوا اور خوشی کا مظاہرہ کرتا ہُوا ہم سے ملنے کو آیا اور مجھے یقین دلایا کہ اُس کی نیّت ذرّہ بھر بھی ہماری مخالفت کرنے کی نہیں البتہ وہ نہیں چاہتا کہ اپنے پُرانے دوست خلیل خان کے خلاف لڑے۔ بلاشبہ وہ خلیل خان سے بہت خوف کھاتا تھا۔ اُس نے مجھے خبردار کیا کہ اگر ہم واقعی لڑنا چاہتے ہیں تو ہمیں ایک بہت بڑا معرکہ سر کرنا ہوگا۔ جنید ضرور پیچھے ہوگا مگر اتنا دُور پیچھے نہیں ہوگا کہ آپ اُس سے غافل رہیں۔ اِس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ہمارے اقدام کی اطلاعات بدستور ہم سے پہلے اُن تک پہنچ گئی تھیں۔ اُس نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہُوئے کہا کہ جنید، اگرچہ سلسلۂ کوہ کی دوسری طرف سے ایک بہت بڑے لشکر کے ہمراہ ہماری ایڑیوں کے ساتھ لگا چلا آرہا ہے۔ جبکہ گمشاد زئی، خلیل خان کی سرکردگی میں سفید کوہ کے ڈھلوان میں بہت بڑی تعداد میں جمع ہو چکے ہیں جو تقریباً دو منزلوں کے فاصلے پر گُشت کی گھاٹی کے شمال میں ہیں اور کسی وقت بھی ہم پر حملہ کر سکتے ہیں۔ اُس نے یہ تسلیم کر لیا کہ ہم ایک لحاظ سے اُن پر برتری حاصل کر

چکے ہیں کہ ہم نے گھاٹی کو بلا مزاحمت عبور کر لیا ہے۔

ہم نے گشت میں ایک مختصر وقت گذارا جو اپنی خاصی تعداد کی گارے کی بنی ہوئی جھگیوں اور قلعے کے لئے جس کا پہلے بیان ہو چکا ہے، مشہور تھا۔ وہاں پر کئی کاریزیں بھی تھیں اور کافی بڑی تعداد میں کھجور کے درخت تھے جو آس پاس جھنڈوں میں کھڑے بستی کے نظارے کو دلکش بنا رہے تھے۔ ان کے علاوہ پانی کا ایک چشمہ بھی تھا جس کو دیکھنے کا گشتی بہت تقاضا کر رہا تھا اور جس سے متعلق بہت سی غیر معمولی صلاحیتیں رکھنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔

یہ چشمہ ایک گنبد نما چٹان کی چوٹی سے پھوٹتا ہے اور اس کے قریب چٹان میں ایک جھری ہے جسے انصاف کی جھری کہا جاتا ہے۔ اگر کسی شخص نے برائی کی ہو تو اُسے اس جھری کے پاس لایا جاتا ہے جہاں پر اس کی بے گناہی یا گناہگار ہونے کا امتحان لیا جاتا ہے۔ اگر وہ اپنا ہاتھ اس جھری میں داخل کرنے کے بعد اُسے باہر نکال سکے تو وہ بے گناہ ہے اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے تب وہ گناہگار ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کسی شخص کو بے گناہ ثابت کرنے کا آسان اور محفوظ طریقہ ہے۔

اُسی شام کو ہم درّے کی گھاٹی سے گذرے۔ اس دن ہم نے ایک طویل مارچ کیا تھا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ جو سبقت ہم حاصل کر چکے ہیں اُسے کھو دیں۔ جب ہم اُس بوتل گردن نما تنگ گھاٹی سے نکل کر نسبتاً ایک کھلی جگہ میں پہنچے تو اپنا مارچ متواتر تین میل تک جاری رکھا اور پھر ایک عمدہ کاریز کے کنارے کیمپ لگا کر قیام کیا۔

اُسی رات کو جنید بھی ایک ایسے مقام پر پہنچا جو ہم سے صرف پانچ میل کے فاصلے پر تھا۔ لہٰذا ہم اُس سے دوڑ میں زیادہ فاصلہ نہیں جیت سکے تھے۔ بعد کی اطلاعات سے معلوم ہُوا کہ وہ رات دن سفر کرتا رہا۔ وہ اِس وجہ سے بہت مغموم تھا کہ اُس کی ابتدائی غلطی سے ہمیں یہ موقع مِلا کہ ہم اُس جگہ سے جو ہمارے لئے ایک ناقابلِ عبور رکاوٹ ثابت ہو سکتی تھی، بلامزاحمت گذر گئے۔

دُوسرے دن ہم نے وادی میں تقریباً تین میل تک سفر کیا۔ اِس دوران وہ چھُپ کر مُسلسل ہم پر گولیاں چلاتے رہے اور جُوں جُوں ہم آگے بڑھتے رہے اُن کی تیر باری میں شِدّت آتی گئی۔ بالآخر ہم نے ایک مناسب مقام پر ایک چشمے کے کنارے کیمپ کیا۔ ہم پوری طرح باخبر تھے کہ کسی وقت بھی یار محمد زئی جو ہمارے سامنے تھیں گُمشاد زئیوں کے ساتھ مِل جائیں گے۔ تب اُن کا مُشترکہ لشکر دو ہزار یا ڈھائی ہزار افراد پر مُشتمل ہو گا۔

یہاں پر ہمیں یہ بھی معلوم ہُوا کہ گمشاد زئیوں نے اپنے گلّوں کی ایک بہت بڑی تعداد ایک ایسے مقام پر بھجوادی ہے جو 'مکن ٹُک' کہلاتا ہے اور جو سفید کوہ میں سرگان کی گھاٹی کے پیچھے ہے۔ مَیں نے مکن ٹُک کی طرف چلنے کا فیصلہ کیا۔

لہٰذا دُوسرے دن پانچ بجے صُبح کے وقت ہم نے سرگان کی گھاٹی پر قائم گمشاد زئیوں کے مورچوں پر حملہ کر دیا۔ مگر اُن کی مزاحمت اُس سے بہت زیادہ سخت ثابت ہُوئی جو ہم پہلے سمجھ بیٹھے تھے۔ گو کہ ہم نے اپنے حملے کو گیارہ بجے دن تک جاری رکھا لیکن ہماری اصل فوج نصف میل سے زیادہ آگے نہ بڑھ سکی۔ تب مَیں نے محسوس کر لیا کہ مکن ٹُک کی طرف آگے بڑھنے کی مزید کوشش

ہمارے لئے مُہلک ثابت ہوگی۔ اِس لئے مَیں نے اپنی خواہش کے خلاف اپنی منتشر فوج کو، جن میں سے بعض پہاڑ کی بالائی ڈھلوان پر لڑ رہے تھے، واپس بُلا لیا۔ مشین گنوں اور توپوں کے کورِنگ فائر سے نسبتاً کم نقصان اُٹھا کر ہم اپنے پچھلے کیمپ کی جگہ پر واپس آ گئے۔

ہزارے میرے اِس پسپا ہونے کے حُکم سے بہت مایوس تھے۔ وہ برملا کہتے تھے کہ اگر اُن کو آگے بڑھنے کی اجازت دی جاتی تو وہ بالکل یقینی طور پر دشمن کو اُن کے مورچوں سے اُکھاڑ پھینکتے اور مکن تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتے۔ لیکن بعد میں کسی اَور موقع پر جب ہم اُس گھاٹی میں سے گذر رہے تو اِن آتش بدہن لوگوں کو، اُس دن کے مُشکل حالات میں اِس گھاٹی کے ناقابلِ عبور ہونے کا صحیح اندازہ ہُوا۔ تب اُنہوں نے تسلیم کر لیا کہ اُس دن لڑ کر یہاں سے گذرنا ممکن نہ تھا۔

اِسی دوران دشمن کے ایک دستے نے پہاڑوں سے اُتر کر ہمارے واحد ذریعۂ آب نوشی کو کاٹ دیا۔ اُنہوں نے اُس مورچے پر بھی قبضہ کر لیا جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے اور جو چشمے کی حفاظت کے لئے قائم کیا گیا تھا۔

ہمارے لئے یہ ایک خطرناک صورت تھی۔ اِس لئے فوراً ایک درجن کے قریب رسالہ کے سواروں کو ہمراہ لے کر مَیں آگے بڑھا۔ مگر ہم زیادہ دُور نہیں گئے تھے کہ پہاڑوں سے ہم پر گولیوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ خوش قسمتی سے ہمارے کسی آدمی کو گولی نہیں لگی۔ بلاشبہ ہم حیرت انگیز طور پر بچ گئے گو کہ ہمارے چاروں طرف کی زمین گولیوں سے چھلنی ہو چکی تھی۔

ہم گھوڑوں سے اُتر گئے اور حملہ کر کے مورچے پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ براؤن لو اور مَیں جب سنگر میں داخل ہُوئے تو زمین پر مَیں نے اپنے پاؤں کے نیچے سگریٹوں کا ایک ڈبّہ پڑا پایا۔ یہ میرے اُن سگریٹوں میں سے تھا جو چھاپہ ماروں نے نوشکی سے رباط کے راستے میں میرے سامان کے ساتھ لُوٹ لیا تھا۔

ایک درجن کے قریب رسالے کے جو سوار ہمارے ساتھ تھے اُن کو مَیں نے ہر قیمت پر چشمے کا دفاع کرنے کے لئے وہاں پر چھوڑ دیا۔ براؤن لو اور مَیں واپس مرکزی دستے کی طرف آئے۔ راستے میں ہم سرحدار اور کچھ ریگیوں سے ملے جو ہماری مدد کو آ رہے تھے۔ بہر حال وقتی طور پر خطرہ ٹل گیا۔

ریگیوں نے مجھے حلفیہ طور پر یقین دلانا چاہا کہ مَیں "تیر بند"[1] رکھتا ہُوں ورنہ اُن گولیوں کی بوچھاڑ کو جو پہاڑوں سے ہمارے چاروں طرف ہو رہی تھی، دیکھ کر وہ یہ یقین نہیں کر سکتے تھے کہ ہم میں سے کسی ایک کو کوئی گولی نہیں لگی ہو۔

مَیں نے تجربے سے اسے دانش مندانہ اور مفید پایا تھا کہ اِس قسم کے توہّمات سے بھی کسی قدر فائدہ اُٹھایا جائے۔ لہٰذا مَیں نے بھی اُن کو سنجیدگی سے جواب دیا کہ واقعی مَیں "تیر بند" رکھتا ہُوں۔

ہم اب دشمن کے طور طریقوں سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے۔ وہ اپنا بے بہا گولہ بارُود، دُور فاصلے سے ہم پر گولیاں چلا چلا کر ضائع کر رہے تھے۔ اِس لئے ہم نے بھی ایک فیصلہ کر لیا جو ہمارے لئے ایک صحیح طریقۂ کار تھا۔ ہم

---

[1] ایک تعویذ جس کے باندھنے سے گولی اثر نہیں کرتی۔ مُلّاؤں کا ایک مفروضہ۔ (مترجم)

سمجھ گئے کہ پہاڑوں پر اُن پر حملہ کرنا ہم کو بہت مہنگا پڑے گا۔ ہم کچھ دنوں تک یہاں وادی میں رہیں اور اُن کو اُکسا اُکسا کر ترغیب دیتے رہیں کہ وہ ہم پر گولیاں چلائیں اور اِس طرح اُن کو اچھا موقع دیں کہ وہ اپنی گولیوں اور خوراک کا محدود توشہ بھی ختم کر دیں۔ ہمارے پاس ایک مہینے کا راشن تھا اور ہم بخوبی جانتے تھے کہ اُن کے پاس چار پانچ دن سے زیادہ کی خوراک نہیں ہوگی۔

بہرحال ہم جہاں پر تھے رات کو وہاں پر کیمپ کیا اور دوسرے دن صُبح کو گُشت کی گھاٹی کی طرف کسی قدر پیچھے کو ہٹ گئے اور اُسی جگہ پر پوزیشن لی جہاں کہ پہلی بار ہم نے گھاٹی میں داخل ہوتے وقت کیمپ کیا تھا۔

اِسی محدود پسپائی کے دوران بھی ہم پر مسلسل گولیاں چلتی رہیں۔ پہلے دُور دُور سے لیکن بعد میں جب دشمن کچھ دلیر تر ہو گیا تو قریب آکر گولیاں چلاتا رہا۔ ہم صاف طور پر اُن کی آوازیں سُنتے تھے جبکہ وہ چیخ چیخ کر ایک دوسرے کو پُکارتے اور چٹانوں، ٹیلوں اور پتھروں کی آڑ میں دبکتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ یہ سرحدی ذوقِ مزاح بھی رکھتے ہیں: اپنی چیخ و پُکار کے دوران ہماری مشین گنوں کی آواز کی نقل اُتارتے اور رُٹ ٹا رٹ رٹ رٹا کی رَٹ لگاتے تھے۔ بالآخر وہ ہمارے اِس قدر قریب آگئے کہ نام لے کر براہِ راست مجھ سے خطاب کیا اور کہا کہ ہتھیار ڈال دو اور وعدہ کیا کہ اگر مَیں ہتھیار ڈال دُوں تو وہ میری جان بخش دیں گے۔ اُنہوں نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ اب میری لڑنے کی مزید کوشش بے فائدہ ہے کیونکہ مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے اور میری واپسی کا راستہ کاٹ دیا گیا ہے۔ وہ بالکل اُسی طرح کے جُملے اِستعمال کر رہے تھے جو مَیں اکثر اُن کو ہتھیار ڈالنے کی دعوت

دیتے وقت استعمال کیا کرتا تھا۔ یہ اب منتقمانہ کایا پلٹ تھی۔ ہم نے خود بھی بہت جلد معلوم کر لیا کہ اُن کا یہ دعوے کہ ہماری واپسی کا راستہ کاٹ دیا گیا ہے، بالکل بے حقیقت نہیں ہے۔ انہوں نے اِس دوران واقعی کچّی دیواروں کے ایک چھوٹے قلعے پر جو ایک چھوٹی پہاڑی پر واقع تھا قبضہ کر لیا تھا۔ یہ پہاڑی وادی کے اندر ایک چھوٹے سے جزیرے کی طرح تھی اور اُس کیمپ کی جگہ کو جس کی طرف ہم بڑھنا چاہتے تھے پُوری طرح قابو میں رکھے ہوئے تھی۔

چھاپہ مار قلعے کی تیر کشوں[1] سے ہم پر گولیاں چلاتے ہوئے صاف نظر آ رہے تھے۔ اُن کی بدقسمتی جو آئی تو لفٹیننٹ انگلش نے بلاتاخیر اور مستعدی سے اپنی ایک پہاڑی توپ کا رُخ قلعہ کی طرف پھیر دیا۔ پہلا گولہ ٹھیک نشانے پر لگ کر قلعے کے اندر پھٹ گیا اور گرد و غبار کا ایک ایسا بادل اُٹھا جس نے قلعے والوں کو بدحواس کر دیا اور وہ تیزی سے بھاگ کھڑے ہوئے اور اِس طرح کیمپ کی مطلوبہ جگہ کو جانے کا ہمارا راستہ کُھل گیا۔

اِس جگہ یہ ممکن تھا کہ تمام فوج کو نسبتاً محفوظ رکھا جا سکے۔ اوّل اِس لیے کہ یہ پہاڑی اور اُس کے اُوپر کا کچّا قلعہ ہمیں کافی تحفظ دے سکتا تھا۔ دوئم اور سب سے زیادہ اِس لیے کہ مغربی سمت کے پہاڑوں کے ڈھلوانوں کی محدّب ساخت ہمیں اُن کے نشانچیوں کی گولیوں سے پوری طرح محفوظ رکھ سکتی تھی۔

---

[1] قلعے کی دیواروں میں بنے ہوئے وہ سوراخ، جن سے چھپ کر گولی چلائی جاتی ہے۔ (مترجم)

ہمارا واحد غیر محفوظ مقام پیچھے کی طرف سے تھا۔ اگر دشمن ان پہاڑیوں میں جو درّے کے کناروں سے باہر کو نکلی ہوئی تھیں جمع ہو جائے تب یہ ممکن ہو سکتا تھا کہ وہ رات کی تاریکی میں ہم پر چڑھ دوڑے۔ یہی وہ طرف تھی جہاں سے ہم خطرہ محسوس کر رہے تھے۔

اِس خطرے کا سدّ باب کرنے کی غرض سے مَیں نے گشتی سے کہا کہ مجھے دو ایسے آدمی دے جو اِس علاقے کو اچھی طرح جانتے ہوں اور اِس قابل بھی ہوں کہ رات کو پہاڑوں میں اپنا راستہ دیکھ سکیں۔

مَیں نے پھر اُس وقت تک اِنتظار کیا جب تک کہ پُوری طرح تاریکی نہیں چھا گئی۔ زاں بعد مَیں نے اپنے دو مضبوط پکٹ جن میں سے ہر ایک میں پچاس پچاس آدمی تھے، گشتی کے آدمیوں کی رہنمائی میں اُن دو پہاڑیوں پر قبضہ کرنے کو بھیجے جن کا غروب آفتاب سے قبل سینڈرز اور مَیں نے اچھی طرح سے جائزہ لیا تھا۔ اِن دونوں مقامات سے زمین کے اُس حصّے پر جہاں سے دشمن کے حملہ کرنے کی توقع کی جا سکتی تھی، اچھی طرح نظر رکھی جا سکتی تھی۔ ہم اب بخوبی محسوس کر چکے تھے کہ اِس وقت ہم سخت گھیرے میں آ چکے ہیں اور سوائے اِس کے ہم اور کچھ نہیں کر سکتے تھے کہ مُستعدی سے اپنی پوزیشن پر قائم رہ کر اُن کا مقابلہ کریں۔

اُسی رات کو خلیل خان بھی جالک سے امداد لے کر پہنچ گیا اور سیدھا جنیڈ اور یار محمد زئیوں کے پاس چلا گیا۔ اُس نے یار محمد زئیوں کو اشتعال دلایا کہ اُنھوں نے بڑی دُون ہمتی کا مظاہرہ کیا ہے کہ اب تک ڈائر کی فوج کو شکست دے کر اُسے گرفتار نہیں کیا ہے۔ اُس نے قبائلیوں سے کہا کہ تم ڈائر کے آدمیوں

سے تعداد میں بہت زیادہ ہو اور تجویز کی کہ اگر جنید حوصلہ ہار چکا ہے تو بہتر ہے کہ وہ فی الوقت اُس کی قیادت میں کام کریں۔ تب وہ بہت جلد دیکھ لیں گے کہ کس طرح صاحب کی فوج کو گرفتار کر لیا جائے گا۔ اِس جری شخص کی حرکت کا نتیجہ یہ نکلا کہ جنید جو اَب بوڑھا اور کمزور ہو چکا تھا، اِس پر رضامند ہو گیا کہ اپنی قیادت سے وقتی طور پر خلیل خان کے حق میں دستبردار ہو۔

خلیل خان کو ہم پر اپنی قطعی اور مکمل کامیابی حاصل کرنے کا اِس قدر یقین تھا کہ اُس نے واقعی اُسی رات کو ایک قاصد ممبور کے خان کے پاس بھیج کر اُسے اطلاع دی کہ انگریز جرنیل جس نے بہت سی مصیبتیں کھڑی کر دی تھیں، اب ایک قیدی ہے اور اُس کے سینکڑوں آدمی مارے گئے ہیں۔ اُس نے خان کے نام اپنے پیغام کو اِس دعوت پر ختم کیا کہ وہ بھی آ کر اِس لوٹ میں شامل ہو جائے۔

خلیل خان نے ازاں بعد، جنید کے کیمپ سے اُس کے آدمیوں کو ساتھ لیا اور ہماری پوزیشن کے گرد چکر کاٹ کر عین ہمارے پیچھے پہنچ گیا۔ وہاں پر ایک لمبے اور غار نما نالے پر قبضہ کر لیا جو اُن دونوں پہاڑیوں کے درمیان تھا جن پر ہمارے پکٹ لگے تھے مگر جن کا اُسے بالکل علم نہیں تھا کیونکہ ہمارے آدمی اندھیرے میں اور بالکل خاموشی سے وہاں پہنچے تھے۔

اِس نالے سے ہمارے کیمپ پر بڑی آسانی سے حملہ کیا جا سکتا تھا۔ خلیل خان کا ارادہ تھا کہ وہ علی الصبح ہم پر ہلّہ بول دیتا اور محض اپنی تعداد کی کثرت سے ہم پر غالب آ جاتا۔ مگر سپیدۂ سحر کے نمودار ہونے سے تھوڑی دیر پہلے

اُن حادثات میں سے ایک ایسا حادثہ ہُوا جن پر بڑے بڑے کارناموں کا انحصار ہوتا ہے۔

یہ حادثہ یُوں ہُوا کہ جب خلیل خان ہم پر حملے کی تیاری کر رہا تھا اور جیسا کہ مجھے بعد میں معلوم ہُوا کہ تقریباً دس منٹ بعد وہ حملہ کرنے ہی والا تھا کہ اُس کے آدمیوں میں سے ایک کی بندوق اتفاقیہ چل گئی۔

مَیں نے گولی کی آواز سُن لی۔ بعد میں مجھے بتایا گیا کہ مَیں دوڑ کر اپنے خیمے سے باہر آیا اور چیخ اُٹھا۔ "خدا نے اُن کو ہمارے ہاتھوں میں دے دیا۔" مگر مجھے یقین ہے کہ مَیں نے کوئی ایسی بات نہیں کی البتہ ممکن ہے کہ غیر شعوری طور پر مَیں نے یہ کہا ہو۔" وہ ہمارے ہاتھ میں آ گئے۔"

ایک لمحے کے بعد بندوقوں کی گھن گرج سے دونوں طرف کی پہاڑیاں گونج اُٹھیں۔ ہمارے پکٹ پہلی گولی کی آواز سے چوکنے ہو گئے تھے اور اب وہ اُس غار نما نالے کے اندر جہاں سے گولی کی آواز آئی تھی، دھڑا دھڑ فائر کر رہے تھے۔

اب صُبح کی روشنی بھی پھُوٹنے لگی تھی اور ہمارے لئے یہ کافی تھی۔ اگرچہ صُبح کے اِس دُھندلکے میں ہم مدّھم اور غیر یقینی طور پر دشمن کو دیکھ سکتے تھے لیکن پھر بھی مَیں نے یہ محسوس کر لیا کہ مجھے ایک اچھا موقع ہاتھ آیا ہے۔ مَیں نے فوری طور پر حکم دیا کہ کیمپ کا ہر آدمی پکٹیوں کی امداد کو آگے بڑھے۔

بہت جلد یہ ظاہر ہو گیا کہ خلیل خان کو، جو اِس حقیقت سے بے خبر تھا کہ اُن بلندیوں پر ہم قابض ہیں اپنی شدید غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ دن کی

روشنی نے اُس پر یہ ظاہر کر دیا کہ اُس کا لشکر مکمّل طور پر ہماری گولیوں کی زد میں پڑا ہُوا ہے اور ہم سے لڑنے کا خطرہ مول لئے بغیر وہ نہ تو آگے بڑھ سکتا ہے اور نہ واپس پلٹ سکتا ہے۔ جُوں جُوں ہماری طرف سے پکٹوں کو کمک پہنچتی رہی لڑائی کی شدّت بڑھتی رہی۔

خلیل خان اور اُس کے آدمی شیر کی طرح لڑتے رہے۔ مگر وہ ایک ناممکن حالت میں پھنسے ہُوئے تھے۔ ہمارے پاس اپنی ضرورت کا تمام گولہ بارود موجود تھا اور وہ ہمارے لئے آسان نشانہ بنے ہُوئے تھے لیکن پھر بھی ہم محفوظ نہ رہ سکے اور خلیل خان ذاتی طور پر ہمارے کئی آدمیوں کو گولی کا نشانہ بنانے کا ذمہ دار تھا۔

گیارہ بجے صبح کے وقت لڑائی ختم ہوگئی اور دشمن سے جو زندہ بچے، ممکنہ حد تک صاف نکل گئے۔

تھوڑی دیر بعد اطلاع آئی کہ خلیل خان مارا گیا ہے اور اُس کی لاش اس غار نما نالے میں پڑی ہُوئی ہے۔ مَیں نے فوری طور پر حُکم دیا کہ اُس کی لاش کو لایا جائے کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ شیعہ ہزارے کہیں اُس کی بے حُرمتی نہ کر دیں۔ اِسی دوران ایک ہزارے نے یہ افواہ بھی پھیلا دی کہ اُس نے مجھے خلیل خان کا سر اُڑاتے دیکھا ہے۔ سرحدار نے اُس کی بات سُن کر مجھ سے اِس کا ذکر کیا اور کہا کہ مَیں خود جا کر اُس کی لاش کو دیکھوں جسے اب لایا گیا تھا۔

ہم میں سے بعض نے جا کر اُس کی لاش دیکھی اور دیکھا کہ ایک گولی نے اُس کی آنکھ میں لگ کر سر کے پچھلے حصّے کو اُڑا دیا تھا۔

ایک ریکی جو خواشش کے پچھلے دربار میں موجود تھا، کہنے لگا۔ "صاحب! آپ بزرگ ہیں۔ آپ نے خواشش کے دربار میں کہا تھا کہ اگر خلیل خان آپ کے خلاف لڑے گا تو آپ اس کا سر اڑا دیں گے۔ وہ دیکھیں، آپ نے ویسا ہی کر دکھایا۔"

ایک بار پھر میں نے پالیسی کے طور پر چپ چاپ یہ بات مان لی کہ واقعی میں ایک ولی اللہ ہوں۔ درحقیقت اس تمام معرکے کے دوران میں نے ایک گولی بھی نہیں چلائی تھی۔

میرے اپنے خیمے میں جانے کے بہت جلد بعد غصّے سے بھرے ہوئے ایک ملکی ہزارہ افسر نے مجھ سے ملاقات کی اجازت چاہی جو اُسے دے دی گئی۔ بغیر کسی تمہید کے اُس نے اکڑپن سے کہا۔ "صاحب! آپ خلیل خان کی لاش ہمارے حوالے کر دیں۔"

میں نے پوچھا: "کیوں! تمہارا مطلب کیا ہے۔ کیا تم اس کی بے حرمتی کرنا چاہتے ہو؟"

اُس نے جواب دیا۔ "صاحب! پرسوں ہمارے آدمی مارے گئے اور واپسی سے قبل ہم نے اُن کو دفن کر دیا۔ لیکن یار محمد زئی ہمارے بعد وہاں آئے۔ اُن لاشوں کو کھود کر باہر نکال دیا۔ اُن کی بُری طرح سے بے حرمتی کی اور پھر اُن لاشوں کو گیدڑوں کے لئے باہر میدان میں پھینک دیا۔ اِس لئے انصاف کی رُو سے خلیل خان کی لاش ہماری ہے۔"

"خلیل خان ایک بہادر شخص اور بڑا سردار تھا۔" میں نے جواب دیا۔ "تم

کو اُسے ایک سپاہیانہ شان سے دفن کرنا ہوگا۔ یقیناً تم ہرگز یہ ارادہ نہیں رکھو گے کہ اُس سے بھی وہی ہولناک سلوک کرو جو تمہارے آدمیوں سے کیا گیا ہے۔"

اُس افسر نے اپنا نقطۂ نظر اِس گرمجوشی سے بیان کیا کہ بالآخر مَیں نے ناراض ہو کر اُس سے کہا کہ کس حیثیت سے تم خلیل خان کی لاش کا مطالبہ کرتے ہو۔ مجھے جواب دو کہ اُسے مارا کس نے ہے؟"

"آپ نے صاحب!" اُس نے تعجب سے میری طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"بالکل ٹھیک۔" مَیں نے فیصلہ کُن انداز میں کہا۔ "پھر لاش کس کی ہوئی؟ تیری یا میری؟" ایسا ظاہر ہوتا تھا کہ یہ بات اُسے لاجواب کر گئی۔ کیونکہ اُس نے نہایت نرمی سے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے آپ کی صاحب!"

"مَیں بھی یہی سمجھتا ہوں۔" مَیں نے جواب دیا۔ "لہٰذا مَیں اُس کے ساتھ جو چاہوں گا، کروں گا۔ تم فوراً گشت چلے جاؤ اور ایک نیا کفن خرید کر لاؤ اور ہم خلیل خان کو سپاہیانہ شان سے دفن کر دیں گے جو اُس کے بہادرانہ کارناموں اور اور اُس کی حیثیت کے مطابق ہوگی۔ اور گشت میں تم کو جتنے بھی مُلّا ملیں، اُن کو اپنے ساتھ لے آؤ اور ہاں تم نے میرا وقت اپنے دلائل سے ضائع کیا ہے اِس لئے کفن کی قیمت بھی تم ادا کرو گے۔"

لہٰذا اِس طرح ہم نے خلیل خان کو واقعی ایک بہت معقول اور سپاہیانہ شان سے دفن کر دیا۔ ہماری یہ کارروائی بلا نتیجہ ثابت نہیں ہوئی۔ بعد میں ہمیں معلوم ہُوا کہ تمام سرحد میں اِس کا بہت اچھا اور مفید اثر پڑا۔

بارھواں باب

فوجی نقطۂ نظر سے ہم نے یقیناً ایک فیصلہ کُن فتح حاصل کر لی تھی مگر چھاپہ ماروں کے غیر محرّرہ قانون کے مطابق، جس پر سرحد میں فتح کا دار و مدار ہوتا ہے، ہم نے اب تک چھاپہ ماروں کے گلّوں اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑوں پر قبضہ نہیں کیا تھا۔

یہ ایک ایسی فروگذاشت تھی جس پر ابھی ہم غور ہی کر رہے تھے کہ عیدو کے ایک خاص ریکی جاسوس نے آ کر ہمیں اطلاع دی کہ اُسے چنید کے گلّوں کے مقام کا صحیح علم ہے اور وہ ہمیں دو منزلوں میں وہاں تک پہنچا سکتا ہے اور ہر منزل پر ہمیں کیمپ کے لئے اچھی جگہ بھی ملے گی اور پانی کا وافر ذخیرہ بھی دستیاب ہوگا۔ چونکہ ان آدمیوں نے پانی کا وعدہ کر کے ہمیں کبھی دھوکا نہیں دیا تھا، اِس لئے مَیں نے حکم دیا کہ کیمپ کو اُٹھا کر دستِ گیرد کی طرف اُس وادی میں جو مور پشیں اور ہری دُرگان کے سلسلہ ہائے کوہ کے درمیان پڑتی ہے، مارچ کیا جائے۔

اگرچہ ہم نے بہت سویرے اپنا سفر شروع کیا مگر گرمی بہت جلد بڑھ گئی۔ سائے کا کہیں نام و نشان نہ تھا اور ہمارا راستہ غیر ہموار سطحِ زمین پر سے مُسلسل چڑھائی پر جا رہا تھا جو ٹوٹی پھوٹی اور دشوار گذار تھی لیکن اِس کے باوجود ہم مطمئن تھے کہ ہمیں پانی اور کیمپ کے لئے اچھی جگہ ملے گی۔ ہمارے آدمیوں نے دوپہر سے پہلے اپنی پانی کی بوتلیں خالی کر دیں، اب مجوزہ کیمپ پر پہنچنے سے

بہت پہلے پیاس کی شدت محسوس کرنے لگے تھے جبکہ جانوروں کی حالت اُن سے زیادہ قابلِ رحم اور تکلیف دِہ تھی مگر اِس خیال نے کہ منزل پر پہنچ کر ہمیں وافر پانی ملے گا، ہمارے حوصلوں کو بحال رکھا۔

بالآخر بعد دوپہر اُس ریکی نے جو ہمارا رہنما تھا، چیخ لگائی اور یہ کہتا ہُوا دوڑ پڑا کہ ہم اُس مقام پر پہنچ گئے جہاں پر ہمیں پانی ملے گا۔ وہاں پر کسی چشمے یا ندی کا نام و نشان نہ تھا۔ اِس کے باوجود میں نے خود کو تسلّی دی کہ اِن سرحدیوں کا پانی دریافت کرنے کا اپنا ایک طریقہ ہوتا ہے جو ہم سفید فاموں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ جب اُس ریکی نے آگے بڑھ کر ایک نیم مُردہ درخت کے نیچے زمین کھودنی شروع کی تو ہم پُورا یقین رکھتے تھے کہ اب ضرور کوئی چھوٹا سا چشمہ پھُوٹ بہے گا۔ ہمارے آدمی اِس اُمید میں اپنے سُوجے ہُوئے ہونٹوں اور تالُو سے چپکی ہُوئی خشک زبانوں سے اُس کے گرد جمع تھے اور بڑے اِشتیاق اور بے چینی سے پانی کا اِنتظار کر رہے تھے مگر اِس دفعہ قدرت اور ریکی دونوں نے ہم سے دھوکا کیا۔ اگرچہ وہ ریکی کھودتا ہی کھودتا رہا، پسینہ اُس کے چہرے سے بہتا رہا، لیکن اُس خشک اور مُردہ زمین سے پانی تو کُجا، نمی کا ذرّہ بھر نشان بھی پیدا نہیں ہُوا۔ بالآخر وہ تھک کر بدحواسی میں یہ کہتا ہُوا میرے پاؤں پر گرا۔ "صاحب! یہاں پانی نہیں، مَیں نے سردیوں میں ایک دفعہ یہاں پانی دیکھا تھا اور میرا خیال تھا کہ یہاں پر ہمیشہ پانی ہوتا ہوگا لیکن اب گرمی نے اُسے خشک کر دیا ہے۔"

ہماری حالت اب انتہائی مخدوش تھی۔ ہمارے پاس آدمیوں اور جانوروں کے لئے ایک بُوند پانی نہیں تھا اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اب ہمیں کب

پانی مِلے گا۔ اگرچہ دن کے پہلے پہر کے سفر میں ہم اپنے آدمیوں کو پانی مِلنے کے وعدے سے بہلاتے رہے اور تسلّی دیتے رہے کہ "بس ایک میل کے بعد یا پھر آدھ میل کے بعد پانی مِل جائے گا۔" اور اِس طرح اُن کو آگے بڑھاتے رہے۔ مگر اب وہ اُمید بھی نہیں رہی۔ اِس افسردگی اور مایوسی کا جو اُس وقت اِنسان پر طاری ہو جاتی ہے جب وہ یہ نہ جانتا ہو کہ کب اور کہاں اُسے پانی مِلے گا، صرف وُہی لوگ اندازہ لگا سکتے ہیں جنہوں نے اِس قسم کے بنجر اور خشک علاقوں میں پانی کے بغیر سفر کیا ہو۔

جب مَیں نے اُس شخص کو غلط رہنمائی کرنے پر بہت ڈانٹا اور بُرا بھلا کہا تو وہ خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔ "یہ میری غلطی ہے صاحب! پچھلی دفعہ جب مَیں یہاں پر آیا تو یہاں پر پانی تھا۔ اب کل مَیں ضرور آپ کو پانی کے ایک عمدہ چشمے پر لے جاؤں گا۔" اُس نے کہا۔

"کل!" مَیں چیخ اُٹھا۔ "کل تک ہم کیسے زندہ رہ سکیں گے۔ مَیں اب تم پر اعتبار کیوں کروں۔ تم نے آج ہم کو دھوکا دیا، کل پھر ہم کو دھوکا کیوں نہیں دوگے؟"

اُس شخص نے قرآن پر قسم کھائی کہ کل وہ ہماری ایک ایسے مقام کی طرف رہنمائی کرے گا جہاں پر ہم کو پانی ضرور مِلے گا۔ "اگر کل مَیں کامیاب نہیں ہُوا صاحب! اور گیارہ بجے صبح سے پہلے پانی دریافت نہیں کیا تب آپ مجھے جان سے مار دیں۔" اُس نے التجا کرتے ہُوئے کہا۔ مَیں نے غصّے سے جواب دیا کہ اگر کل بھی وہ ناکام ہُوا تو اُسے ضرور مار ڈالوں گا۔ یہ اور بات تھی کہ کل اُس وقت تک ہم میں

سے کوئی اِس قابل بھی رہ سکے گا کہ اُسے گولی مار سکے۔

اُس رات کو تمام فوج بُری طرح مصیبت برداشت کرتی رہی دوسرے دن جب ہم روانہ ہُوئے تو اُس وقت تاریکی پھیلی ہُوئی تھی۔ ریکی، ہراول دستے کے ساتھ آگے آگے چل پڑا۔ مَیں یہ خیال رکھتا رہا کہ وہ اپنے اور میرے ریوالور کے درمیان زیادہ محفوظ فاصلہ نہ رکھ سکے کیونکہ مَیں نے اُسے واقعی گولی مار دینے کا ارادہ کر لیا تھا اگر وہ ہمیں دُوسری بار بھی دھوکا دے جاتا۔ کوئی شخص اُس جھلسا دینے اور چمک سے اندھا کر دینے والی گرمی میں دو دِن تک پانی کے بغیر رہ کر اپنے حواس قائم نہیں رکھ سکتا۔

ہم صرف چند گھنٹے سفر کر سکے تھے کہ ہراول دستے کا ایک سوار تیزی سے آیا اور اِطلاع دی کہ بھیڑ بکریوں کے گلّوں کی ایک بڑی تعداد ہم سے تھوڑے فاصلے پر دیکھی گئی ہے۔ ہمارا دم پھر تازہ ہُوا کیونکہ جہاں پر بھیڑیں ہوں وہاں پر عموماً پانی ہوتا ہے۔ اپنے آدمیوں کے حوصلے بڑھانے کے لئے مَیں نے زور کی آواز لگائی اور پھر ہم گھوڑے دوڑا کر آگے کو نکل گئے۔ بہت جلد بھیڑوں کے درمیان سے اپنا راستہ بناتے ہُوئے ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں پر ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔

مشکل اب یہ پیش آئی کہ آدمیوں اور جانوروں کو حد سے زیادہ پانی پینے سے کس طرح روکا جائے۔ واقعی اگر کبھی نیکتار[1] (Nectar) اِس دُنیا

---

[1] یونانی اساطیری دیوتاؤں کی شراب۔

میں بہتا ہوگا تو وہ یہی چشمہ تھا جو اِس سُورج سے جُھلسی ہُوئی اور خشک سرزمین پر سرگان کی وادی میں بہہ رہا تھا۔

بدقسمتی سے سرحد کی اکثر ندیاں اور فارس کی بالخصوص، زمین کے اوپر تھوڑی دُور تک بہہ کر پھر خشک ریتلی زمین میں گم ہو جاتی ہیں۔ بہرحال مَیں نے وہاں پر ہی قیام کرنے کا حکم دیا تا کہ ہم سب آرام کر لیں اور سستا لیں۔ اور پھر اتنا پانی پیا جس نے پچھلے چھتیس گھنٹوں کی کمی پُوری کر دی۔

بھیڑوں اور بکریوں کے یہ چونتیس ۳۴ گلّے جو یہاں پر ہمیں ملے ہم نے اُن کو مالِ غنیمت سمجھا اور مَیں نے فیصلہ کر لیا کہ اپنے آدمیوں کو کم از کم ایک دفعہ ایک اچھی دعوت دی جائے۔ کاٹنے کو جتنی بھیڑ بکریاں چاہو یہاں موجود تھیں اور بکریوں کا دودھ بھی پانی کی طرح دستیاب تھا۔

بھُوکے ہزاروں نے اِستدعا کی کہ اُن میں سے ہر ایک کو ایک پورا دُنبہ روزانہ ملنا چاہیئے۔ مَیں نے قدرتی طور پر اِس درخواست کو نامعقول خیال کیا اور اُسے کوئی اہمیّت نہ دی البتہ اُن سے کہہ دیا کہ صرف ایک دفعہ وہ جس قدر بھی چاہیں گوشت لے لیں مگر اُنہوں نے اِسے اپنی درخواست کی منظوری کے معنوں میں لیا اور واقعی فی آدمی ایک دُنبہ ذبح کیا۔ بعد ازاں مجھے معلوم ہُوا کہ انہوں نے محض اِس لئے ایسا کیا کہ کل کو فخر یہ کہہ سکیں کہ یار محمد زیئوں پر جو گمشادزیئوں کے سردار خلیل خان کی قیادت میں لڑ رہے تھے، فتح حاصل کرنے کے بعد" اُن کا راشن ایک دُنبہ فی کس یومیہ مقرر ہُوا۔"

اِس دعوت کے بعد، اَن کھائے اور کچّے گوشت، اور حلال کی ہُوئی بھیڑوں

کے دُھڑ، ڈھیروں کے ڈھیر پڑے ہُوئے ہر طرف اُن کی خرمستیوں کا اظہار کر رہے تھے۔ کیمپ کی حالت ایسی گندی ہو چکی تھی کہ اُسے دیکھ کر طبیعت مکدّر ہوتی تھی۔ اِس کے بعد مَیں نے پھر کبھی راشن کا ایسا حکم نہیں دیا۔

دوپہر کے بعد جبکہ تمام فوج سستا کر اور کھا پی کر اچھی حالت میں تھی، ہم نے گلّوں کو اپنے ساتھ ہانکتے ہُوئے آگے کو اپنا سفر شروع کیا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد ہمیں کیمپ کے لئے پھر ایک اچھی جگہ ملی جہاں پانی بھی بہت تھا۔ لیکن اُس رات کو اِن ہزاروں بھیڑ بکریوں کے ممیانے سے کسی کو بھی آرام کی نیند نصیب نہیں ہُوئی مگر چونکہ وہ اب دشمن کی نہیں بلکہ ہماری بھیڑیں تھیں اس لئے اُن کی ایذا رسانی بھی خوشی خوشی برداشت کی گئی۔

دوسرے دن یہ پانی بھی بہت کم ہو گیا۔ بہت زیادہ کھودنے کے بعد بھی بمشکل چند قطرے ٹپکتے۔ بھیڑوں اور ہمارے دوسرے بدقسمت جانوروں کو بہت کم پانی مِلا۔ اِس مقام سے آگے کا علاقہ بھی دشوار گذار تھا اور ہمارے لئے مارچ کرنا بڑا مشکل اور محنت طلب مسئلہ بنتا جا رہا تھا۔ ہمارے راستے کا ایک حصّہ ایک تنگ پتھریلی گھاٹی میں سے ہو کر جاتا تھا جس میں سے گذرنا فوجی نقطۂ نگاہ سے اتنا خطرناک تھا کہ اِس سے قبل مَیں نے نہیں دیکھا تھا۔ اگر دشمن صرف مٹھی بھر آدمیوں کے ساتھ ہمارا راستہ روک دیتا تو ہمارے لئے وہاں سے گذرنا ناممکن ہوتا۔

تمام بلندیوں پر ہمیں پکٹنگ لگانی پڑی اور یہ کام ہزارہ پانیئر والوں کو بڑی کاوشوں سے کرنا پڑا۔ اُنہوں نے میجر لینگ کی ماہرانہ ہدایت سے اِسے بخوبی

سرانجام دیا۔

خوش قسمتی سے یار محمد زئیوں کو کافی سزا مل چکی تھی اور انہوں نے ہمارا پیچھا کرنا اب بالکل چھوڑ دیا تھا۔ اب ہمیں اُن کا نشان صرف خون کے اُن دھبّوں سے ملتا تھا جو اُن کے زخمیوں سے پیدل چلتے یا کندھوں پر اُٹھائے ٹپکتا رہتا تھا۔ اِس سے ہمیں اِس امر کا کافی ثبوت ملتا تھا کہ اِس لڑائی میں اُن کو کتنا نقصان اُٹھانا پڑا ہے۔

دوسرے دن ہم زیادہ کھُلی زمین میں پہنچ گئے کہ چلنا اب بھی بڑا مشکل پڑ رہا تھا۔ کیونکہ ہمارا راستہ چڑھائی پر سے جا رہا تھا۔ زاں بعد پھر دست کِیرد کی گھاٹی کی طرف اُترنے لگا اور بعد دوپہر ہم اِس قابل ہُوئے کہ ایک جنگلی مگر دلکش وادی میں، جُنید کی گرمائی قیامگاہ کے قریب اپنا کیمپ لگائیں۔ یہ وادی جیسا کہ مَیں پہلے بیان کر چکا ہُوں، مورپشیں اور سَری دُرگان کی بلندیوں کے درمیان واقع ہے جو اِس مقام سے دونوں طرف سربلند ہو رہی ہیں۔ قرب وجوار میں درخت بھی کافی ہیں۔ ان درختوں کے نیچے کی زمین ہموار کر دی گئی ہے اور پھر اُن پر گارے کی لپائی کی گئی ہے تا کہ اُن پر اچھے فرش کی جھگیاں بنائی جا سکیں۔

ہم نے رات وہاں گذار دی اور دوسرے دن دست کِیرد پہنچے اور ایک چھوٹے سے چشمے کے قریب کیمپ کیا۔ بدقسمتی سے یہ چشمہ اِتنا چھوٹا تھا کہ بس سمجھو پانی کی پتلی سی دھار تھی جو ہمارے جانوروں کے لئے بھی، جنہوں نے پچھلے دو تین دنوں سے بہت کم پانی دیکھا تھا، کافی نہیں تھا۔

بھیڑوں کے گلّے کچھ فاصلے پر تھے۔ ان غریب جانوروں کو بھی گرمی کی شدّت اور پانی کی کمی نیم جان کر چکی تھی۔ اِس لئے ہم نے اُن کے پہنچنے سے پہلے

اُن کے لیے کچھ انتظام کرنا شروع کیا۔ بہتے پانی پر ایک چھوٹا سا بند باندھ کر ایک قسم کا تالاب بنا دیا۔

جو جانور پہلے پہنچے وُہ توپ خانے کے خچر تھے۔ جب اُن کو پانی کی بُو لگی تو اُس پر جھپٹ پڑے مگر اُنہوں نے اب تک پانی پینا شروع ہی کیا تھا کہ بارہ ہزار بھیڑوں اور بکریوں کے گلّے اپنے برائے نام چرواہوں سے ٹوٹ کر خچروں پر ایک بار حملہ آور ہوئے۔ اُن کو ہٹا دیا اور خود پانی پر قابض ہو گئے۔ ہمارے آدمیوں نے ہر چند اُن کو کھینچا، دھکیلا، رائفلوں سے مارا تاکہ اُن کو ہٹا کر خود پانی پی سکیں مگر اُن بھیڑوں نے جو اپنی کثرتِ تعداد اور اتحاد کی طاقت سے بخوبی واقف تھیں، اپنے سروں کو خوب نیچے کر کے اُس چشمے سے اپنی پیاس بجھائی جو اب بند کے ٹوٹ جانے سے پھر ایک پتلی دھار کی طرح بہہ رہا تھا۔ اُن بھیڑوں نے تقریباً بیس منٹ تک اپنی یہ پوزیشن بحال رکھی۔ اُس رات کہ ان غریب جانوروں نے اپنی دو تو جانیں گنوا کر اپنی بدمستی کی سزا پالی۔

دوسرے دن ہم اپنے واپسی کے سفر پر خواشس کی طرف روانہ ہوئے وہاں پہنچنے پر ہمارا شاندار استقبال کیا گیا، بڑی دعوت دی گئی اور لڑائی کی کہانی بار بار دُہرائی گئی۔

اِس مارچ کے دوران ہم نے یہ محسوس کر لیا کہ گذشتہ لڑائیوں میں یار محمد زئی قبیلے کا بہت زیادہ نقصان ہُوا ہے کیونکہ اِس تمام مارچ کے دوران جو لڑائی کے بعد سے ہمارے خواشس پہنچنے تک تقریباً ایک سو میل کی مسافت ہے، ہم نے دشمن کا ایک آدمی بھی نہیں دیکھا اور نہ ہی اُن کی طرف سے ہم پر

ایک گولی چلائی گئی۔

مگر میں ذاتی طور پر اب تک نتائج سے مطمئن نہیں تھا کیونکہ ہم نے اب تک گمشادزئیوں کو کسی لڑائی میں آمنے سامنے ہو کر شکست نہیں دی تھی اور نہ ہی ہم نے اب تک اُن کے خلاف، اُن کے گلّوں کو لوٹنے کا فیصلہ کُن اقدام کیا تھا بلکہ اِس کے برعکس پہلی بار جب ہم نے سرگان کی تنگ گھاٹی کو عبور کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے ہم کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔

علاوہ ازیں میں اب تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ خلیل خان اپنے لشکر کو گشت کے قریب ہمارے خلاف لڑنے کو کیوں نہیں لایا۔ صرف یار محمد زئیوں کو اپنے ساتھ کیوں لیا اور اُس نے جُنید کو اِس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کیوں کی کہ یار محمد زئیوں کو لڑنے کے لئے اُس کے ساتھ بھیج دے۔

ہم صرف یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ اُس نے غالباً یہ خیال کیا ہو گا کہ یہ ایک آسان کام ہے، صرف ایک لشکر کے ساتھ اِسے سرانجام دیا جا سکتا ہے اس لئے وہ اپنے آدمیوں کی زندگیوں کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ لیکن شاید ایسا نہ ہو، ممکن ہے اِس میں ایک اور گہرا راز ہو۔ کیونکہ اِس سے قبل اُس نے اپنے تمام منتشر قبائلیوں کو جمع کرنے میں بڑی محنت کی تھی اور پھر اُن کو سفید کوہ کے مقام پر مجتمع رکھا تھا۔ اِس کے باوجود جب اُس کے قبائلیوں نے جُنید کے قبیلے پر ہماری فتح اور اپنے سردار کی موت کی خبر سُنی، ہم پر حملہ کرنے کی ذرہ بھر کوشش نہیں کی اور نہ ہی ہتھیاروں کے ذریعے اِس فیصلے کو بدلنے کی کوشش کی۔ لہٰذا ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ جب تک گمشادزئی غیر شکست خوردہ رہیں گے اور اُن کے

گلے محفوظ ہو نگے، سرحد پر حاوی ہونے کا ہمارا دعوےٰ ادھورا ہی رہے گا۔ اس لئے اگر ہم یہاں پر آئندہ کے لئے دیرپا امن چاہتے ہیں تو گستاخ زئیوں کو بھی ایک سبق دینا پڑے گا۔

لہٰذا، کچھ دن خواش میں سستانے کے بعد، ہم نے ایک دفعہ پھر گُشت کی طرف فتح کی یقینی اُمید کے ساتھ اپنا مارچ شروع کیا۔ فوج کی ترتیب وہی تھی جو سابقہ موقع پر تھی البتہ اِس دفعہ میجر اُچن سن (Hutchinson) کی زیرِ کمان چائی لیویز کے کچھ آدمی بھی ہمارے ساتھ تھے۔

ایک دو دن جھلستے ہوئے میدان میں سفر کرنے کے بعد ہم نے ایک ایسے مقام پر کیمپ کیا جو اب کاٹوگان کہلاتا تھا اور جو ایک چھوٹی سی وادی میں واقع تھا جسے پہاڑوں نے گھیرا ہوا تھا۔ ہمارے آدمی گرمی کے مارے ہوئے پریشان حال تھے کیونکہ اِس مارچ کے دوران بھی پانی کی ہمیشہ قلت رہی۔ پانی دیکھ کر انہوں نے پہنچتے ہی ستانے کے لئے خود کو گرا دیا۔ یہاں پر پانی کے بنائے ہوئے چھوٹے چھوٹے غار نما گڑھے اور کچھ ادھ سوکھے سے درخت اور جھاڑیاں تھیں جن کے نیچے کسی قدر سایہ مل سکتا تھا۔

جہاں تک میرا تعلق ہے میں اِن جھاڑیوں میں سے ایک کے نیچے لیٹ کر بعد دوپہر تک خوب سوتا رہا، بالآخر جب میں جاگا تب بھی گرمی کا مارا ہوا لگتا تھا۔ میں نے دُور ایک یا دو دفعہ بجلی کی چمک دیکھی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اب بارش ہونیوالی ہے۔ میں نے فوراً اُٹھ کر حکم دیا کہ تمام کیمپ کو بلندی پر منتقل کر دیا جائے اور اِس کے لئے میں نے وادی کو گھیرنے والی پہاڑی کی ڈھلوان میں ایک اچھی

جگہ پسند کر لی۔

گرمی اب تک شدید تھی۔ کیمپ کو اُکھاڑنے اور پھر لگانے کی کوششیں قابلِ غور تھیں۔ کیمپ کی موجودہ جگہ نسبتاً زیادہ فرحت بخش اور آرام دِہ تھی۔ میرے حکم کے نتیجے میں ایک افسر نے رپورٹ کی کہ آدمی جو گرمی اور پچھلے دِنوں کے مُسلسل طویل سفر سے تھکے ماندے ہیں، اب پھر کیمپ کو یہاں سے اکھاڑنے کے حکم سے جھُنجھلا رہے ہیں۔ میَں نے اُس سے وضاحت کی (کیونکہ میَں خود اپنی حالت سے اندازہ لگا چکا تھا کہ دوسرے بھی اِسی حالت میں ہونگے) کہ مجھے اندیشہ ہے کہ تھوڑی دیر میں بارش ہوگی۔ اور اگر بارش ہُوئی تو یہ خشک وادی ایک بہتی ہُوئی ندی میں تبدیل ہو جائے گی۔

افسر نے حیرانی سے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "بارش۔" جیسے کہ اُس نے میری پہلی بات سُنی نہ تھی۔ "مگر سرحد میں تو مشکل سے بارش ہوتی ہے اور اگست کے مہینے میں تو بارش ہونے کا کسی نے نہیں سُنا ہے۔"

"بہرحال"۔ میَں نے جواب دیا۔ "اِس وادی کی زمین تہ و بالا ہو جائے گی۔ لہٰذا جتنی جلدی ممکن ہو سکے تم اپنے آدمیوں کو اِس سے باہر نکال کر بلندی پر پہنچا دو، اُتنا ہی بہتر ہوگا۔"

افسر سلام کر کے اپنے آدمیوں کے پاس واپس چلا گیا۔ جنہوں نے پھر مُردہ دِلی سے اپنا سامان اور خیمے اُٹھا کر پہاڑی ڈھلوان کی غیر آرام دِہ جگہ کی طرف چلنا شروع کیا اور وہاں پر اپنا کیمپ لگا دیا۔

میَں گھوم پھر کر یہ دیکھتا رہا کہ میرے احکام کی تعمیل ہو رہی ہے کہ نہیں۔

ایک جگہ مَیں نے دیکھا کہ میجر ایچن سن کے خیمے کو وادی کے درمیان رہنے دیا گیا ہے۔ مَیں چل کر اُس کے پاس گیا اور دیکھا کہ وہ خیمے کے اندر آرام سے سو رہا ہے۔ مَیں نے اُس سے کہا کہ اپنے خیمے کو بلندی پر لگوا دو کیونکہ بارش ہونے والی ہے۔ اُس نے پس وپیش کرتے ہوئے کہا کہ وہ بہت تھکا ہُوا ہے اور مزید یہ کہ "اگست کے مہینے میں بلوچستان میں کبھی بارش نہیں ہوتی۔" لیکن مَیں اپنی بات پر قائم رہا گو کہ کچھ ہلکے پھلکے بادل جو تھوڑی دیر پہلے آسمان پر نمودار ہوئے تھے، اب بالکل غائب ہو چکے تھے۔

میرے سخت احکام کے باوجود میجر ایچن سن کے چاغی لیویز کے کچھ آدمی چپکے سے وادی کے سایہ دار جھاڑ جھنکاڑ میں آرام سے پڑے رہے۔

جیسے جیسے شام پھیلتی گئی مَیں محسوس کرتا رہا کہ شاید مَیں نے اِن لوگوں کی جو اپنے علاقہ سرحد کے موسمی حالات کو زیادہ بہتر جانتے ہیں، باتوں پر اعتبار نہ کر کے حماقت کی ہے۔ مَیں ابھی تک اِسی پچھتاوے میں تھا کہ اچانک مجھے دُور سے گڑگڑاہٹ کی آواز سُنائی دی جو بہت تیزی سے نزدیک آ رہی تھی اور پھر اچانک پانی کے زوردار بہاؤ کی آواز میں تبدیل ہو گئی۔ قبل اِس کے کہ ہم اِسے سمجھ پاتے ایک تیز رَو سیلاب وادی میں پھیل گیا اور اُسے کنارہ تا کنارہ بھر دیا۔ پانی کا بہاؤ ایسا تیز تھا کہ جو کچھ اُس کے سامنے آیا اُسے بہا کر لے گیا۔ بہت جلد چھوٹے چھوٹے درخت، جھاڑیاں اور روڑے کنکر تیز بہاؤ کے ساتھ لُڑھکتے چلے گئے۔

اب یہ ظاہر ہُوا کہ جس بارش کی مَیں نے پیشگوئی کی تھی وہ پہاڑوں کے

کسی اَور حصّے پر برس چکی تھی اور جو اِس سیلاب کا باعث ہُوئی۔ اگر میری یہ یہ خوش بختانہ پیش آگاہی نہ ہوتی تو سیلاب میں بہت بڑا نقصان پہنچاتا۔

زاں بعد سیلاب کے ساتھ ساتھ مُوسلا دھار بارش بھی برسنے لگی۔ چاغی لیویز کے کچھ آدمی جنھوں نے میرے حکم کو نظر انداز کیا تھا اُن کا سامان اِس طرح بہہ گیا کہ پھر کبھی نظر نہیں آیا۔ جہاں تک خود لیویز والوں کا تعلق ہے وہ اِس سیلاب میں اَیسے پھنسے کہ بمشکل اپنی جانیں بچا سکے اور وہ بھی اِس صُورت میں کہ پاس کے کُچھ اَدھ سُوکھے درختوں پر چڑھ کر اُس وقت تک وہاں بیٹھے اِنتظار کرتے رہے جب تک کہ اُنھیں بچایا نہیں گیا۔ اُن کو بچا کر نکالنے والوں کے کام نے بچانے والوں کو بھی خطرے میں ڈال دیا۔

سرحددار، کسی نہ کسی وجہ سے اُس وقت جب سیلاب آیا، نیچے وادی میں چلا گیا تھا اور سیلاب ایک حد تک اُسے بہا کر لے گیا تھا لیکن خوش قسمتی سے وہ ایک چھوٹے سے درخت کو پکڑنے اور اُس پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن وہاں بھی اُس کی حالت خطرناک تھی کیونکہ پانی کے تیز بہاؤ سے ہر لمحہ یہ خطرہ لگا ہُوا تھا کہ درخت اُکھڑ جائے گا یا وہ جس ٹہنی پر بیٹھا ہُوا تھا وہ ٹوٹ جائے گی اور سیلاب اُسے بہا کر لے جائے گا۔

جس وقت یہ سیلاب آیا، گھُپ اندھیرا چھایا ہُوا تھا۔ مَیں نے اپنے خیمے سے ایک لالٹین اُٹھائی اور اُس کی روشنی میں اِس دلچسپ نظارے کو دیکھ رہا تھا جب مَیں نے سرحددار کی آواز سُنی جو اِمداد کے لئے چیخ رہا تھا۔ ہمارے ایک سمجھدار ریکی نے مَوقعے کی نزاکت کو فوراً محسوس کیا۔ جلدی سے

ایک گھوڑے پر جو پاس بندھا ہُوا تھا چڑھ گیا اور اُسے پانی میں ڈال دیا۔ تھوڑی دیر بعد سرحد دار کو حفاظت سے باہر لا کر میرے پاس بلندی پر پہنچا دیا۔ اُس دلیری کے لئے میں نے "انسانی جان بچانے کے شاہی تمغے"¹ کی سفارش کی۔

دوسرے دن صبح جب میں نیند سے بیدار ہُوا تو دیکھا کہ ہزاروں نے میرے خیمے کو گھیر لیا ہے اور گرداگرد کھڑے ہُوئے مجھے باہر نکلنے کو کہہ رہے ہیں۔ لہٰذا اپنی وردی پہن کر میں اِس نیت سے باہر نکلا کہ اُن سے پُوچھ لُوں کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔

میں نے بمشکل خیمے کا پردہ اٹھایا تھا کہ اُن سب نے مِل کر نعرہ لگایا کہ "آپ بزرگ ہیں، ہماری زندگیاں آپ کی وجہ سے بچ گئی ہیں اور وہ میرا شکریہ ادا کرنے کو آئے ہیں"۔ میں نے نہایت سنجیدگی سے اُن کو جواب دیا کہ بلاشبہ میں بزرگ ہُوں۔ کیا اُنہوں نے اِس سے قبل دو دفعہ میرے کمالات کا مظاہرہ نہیں دیکھا ہے۔ بعد ازاں میجر ایچن سن نے اپنی زندگی بچانے کے لئے میرا شکریہ ادا کیا اور مجھ سے پوچھا۔ "آپ کیسے جان گئے کہ بارش ہوگی؟"

میں نے ہنستے ہُوئے جواب دیا۔ "کیونکہ میں بزرگ ہُوں میرے بیٹے! کیا تم نے ہزاروں کو ابھی اِس کا اعلان کرتے ہُوئے نہیں سُنا؟"

بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمیں سیلاب سے بچ نکلنے کا بارہا شکریہ ادا کرنا چاہیئے ورنہ اگر ہم اپنے سابقہ کیمپ کی جگہ پر ہوتے تو تمام ساز و سامان

---

¹ Royal Humane Society Medal.

کے ساتھ اپنا کیمپ کھو دیتے اور ہمارے سینکڑوں جانور مر جاتے ؛

اِس واقعہ کے دُوسرے دن ہم نے پھر گُشت کے علاقے میں سے مارچ کیا اور اپنی سابقہ جھڑپ کی جگہ پر کیمپ کیا۔ یہاں سے ہم نے زیتیؔ کی طرف اپنا مارچ جاری رکھا۔ زیتیؔ کیمپ کے لئے ایک اچھی جگہ ہے جو سُرگان کی گھاٹی کے عین پیچھے واقع ہے۔ گو کہ ہم علی الصبح پانچ بجے روانہ ہُوئے اور اثناءِ راہ کسی قسم کی مزاحمت سے بھی دوچار نہیں ہُوئے لیکن اِس کے باوجود اِس فاصلے کو جو تقریباً بارہ میل شمار ہوتا ہے آدھی رات سے پہلے طے نہیں کر سکے۔

آدھی رات کو جب ہم اِس تنگ گھاٹی سے گُذر رہے تھے تو مَیں نے ایک مقامی ہزارہ افسر کو اپنے پاس بُلایا اور کہا۔ "تمہارے آدمی اُس دن جب ہم اِس گھاٹی سے گذرنے کے لئے لڑ رہے تھے اور جب مَیں نے اُن کو واپس ہونے کا حکم دیا تو بہت مایوس ہُوئے۔ تم کو یاد ہے کہ اُنہوں نے کہا تھا کہ دشمن کی طرف سے سخت مزاحمت کے باوجود اُن کو لقین تھا کہ وہ اِس گھاٹی کو پار کر سکتے تھے۔ اب بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے۔ اب جبکہ اُنہوں نے خود دیکھ لیا کہ یہ گھاٹی کیسی ہے، آیا اُن کی تسلّی ہو گئی کہ اُس دن واپسی کا جو حُکم دیا گیا وہ ٹھیک تھا؟"

"صاحب!" اُس نے جواب دیا۔ "بے شک ہم سب نے دیکھ لیا کہ ایک ایسے مقام پر اُس دن ایک مُستعد دشمن کے خلاف ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ مَیں اپنی زندگی میں اب تک کسی ایسے مقام سے نہیں گُذرا ہُوں گو کہ مَیں خود سخت اور دشوار گذار علاقوں میں پھرنے کا عادی ہُوں۔"

درحقیقت یہ گھاٹی اِتنی تنگ تھی کہ بعض جگہوں پر لدا ہُوا اُونٹ اُس میں سے نہیں گذر سکتا تھا۔ خوش قسمتی سے ہمارے پاس کافی مقدار میں دھماکہ خیز مادہ موجود تھا جس سے ہم اِدھر اُدھر کی چٹانوں کو اُڑاتے رہتے تھے اور اِس طرح اُونٹوں کے لئے بار اُتارے بغیر گذرنے کا راستہ بنا دیتے تھے۔

اِس دوران ہم سِتوکان کے گاؤں پہنچے جو جالک سے گیارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ جالک اِس وقت گمشادزئیوں کی مضبوط قیام گاہ تھا، جہاں پر اُن کے کسی قدر مضبوط دو قلعے تھے۔

سِتوکان میں مجھے گمشادزئیوں کا ایک پیغام ملا جس میں اُنہوں نے کہا تھا کہ وہ مجھ سے گفت وشنید کرنا چاہتے ہیں اور اُنہوں نے مجھ سے پوچھا تھا کہ آیا مَیں جالک آکر اُن کو اپنی شرائط پیش کرسکتا ہُوں۔ اُنہوں نے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ شرائط اُن کے لئے قابلِ قبول ہُوئیں تو وہ اُن کو مان لیں گے اور اگر نہ ہُوئیں تو وہ اپنے لشکر کو پانچ میل کے فاصلے پر جالک کی دوسری طرف لے جائیں گے بشرطیکہ ہم بھی شہر سے پانچ میل دور اپنی طرف سے پیچھے ہٹیں۔ یہ تجویز اِس لئے پیش کی گئی تاکہ ہم ہر دو فریق کو لڑائی شروع کرنے سے قبل اپنے لشکروں کو ترتیب دینے کا موقع مِل سکے۔

مَیں نے اُن کو جواب بھیج دیا کہ مجھے اُن کی شرائط منظور ہیں اور یہ کہ مَیں اپنی فوج کے ساتھ جلد اُن کے معتبرین سے ملنے اور اُن کو اپنی شرائط پیش کرنے کو جالک پہنچ جاؤں گا۔

مَیں یہاں پر یہ ضرور کہوں گا کہ ہماری شرائط سخت نہیں تھیں۔ سرحد میں

دیرپا امن قائم رکھنے کے لئے محض چند ضروری تحفظات تھے۔ اِن شرائط کو پیش کرتے وقت اور پھر ان پر گفت و شنید کے دوران مجھے امید تھی کہ دانش مندانہ رائے کو سبقت حاصل ہوگی اور وہ اِن شرائط کو کلیتاً قبول کرلیں گے، لیکن آخری لمحے میں بہر حال شوریدہ سروں نے اپنے میانہ رَو افراد کی رائے کو نظر انداز کر کے ہماری شرائط کو رسماً رد کر دیا۔

شرائط کو رد کردینے پر مَیں نے اُن کو خبردار کیا کہ اگر وہ اپنے اِنکار پر بضد رہے تو اِس کے معنی لڑائی کے ہوں گے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اُن کو اپنے فیصلے کی اہمیت کا احساس ہے اور وہ اس پر کاربند رہیں گے۔

لہٰذا ہم نہ صرف پانچ میل واپس ہوئے بلکہ پورے گیارہ میل واپس سنوکان گئے۔ میری اِس حرکت کی وجہ یہ تھی کہ مَیں نے ایک منصوبہ بنا لیا تھا جس سے یہ ممکن ہو سکتا تھا کہ بغیر لڑے بھڑے ان جنگجو قبائیوں کو مطیع کرلوں۔ مَیں قدرتی طور پر اُن سے لڑنے سے پرہیز کرتا تھا۔ مَیں یقیناً نہیں چاہتا تھا کہ اپنے آدمیوں کو ضائع کردوں اور نہ ہی مَیں چاہتا تھا کہ سرحدیوں میں سے اور زیادہ آدمیوں کو مروا دوں۔ میرا مدّعا شروع سے یہی رہا ہے اور جس کو یہاں اِس بیانیہ میں بارہا دُہرایا ہے کہ اُن سے دوستانہ تعلقات استوار کرنا ہی میرا انتہائے مقصد تھا۔

مگر کسی نسل نے چاہے وہ سفید ہو یا رنگدار، کبھی کسی ایسے شخص یا حکومت کی عزّت نہیں کی جس نے کمزوری دکھائی ہو یا فیصلہ کرنے میں متزلزل رہی ہو۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں جو کچھ بیان ہُوا ہے اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان قبائلیوں

کے ساتھ ہماری دوستی کی تمام کوششیں اُس وقت تک ناکام ثابت ہوتی رہیں جب تک کہ اُن کو برطانوی ہتھیاروں کی طاقت سے عزت کی بات نہ سمجھائی گئی۔

جب ہم سنوکان پہنچے تو مَیں نے اپنے بریگیڈ میجر کو ہدایت کردی کہ دو جُداگانہ کیمپ لگائے۔ کیونکہ مَیں چاہتا تھا کہ اُسی رات کو اپنی فوج کے ایک حصّے کے ساتھ شبخون مار کر چالگ پر قبضہ کروں۔ میری تجویز تھی کہ اپنی سواری اور باربرداری کے جانوروں اور دوسرے تمام سامان کو جو بوجھ بنے ہوئے ہیں ایک مضبوط پہرے میں سنوکان میں چھوڑ کر باقی فوج کے ساتھ اپنے حصولِ مقصد کے لئے مخفیہ طور پر روانہ ہو جاؤں۔ اپنے اِس ارادے کو مَیں نے بہت پوشیدہ رکھا۔ صرف کچھ افسروں کو اِس کا علم تھا۔ ہم نے اِس منصوبے کو اِس حد تک پوشیدہ رکھا کہ میرا ذاتی ملازم اللہ داد جب دوسرے دن صُبح کو میرے خیمے میں میری چائے لے کر آیا تو میرے بستر کو خالی پایا۔

ہم نے آدھی رات کو نہایت خاموشی سے سپاہیوں کو جگایا اور چل پڑے۔ سپیدۂ سحر سے قبل ہم شہر کے باہر پہنچے۔ گمشاد زیئوں کو تو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ مَیں براہِ راست سنوکان چلا گیا ہوں لہٰذا آج رات اُن کو ہماری طرف سے حملے کی کوئی اُمید نہیں تھی۔ صرف آخری وقت میں اُن کو ہمارے پہنچنے کی اطلاع مِل گئی اِس لئے وہ بالکل اچنبھے میں پڑ کر بدحواس ہو گئے۔ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ جب ہم نے رسالے کے ساتھ ہلّہ بول دیا تو وہ سب بھاگ کھڑے ہوئے اور دُوسری طرف سے شہر سے نکل گئے۔ بہت سارے ہتھیار اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔ چند ہی منٹوں کے اندر دونوں قلعے ہمارے قبضے میں آ

چکے تھے۔

میرے آدمیوں نے اُن چند گمشاد زئیوں کو جو رہ گئے تھے، جمع کر لیا۔ ان کے علاوہ دونوں قلعے عورتوں اور بچوں سے بھرے ہُوئے تھے۔

میری حیرت کی اِنتہا نہ رہی جب روتی پیٹتی عورتوں اور بچوں کی تین بڑی ٹولیاں ہانک کر میرے پاس لائی گئیں اور مجھ سے کہا گیا کہ یہ سب آپ کے ہیں۔ مَیں اُس وقت چشمے کے کنارے ایک درخت کے سائے میں بیٹھا ہُوا تھا۔ ان میں سے بعض نے روتے ہُوئے مجھ سے پوچھا کہ مَیں اُن کے ساتھ کیا سلوک کروں گا۔ مَیں نے جواب دیا۔ "میں نہیں جانتا، مگر پھر بھی ایک انگریز ہُوں، جرمن نہیں ہُوں۔ تم لوگ کیا چاہتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟"

پہلے تو وہ گھبرا گئیں اور میری بات سمجھ نہ سکیں مگر جب مَیں نے اُن کو یقین دلایا کہ مَیں اُن سے سنجیدگی سے پوچھ رہا ہُوں اور واقعی یہ معلوم کرنا چاہتا ہُوں کہ وہ کیا چاہتی ہیں تب اُن کی زبانیں کھُل گئیں اور اُنہوں نے حقیقت بیان کر دی کہ وہ اپنے گھروں کو واپس جانا چاہتی ہیں۔

"بس یہی چاہتی ہو؟" مَیں نے جواب دیا۔ "پھر چلی جاؤ۔"

اُن کے چہرے جو ایک دفعہ خوشی سے دمک اُٹھے تھوڑی دیر بعد پھر اُتر گئے۔ "مگر صاحب! ہمارے پاس کچھ بھی نہیں بچا ہے، آپ نے ہماری تمام چیزوں پر قبضہ کیا ہُوا ہے۔"

"مگر مجھے تمہاری چیزیں نہیں چاہئیں۔" مَیں نے جواب دیا۔ "جو کچھ تم لوگوں کا ہے اُن کو اُٹھا لو اور چلے جاؤ۔"

اب اُن کے شکریئے کی آوازیں گونجنے لگیں مگر مَیں نے اُن کو روک کر کہا۔ "تھوڑی دیر خاموش رہو، اس سے قبل کہ تم میرا اِس قدر شکریہ ادا کرو یہ سُن لو کہ کوئی انگریز کبھی بھی عورتوں اور بچّوں کے خلاف نہیں لڑتا، لیکن تمہارے مَردوں کے ساتھ میں ضرور لڑوں گا کیونکہ اُنہوں نے مجھے بڑی تکلیف پہنچائی ہے۔ اگر مَیں نے اُن کو پکڑ لیا تو اُن کو مار ڈالوں گا۔"

"مار ڈالو اُن کو صاحب!" اُنہوں نے نفرت سے کہا۔ "جب آپ اور آپ کا لشکر آ گیا تو اُنہوں نے ہم کو چھوڑ دیا اور خود بھاگ گئے۔ وہ اِس کے مستحق ہیں۔"

یہ حقیقت مجھے بعد میں معلوم ہُوئی کہ گمشادزئی بہت جلد بعد نہ صرف جالک کے شہر سے بھاگے بلکہ سرحد کے علاقے سے بھی بھاگ کر نکل گئے اور دوسرے علاقوں میں جا کر پناہ لی۔ اِس طرح اپنے علاقے کو چھوڑ کر اُنہوں نے آخر اپنی شکست تسلیم کر لی۔

یہ دلیل وزن رکھتی ہے کہ اگر خلیل خان زندہ ہوتا تو اُن کا یہ مضحکہ خیز انجام ہرگز نہ ہوتا۔ وہ اِس کھیل کو اخیر دَم تک جاری رکھتا۔ وہ یا تو جالک میں لڑتے ہُوئے مَرتا جیسا کہ بلاشبہ وہ گشت میں لڑتے ہُوئے مَرا، یا پھر وہ ایک باعزّت طریقے سے ہمارے سامنے ہتھیار ڈال دیتا۔ خلیل خان ایک عمدہ آدمی تھا۔ اُس کی قیادت کے بغیر اُس کے آدمی پہلے لڑکھڑا گئے اور پھر ناکام و نامُراد ہو کر بھاگ گئے۔

گمشادزئیوں کے ساتھ اِس آخری معرکے کے بعد یہ ظاہر ہو گیا کہ انگریزوں

کا وقار اب تمام سرحد میں مکمّل طور پر بحال ہو گیا ہے۔ مغرب میں اسمٰعیل زئیوں کا سردار جُمعہ خان، جب سے اُس نے کچاؤ میں وفاداری کا حلف اُٹھایا تھا، اخیر دم تک اپنے قول پر قائم رہا اور انگریزوں کے مفاد میں اپنی دوستی اور وفاداری کا مظاہرہ کرتا رہا۔ علاقے کے مرکز میں یار محمد زئی کُھلی لڑائی میں شکست کھا چکے تھے۔ مشرق میں گمشاد زئی اپنے ہتھیار اور علاقہ چھوڑ کر نکل گئے تھے۔

اب یہاں پر ہمارے کرنے کو کوئی کام باقی نہیں رہا تھا۔ اِس لئے ہم آرام آرام سے مارچ کرتے ہُوئے خواشس چلے آئے۔ یہاں پر ہمیں یار محمد زئی اور گمشاد زئی دونوں کی طرف سے خطوط ملے جن میں درخواست کی گئی تھی کہ اُن کو واپس سرحد میں اُن کے علاقوں میں آنے کی اجازت دی جائے۔ جو شرائط اُن پر عائد کی جائیں اُنہیں قبول ہونگی۔

مَیں نے مسلسل آٹھ مہینے سرحد کے گرم موسم میں کام کیا تھا۔ اب میری قوّتِ برداشت تقریباً جواب دے چکی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ اِس وقت میری صحت کئی طرح سے خراب ہو چکی تھی۔ ہمارا میڈیکل افسر بھی بضد تھا اور بارہا مجھے واپس ہندوستان جانے کا مشورہ دے چکا تھا۔

اب سرحد چُونکہ مکمّل طور پر ہمارا ہو چکا تھا، باقی کام پولیٹیکل افسروں کے کرنے کا رہ گیا تھا کہ وہ قبائلیوں کے ساتھ شرائط طے کریں۔ مَیں نے میڈیکل افسر کے مشورے پر عمل کر کے واپس شملہ جانے کو رخصت کے لئے درخواست بھیج دی جو بر وقت منظور ہو گئی۔

اگرچہ ایک سرد مقام پر جا کر آرام کرنا میرے لیے ضروری تھا لیکن خواکش کو خدا حافظ کہتے وقت مجھے واقعی افسوس ہوا۔ خواکش جو اتنا عرصہ میری اُمیدوں اور خوف وہراس کا مرکز اور ایسے ڈرامائی واقعات کے ظہور پذیر ہونے کی نمائش گاہ رہ چکا تھا۔

PUBLISHERS

نساٹریڈرز

nisa traders

1.	*Armstrong*	Gray Wolf—Mustafa Kamal	150.00
2.	*Rolland Wild*	Amanullah, ex—King of Afghanistan	125.00
3.	*Sardar Ganda Singh*	Ahmad Shah Durrani	165.00
4.	*Thomes Henry Thornton*	Sir Robert Sandeman (His Life and Work)	155.00
5.	*Alexander Innes Shand*	General John Jacob Commandant of the Sind Irregular Horse and Founder of Jacobabad	145.00
6.	*Ernest Ayscoghe*	Unexplored Baluchistan	165.00
7.	*A. W. Hoghes*	The Country of Baluchistan	115.00
8.	*Justice Khuda Bakhsh Bijarani Mari*	Search-Lights on Baluchs and Baluchistan	150.00
9.	*Mohammad Sardar Khan Baluch*	History of Baluch Race and Baluchistan	175.00
10.	*Mohammad Sardar Khan Baluch*	A Literary History of the Baluchis	150.00
11.		"Baluchistan Through the Ages" (Selection from Government Record)	450.00
12.		Khalat Affairs (Selection from Government Record)	150.00
13.	*Captain A. H. Mason, Major C. V. Kemball & Lt. Col. M.J. Tighe*	Operation of the Zhob Field Force 1890—Operation of the Tochi Field Force—1897-98—Report and Diary on the Mekran Expedition—1901-02	300.00
14.	*Lt. General Sir George MacMunn*	Romance of the Indian Frontiers	165.00
15.	*Lt. General Sir George MacMunn*	The Martial Race of India	160.00
16.	*Lt. General Sir George MacMunn*	Afghanistan from Darius to Amanullah	150.00
17.	*Lt. General Sir George MacMunn*	Vignettes from Indian Wars	110.00
18.	*Sardar Ikbal Ali Shah of Afghanistan*	Afghanistan of the Afghans	100.00
19.	*Richard Ishaq Bruce*	The Forward Policy and its results	150.00
20.	*Popowski*	The Rival Power in Central Asia	100.00
21.	*Arnold Keppel*	Gun-Running and the Indian North West Frontier	100.00
22.	*Cap. J. A. Robinson*	Notes on Nomad Tribes of Eastern Afghanistan	160.00
23.		The Frontier and Overseas Expeditions from India (Selection from Government Record)	905.00
24.	*Col. Sir Thomes Holditch*	Gates of India	175.00
25.	*Lt. Col Outram*	The Conquest of Sind	185.00
26.	*G. P. Tate*	Seistan	250.00
27.	*General Sir Andrew Skeen*	Passing it On	55.00
28.	*H. G. Raverty*	Notes on Afghanistan and Baluchistan	300.00

SOLE DISTRIBUTORS

Gosha-e-Adab

QUETTA-PAKISTAN

Circular Road, Quetta (Pakistan)